سوانح حیات

شیخ الاسلام

سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب .... سوانح حیات شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

مصنف........................ سید محمد سلیمان

مطبع ....

سرورق ....

ملنے کا پتہ.......................... مکان نمبر ۷۳۸، گلی ۷۵

آئی ایٹ تھری۔ اسلام آباد

فہرست مضامین

باب سوم

باب چہارم

جماعت المسلمین

باب پنجم

''اہلحدیث'' نام کے متعلق

باب ششم
مجددِ عصر

باب ہفتم
تجدیدِ دین کے لئے مساعی

باب ہشتم

شمائل وخصائل

عادات واخلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ آپؒ کی پوری زندگی مسلسل جدوجہد میں گزری۔ آپؒ نے اپنی پوری زندگی کو دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

آپؒ نے ایک بریلوی عقائد کے گھرانے میں آنکھ کھولی۔ اپنے شوق سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا۔ فرقہ وارانہ اختلافات کا جائزہ لیا اور اس بارے میں مکمل غیر جانبدارانہ تحقیق کی۔ اور جس بات کو حق سمجھا اس پر قائم ہو گئے اور اس کی بلاخوف وخطر تبلیغ کی۔

ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے وہ کیا منظر ہوتا ہو گا جب کالج کا ایک نوجوان تازہ تازہ گریجویٹ، بڑے بڑے بزرگ اور جید علماء اور کٹر مخالفین کے مجمع میں تن تنہا سب کا مقابلہ کرتا تھا اور اپنے مضبوط دلائل سے سب کو لاجواب کر دیتا تھا۔

کاش میں اپنی ظاہری آنکھوں سے وہ منظر دیکھ سکتا۔

میں نے یہ سوانح لکھنے کا کام بہت دیر میں شروع کیا۔ اگر یہ کام میں پہلے کرتا جب ہمارے بہت سے خاندانی بزرگ زندہ تھے تو مجھے ان سے بہت ساری مزید معلومات مل سکتی تھیں۔ میں شکرگزار ہوں اپنے بھائی ڈاکٹر نعیم الدین مرزا کا اور دوسرے بھائی محمد نسیم الدین مرزا کا جنہوں نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا۔ ڈاکٹر نعیم الدین صاحب نے تو مجھے والد صاحب کے بارے میں بہت سی ضروری معلومات بھی فراہم کیں جن کو میں نے اس کتاب کے آخر میں ضمیموں کے طور پر من وعن شامل کر لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

دوسرے بھائی نسیم الدین مرزا صاحب الحمدللہ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک سخی دل عطا فرمایا ہے۔ وہ ہمیشہ امورِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ رفاہِ عامہ اور خدمت خلق کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ انہوں نے ہر موقع پر جماعت کی مالی واخلاقی مدد کی ہے۔ اللہ

تعالیٰ ان کے اعمالِ خیر کو قبول فرمائے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔آمین

جن مسائل میں والد صاحب کی بہت زیادہ مخالفت کی گئی ان مسائل کی موافقت اور مخالفت میں جو دلائل ہیں ان کو بھی میں نے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے تا کہ قارئین کے ہاتھوں میں والد صاحبؒ کی سوانح کے ساتھ ساتھ ان مختلف فیہ مسائل میں والد صاحبؒ کے دلائل کا بھی علم ہو جائے۔اور ان پر والد صاحبؒ کے موقف کی صداقت واضح ہو جائے۔

قارئین اور محققین کی سہولیت کے لئے میں نے اس کتاب میں تمام آیات و احادیث مکمل حوالہ جات کے ساتھ نقل کی ہیں۔جو احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں وہ صرف انہی دو کتابوں کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں اور ان کے لئے کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔لیکن جو احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب سے لی گئی ہیں تو کوشش کی گئی ہے کہ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ کتابوں کا حوالہ دے دیا جائے اور ان کی صحت و ضعف کے متعلق ائمۂ حدیث کے اقوال نقل کر دیئے جائیں۔

اس کتاب میں صحت کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔لیکن تقاضائے بشری کے تحت غلطی کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔اس لئے قارئین سے گزارش ہے

کہ اگر انہیں اس کتاب میں مضمون کی، کتابت کی یا حوالے کی کوئی غلطی نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

میری دعا ہے کہ جس جس نے بھی اس کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ۝ آمین یارب العالمین

سید محمد سلیمان

03348542020

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ اگست ۱۹۱۵ء کو ہمت گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ہمت گڑھ غالباً ہندوستان کی ریاست ٹونک کا ایک قصبہ ہے۔

آپ کے والد سید محمد عمر بخاری بن سید محمد حسین بن ملا جیون دہلی میں عمر منزل، تراہا بہرام خاں، کوچہ روح اللہ خان میں رہتے تھے۔ ان کا انتقال دہلی ہی میں مارچ ۱۹۴۸ء میں ہوا۔

شیخ الاسلامؒ کے ایک بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ سب سے بڑے بھائی کا نام سید محمود احمد تھا جو آپ سے تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔ آپ سے چھوٹی تین

بہنیں تھیں۔ سب سے بڑی بہن کا پاکستان بننے سے پہلے جوانی میں ریاست بھاولپور میں انتقال ہو گیا تھا اور وہ وہیں مدفون ہیں۔ بقیہ دو بہنیں تقسیم ہند کے بعد پاکستان آئیں اور عمرِ طبعی پا کر کراچی میں فوت ہوئیں۔

مغل بادشاہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں دو بھائی بخارا سے دہلی آئے۔ ان میں سے ایک بھائی جو شیخ الاسلام کے جد اعلیٰ تھے وہ دہلی کی شاہی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ بعد میں کسی وقت یہ امامت دوسرے بھائی کی اولاد میں منتقل ہوئی اور اس وقت سے آج تک انہی کی نسل میں چلی آ رہی ہے۔ اس طرح امام جامع مسجد دہلی سے ہمارا پرانا خاندانی تعلق تھا اور آپس میں میل جول بھی تھا۔ موجودہ امام جامع مسجد کے دادا جناب عبدالحمید صاحب ۱۹۵۰ء کے آس پاس پاکستان آئے تھے تو ہمارے گھر بھی تشریف لائے تھے۔ ہمارے والد کے تایا زاد بھائی سید احمد صاحب ولد سید محمد صاحب ۱۹۵۰ء میں پاکستان آنے سے پہلے امام جامع مسجد دہلی سید عبداللہ بخاری کے ساتھ ہی کام کرتے تھے۔ لیکن ان کے پاکستان آنے کے بعد دونوں خاندانوں میں رابطہ بالکل منقطع ہو گیا اور امام عبداللہ بخاری کے بعد کی نسلیں اور ہمارے خاندان کی نسلیں ایک دوسرے سے بالکل ناآشنا ہو گئیں۔

خاندانی پسِ منظر

ہمارے دادا سید محمد عمر صاحب ہندوستان کے قصبے اودے پور میں تحصیلدار تھے۔ وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور دہلی ہی میں مارچ ۱۹۴۸ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بڑے بھائی سید محمد صاحب ہمت گڑھ میں پیشکار تھے۔ اودے پور کے راجا کی بارات دریا میں ڈوب گئی تھی۔ یہ بھی اس برات میں شامل تھے۔ دوسرے براتیوں کے ساتھ یہ بھی ڈوب گئے۔ ہمارے دادا کی ایک بہن تھیں۔ ان کے شوہر ڈاکٹر فیض محمد تھے جو گوالیار میں کمپوکوٹھی میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر فیض محمد صاحب کا انتقال ہندوستان ہی میں ہو گیا تھا۔ جبکہ ان کی بیوی یعنی ہمارے دادا کی بہن نے لمبی عمر پائی اور کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

ہماری دادی اور نانی سگی بہنیں تھیں۔ یہ کل چار بہنیں تھیں۔ بھائی کوئی نہیں تھا۔ ان میں سے ایک بہن کو تو ہم نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بقیہ تین بہنوں میں ہماری دادی ''محمودہ بیگم'' سب سے چھوٹی تھیں۔ ان سے بڑی ''مبارک بیگم'' ہماری نانی تھیں۔ سب سے بڑی بہن کا نام ''مریم بیگم'' تھا۔ یہ تینوں بہنیں جناب عبدالکریم بیگ صاحب کی صاحبزادیاں تھیں جو

نیماہیڑے میں منصرم کے عہدے پر فائز تھے۔ مبارک بیگم جو منجھلی تھیں ان کا نکاح ۱۰ مارچ ۱۸۹۹ء کو جناب نصیرالدین خان صاحب سے ہوا تھا جو ریاست قرولی (راجپوتانہ) میں جیلر کے عہدے پر فائز تھے۔ جبکہ سب سے بڑی بہن مریم بیگم اوراور سب سے چھوٹی بہن محمودہ بیگم کا نکاح بالترتیب ''جناب سید محمد صاحب'' اور ''جناب سید محمد عمر صاحب'' سے ہوا تھا جو دونوں سگے بھائی تھے۔

سید محمد صاحب اور مریم بیگم کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھے۔ بیٹی سعیدہ کا انتقال ہندوستان ہی میں جوانی میں ہو گیا تھا۔ بیٹے سید احمد دہلی میں جامع مسجد میں ملازم تھے۔ ان کا کراچی میں بڑی عمر میں انتقال ہوا۔

ہمارے نانا جناب نصیرالدین خان صاحب کا انتقال قرولی (راجپوتانہ) میں ۱۹۴۰ میں ہو گیا تھا۔ ان کی اہلیہ یعنی ہماری نانی مبارک بیگم پاکستان آ گئی تھیں۔ ان کا انتقال کراچی میں ۲۱/اپریل ۱۹۵۷ کو ہوا۔ نصیرالدین خان صاحب اور مبارک بیگم کی چار بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑی بیٹی فاطمہ صغریٰ کا نکاح ان کے چچازاد بھائی جناب علیم الدین خان صاحب سے ہوا تھا۔ فاطمہ صغریٰ کا جوانی میں انتقال ہو گیا تھا۔ انکی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان سے چھوٹی بیٹی فاطمہ زہرا بیگم کا نکاح

اپنے چچازاد بھائی جناب جمال الدین مرزا سے ہوا۔ان کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ان کے بیٹے جسٹس صلاح الدین مرزا کا نکاح جناب سعید الاسلام صاحب کی صاحبزادی عائشہ بیگم سے ہوا۔فاطمہ بیگم کی بڑی بیٹی کا نکاح اپنے چچازاد بھائی ڈاکٹر محمد نعیم الدین مرزا ولد محمد علیم الدین مرزا سے ہوا۔دوسری بیٹی کا نکاح عبدالمجیب صاحب اور سب سے چھوٹی بیٹی کا نکاح سید عباس علی صاحب سے ہوا۔

جناب نصیر الدین خان صاحب اور مبارک بیگم کی تیسری بیٹی ''میمونہ بیگم'' تھیں جن کا نکاح اپنے سگے خالہ زاد بھائی یعنی شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔جبکہ سب سے چھوٹی بیٹی حبیبہ بیگم کا نکاح جناب غلام مصطفیٰ بیگ صاحب سے ہوا۔

تعلیم

شیخ الاسلام نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنی والدہ سے حاصل کی جو قرآن مجید، تفسیر، حدیث اور فقہ حنفی کی عالمہ اور عربی و فارسی سے بخوبی واقف تھیں۔اس کے بعد آپ نے اسکول اور کالج میں داخلہ لیا اور دنیاوی تعلیم حاصل کی۔آپ نے پوری تعلیم (لشکر) گوالیار میں حاصل کی اور ۱۹۳۶ء میں آگرہ یونیورسٹی سے سائنس اور ریاضی میں فرسٹ ڈویژن میں گریجویشن کیا۔اس زمانے میں تعلیم کا معیار اتنا اعلیٰ تھا کہ اس وقت کے میٹرک پاس حضرات میں جتنی علمی قابلیت ہوتی تھی اتنی آج کل کے ایم اے/ایم ایس سی پاس حضرات میں بھی نہیں ہوتی۔الا ماشاءاللہ۔

آپ بے انتہا ذہین تھے۔ genius تھے اور طبعیات (Physics) اور ریاضی (Mathematics) کی تعلیم نے آپ کی ذہانت کو مزید جلا بخشی۔آپ کی قوتِ حافظہ بھی بہت اچھی تھی۔طبعیات، ریاضی اور انگریزی قواعد (English Grammar) کے آپ ماہر تھے۔حساب، الجبرا اور جیومیٹری کے مشکل سے مشکل سوالات جو اچھے اچھے اسکولوں کے اساتذہ بھی

نہ حل کر پاتے تھے انہیں آپ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔

انگلش گرامر پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔انگریزی زبان کے بھی آپ بڑے عالم اور ماہر تھے۔اردو تو آپ کے گھر کی لونڈی تھی۔آپ اہلِ زبان تھے اور اردو قواعد کے بڑے عالم تھے۔غلط اردو بولنے کو آپ بالکل برداشت نہیں کرتے تھے اور فوراً اصلاح فرما دیتے تھے۔

عربی کی باقاعدہ تعلیم آپ نے پاکستان آنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں علامہ خلیل عربؒ سے حاصل کی۔علامہ صاحب اُس وقت کراچی میں پیر الٰہی بخش کالونی میں مکان نمبر ۱۱۷۲ میں رہائش پذیر تھے۔اُس وقت کے دیگر جید علماء مثلاً علامہ شرف الدین محدث دہلوی وغیرہ سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔

آپ کو اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔پنجابی بھی آپ سمجھ لیتے تھے۔

ملازمت

بی ایس سی پاس کرنے کے بعد آپ گوالیار ہی میں ہائی اسکول میں سائنس ٹیچر ہو گئے۔وہاں سے آپ کا تبادلہ مُرینہ ہوا اور اس کے بعد شیو پوری ہائی اسکول (گوالیار) میں آپ کی تعیناتی ہوئی۔تقسیمِ ہند کے وقت آپ شیو پوری ہی میں تھے۔تقسیمِ ہند کے بعد آپ حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں اور بھی رشتہ دار مقیم تھے۔وہاں آپ نے محلّہ جدید ملک پیٹھ، اعظم پورہ شرقی میں ہمارے رشتے کے ماموں کے پاس رہائش اختیار کی اور دارالشفاء ہائی اسکول میں بطورِ سائنس ٹیچر ملازم ہو گئے۔

حیدرآباد دکن میں آپ بہت کم عرصہ رہے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں براستہ بمبئی بحری جہاز سے جس کا نام ڈمرا تھا کراچی آ گئے۔بمبئی سے کراچی کا سفر تین دن کا تھا۔ہم لوگ ۲۱ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو صبح کے وقت کراچی پہنچے۔

کراچی آ کر بھی آپ سائنس ٹیچر ہی لگنا چاہتے تھے لیکن یہاں کے محکمہء تعلیم کے افسران نے بی ٹی کی شرط لگا دی۔مجبوراً آپ نے وزارتِ تجارت میں ملازمت اختیار کی اور ریٹائرمنٹ تک اسی وزارت سے وابستہ رہے۔

جوانی

والدصاحب کی جوانی مثالی جوانی تھی۔دین کی طرف آپ کا میلان بچپن ہی سے تھا۔کوئی بری عادت مثلاً سگریٹ پینا، پان کھانا، بری صحبت میں بیٹھنا، گانے سننا، فلمیں دیکھنا،افسانے اورناول پڑھنا وغیرہ وغیرہ آپ میں بچپن ہی سے نہیں تھی۔پوری زندگی آپ نے کبھی سینما کا رخ نہیں کیا۔بازاروں اورہوٹلوں میں کھانے سے تمام عمر اجتناب کیا۔کبھی خلافِ وقار کوئی کام نہیں کیا۔البتہ بریلوی پس منظر ہونے کی وجہ سے شروع میں آپ کو قوالی سننے کا بہت شوق تھا لیکن اہلحدیث ہونے کے بعد عین جوانی میں آپؒ نے اس سے توبہ کرلی اور پھر انتہائی پسند ہونے کے باوجود تمام عمر کبھی قوالی نہیں سنی۔

شعروشاعری سے بھی آپ کو کوئی شغف نہ تھا۔کبھی کسی مشاعرے میں نہیں گئے۔البتہ ادبی ذوق آپ کا بہت اعلیٰ تھا۔غالبؔ اور دیگر قدیم شعراء کو آپ نے پڑھا ہوا تھا۔

اردو کے مشہور شاعر جاں نثار اخترؔ آپ کے کالج میں پڑھتے تھے اور آپ

سے سینئر تھے۔نوجوانی میں آپ جاں نثار اخترؔ کی مندرجہ ذیل نظم ''مسافر'' اکثر پڑھتے اورسناتے تھے۔

مسافر

چلا چل ابھی دور ہے آشیانہ
قدم جو اٹھانا سنبھل کر اٹھانا
چلے گا سبھی چال اپنی زمانہ
کہیں ہٹ کے رستے سے ٹھوکر نہ کھانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

جوانی کی وادی کے خنداں نظارے
محبت کے گردوں کے رقصاں ستارے
تجھے راہ میں یوں کریں گے اشارے
کہ آ ہم سکھائیں تجھے دل لگانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

حسینوں پہ بجلی گراتا گزر جا
تمنّا کے شعلے بجھاتا گزر جا

نظر سے نظر یوں ملاتا گزر جا
تجھے جیسے آتا نہیں مسکرانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

اشارے سے تجھ کو بلا لے نہ ساقی
تجھے میکدے میں بٹھا لے نہ ساقی
تیرے دل میں یہ بات ڈالے نہ ساقی
کہ یہ زندگی کیا ہے پینا پلانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا
پکارے گی مطرب کی ہر تان تجھ کو
ڈبو دے نہ نغموں کا طوفان تجھ کو
ہو چنگ اور بربط کا ارمان تجھ کو
سمجھ لے کہ یہ زندگی ہے ترانہ
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا
مناظر کی دیوی نہ جادو جگائے

قدم تیرے پکڑیں نہ باغوں کے سائے
نظر ہر کلی ہاتھ جوڑے نہ آئے
تخیّل کا رنگین دھوکا نہ کھانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا
تجھے راہ میں خانقاہیں ملیں گی
مشائخ کی تفریح گاہیں ملیں گی
مذاہب کی پُر پیچ راہیں ملیں گی
نہیں جن میں منزل کا کوئی ٹھکانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا
تجھے یاں پہ غدار اکثر ملیں گے
تہہِ آستین جن کے خنجر ملیں گے
بہت تجھ کو ایسے بھی رہبر ملیں گے
فقط یاد ہے جن کو رستہ بھلانا
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا
اٹھیں گی گرجتی گھنیری گھٹائیں

ڈکاریں گی کیا کیا اندھیری فضائیں
نگل جائیں گی راہ کالی بلائیں
تجھے بھی نہ ظلمت بنالے نشانہ
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

کوئی تجھ کو باغی کہے بھی تو کیا ہے
زمیں پر تیرا خوں بہے بھی تو کیا ہے
جوانی مظالم سہے بھی تو کیا ہے
یہ تیرا زمانہ ہے تیرا زمانہ
مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

یہ حمد بھی آپ اکثر پڑھتے تھے:۔

اَلْحَمْدُ لِرَبِّ هُوَ شَافٍ لِّسَقِيْمٍ
وَالشُّكْرُ لِمَنْ اَرْحَم مِنْ كُلِّ رَحِيْمٍ

سب تعریف اس پروردگار کے لئے ہے جو بیماروں کو شفا دینے والا ہے
اور شکر اس ذات کے لئے جو ہر مہربان سے زیادہ مہربان ہے۔
ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اشعار آپ کو پسند تھے

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہوگئیں (غالبؔ)

تجھی سے ابتدا ہے تو ہی ایک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا (جگرؔ)

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی میں گزار دے (داغؔ)

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا
(آتشؔ)

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
(مومنؔ)

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا
(بہادر شاہ ظفر)

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

(ثاقب قزلباش)

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(نظیر اکبر آبادی)

اسلام کی تبلیغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کے ہاتھوں بہت اذیتیں برداشت کیں۔ مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کو بہت تکلیفیں دیتے تھے لیکن آپ ﷺ نہ صرف بڑے صبر و تحمل سے ان تمام تکالیف کو برداشت فرماتے تھے بلکہ ان تکلیف دینے والوں کے لئے دعائے خیر فرماتے تھے۔ حفیظ جالندھری نے شاہنامۂ اسلام میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔

پیمبرؐ دعوتِ اسلام دینے کو نکلتا تھا
نویدِ راحت و آرام دینے کو نکلتا تھا
نکلتے تھے قریش اس راہ میں کانٹے بچھانے کو
وجودِ پاک پر سو سو طرح کے ظلم ڈھانے کو
کوئی یہ پاک گردن گھونٹتا تھا کس کے چادر میں
کوئی دیوانہ پتھر مارتا تھا آپؐ کے سر میں
قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں

گزرگاہِ گُلِ گلزارِ وحدت میں بچھاتی تھیں
نجاست گھر کے دروازے پہ لا کر پھینک جاتی تھیں
جھگڑتی بدزبانی کرتی تھیں فتنے اٹھاتی تھیں
کلامِ حق کو سن کر کوئی کہتا تھا یہ شاعر ہے
کوئی کہتا تھا کاہن ہے کوئی کہتا تھا ساحر ہے
مگر وہ منبعِ حلم و صفا خاموش رہتا تھا
دعائے خیر کرتا تھا، جفا و ظلم سہتا تھا

یہ بند پڑھتے پڑھتے آپ آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس بند کا آخری شعر آپ کو بالخصوص بہت پسند تھا اور آپ نے اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا۔

جماعت المسلمین کے احیاء سے بہت عرصہ پہلے آپ نے شعر پڑھنے چھوڑ دئے تھے۔ اپنی تقریروں میں بھی آپ اشعار نہیں پڑھتے تھے۔ اور جہاں تک مجھے مستحضر ہے آپ نے اپنی تصانیف میں بھی کہیں کوئی شعر نقل نہیں فرمایا۔

آپؒ کی ایک بہت ہی چھوٹی، جیبی سائز کی نوٹ بک تھی جس میں آپؒ نے حمد، نعتیں اور قوالیاں لکھی ہوئی تھیں مثلاً

تجلی طور کی ، موسیٰ کا منشا بن کے نکلیں گے
محمدؐ حشر کے میداں میں دولہا بن کے نکلیں گے
یہ ان کے گھر کی محفل ہے بڑے جوبن سے نکلیں گے۔
تمہارا نام ہی لے کر مٹیں گے چاہنے والے
تمہارا نام ہی لیتے ہوئے مدفن سے نکلیں گے
حدیثِ پیمبر ہو اور گوشِ دل ہو۔ زباں ہو وے اور گفتگوئے محمدؐ
وغیرہ وغیرہ۔

اس بیاض میں کچھ شرکیہ اشعار بھی تھے جو آپؒ نے خود ہی بریلویت سے تائب ہونے کے بعد قلمزد کر دیئے تھے۔ یہ بیاض آپؒ کی شادی سے پہلے کی آپؒ کی نوجوانی کی یادگار تھی۔ یہ نوٹ بک مجھ سے ہی گم ہوئی۔ ۱۹۵۰ کے عشرے میں ایک دن میں اسے اپنے اسکول لے گیا۔ واپسی میں وہ راستے میں کہیں گر گئی جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ لیکن والد صاحب کا اس نوٹ بک سے لاتعلقی کا یہ عالم تھا کہ نہ تو آپؒ نے کبھی اس کو تلاش کیا، نہ کبھی اس کے متعلق پوچھا۔ بلکہ آپؒ نے کبھی اس کی کمی محسوس ہی نہیں کی۔

شادی

۱۹۳۶ء میں آپ کا نکاح آپ کی سگی خالہ زاد بہن میمونہ بیگم بنتِ نصیر الدین خان صاحب سے ریاست قرولی (راجپوتانہ) میں ہوا۔ اُس وقت آپ شیوپوری یا مُرینہ (ضلع گوالیار) میں تعینات تھے۔

چونکہ والد صاحب کی خالہ قرولی میں رہتی تھیں اور پھر آپؒ کی شادی بھی قرولی میں ہوئی تو یہ آپؒ کی سسرال بھی ہوئی اس لئے مناسب ہے کہ یہاں آپؒ کی سسرال اور ریاست قرولی کے متعلق مختصراً کچھ بیان کر دیا جائے۔

سسرال کا مختصر تعارف

والد صاحبؒ کے سسر یعنی ہمارے نانا جناب نصیر الدین خان صاحب ریاست قرولی میں جیلر کے عہدے پر تعینات تھے۔ راجا سے ان کے ذاتی تعلقات تھے اور راجا ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ راجا ان کی اتنی عزت کیوں کرتا تھا اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

ہمارے نانا نصیرالدین خان صاحب کے دادا مرزا محمد اعظم علی خان (۱۸۰۸ـ۱۸۷۸) بہادر شاہ ظفر کے وزیر تھے اور اعظم علی خان کے بیٹے رشید الدین خاں (یعنی ہمارے پرنانا) گو اس وقت عمر میں کم تھے لیکن ان کو عہدہ کمانڈر انچیف کا دے دیا گیا تھا۔ اعظم علی خان کو بہادر شاہ ظفر نے بقاؤ الدولہ اور تہور جنگ کے خطابات عطا کئے تھے۔ اور رشید الدین خان کو رشید الدولہ اور ہزبر جنگ کے خطابات عطا کئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد یہ دونوں انگریزوں کو مطلوب تھے۔ خاندان کے دیگر لوگ دہلی دروازے پر لٹکا کر قتل کئے جا چکے تھے۔ صرف مرد ہی نہیں، بچے، بچیاں، خواتین سب کو قتل کر دیا گیا تھا۔ صرف اعظم علی خان، ان کے بیٹے رشید الدین خان اور ان کی آیا دلپسند بیگم یہ تینوں کسی طرح دہلی سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ بہت عرصہ جنگلوں میں، پہاڑوں کی کھوؤں میں گزارا۔ رات کو جنگل میں نکلتے اور کھانے کے لئے جنگلی پھل، پتیاں لاتے اور انہیں کھا کر گزارا کرتے۔ جنگل میں ہر طرح کے جانور تھے لیکن کسی نے ان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ کسی طرح آخر یہ قرولی پہنچ گئے۔

اعظم علی خان جب بہادر شاہ ظفر کے وزیر تھے اس وقت سے ان کے راجپوت راجاؤں سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ قرولی کا راجا مدن پال، اعظم

علی خان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک عظیم الشان حویلی جو اندرون وزیر پور دروازہ تھی رہنے کے لئے ان کو دے دی۔

پولیٹیکل ایجنٹ کو جب معلوم ہوا کہ اعظم علی خان قرولی میں مقیم ہیں تو اس نے راجا سے ان کو طلب کیا۔ لیکن انگریزوں کی حکومت کا قرولی کے راجا سے یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ اگر راجا نے کسی کو پناہ دی تو اسے انگریزی حکومت کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ راجا نے اس معاہدے کے تحت ان کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور انگریزوں کو یقین دلایا کہ اب یہ کبھی انگریزوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ لہٰذا ان کو نہ صرف معافی دے دی گئی بلکہ اعزاز سے بھی نوازا گیا اور ۱۸۸۷ میں اس وقت کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کی طرف سے رشید الدین خان صاحب کو ''خان بہادر'' کا خطاب دیا گیا۔

رشید الدین خان کو بعد میں قرولی میں کونسل کی ممبری بھی مل گئی جبکہ اعظم خان بھوپال چلے گئے اور وہاں شاہی وزیر مقرر ہو گئے۔

رشید الدین خان صاحب جب قرولی میں ممبر کونسل تھے تو راجا کا انتقال ہو گیا۔ راجا کے بعد اس کے بیٹے کو گدی ملنی تھی۔ اس غرض سے پولیٹیکل ایجنٹ قرولی آیا اور راجا کے بیٹے کو بلایا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ پولیٹکل ایجنٹ

نے رشید الدین خان کو بلایا کہ راجا کے بیٹے نے آنے سے انکار کر دیا۔ معلوم کرو کیا وجہ ہے۔ یہ راجا کے بیٹے کے پاس آئے۔ وجہ معلوم کی تو اس نے کہا بس یونہی منع کر دیا۔ رشید الدین خان نے کہا صاحب بہت ناراض ہے۔ تمہاری گدی ختم کر دے گا۔ انہوں نے راجا کے بیٹے کے انگوٹھے کو چاقو سے تھوڑا زخمی کیا۔ اس پر پٹی باندھی اور اسے صاحب کے پاس لے گئے اور کہا کہ ان کے انگوٹھے میں زخم تھا اس لئے نہیں آئے تھے۔ اب یہ آ گئے ہیں۔ صاحب بولا خان بہادر صاحب ہم سب سمجھتا ہے۔ یہ ترکیب تم نے کیا ہے۔ اچھا ہم اس کو گدی دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ گدی پر فراز ہو گئے۔ اس وقت سے راجا کا پورا خاندان ہمارے بزرگوں کی بڑی عزت اور خیر خواہی کرتا رہا۔ راجا بھنور پال اور گنیش پال کہتے تھے کہ ہماری گدی تو خان بہادر صاحب کی وجہ سے ہے۔

ریاست قرولی

قرولی پہاڑی علاقہ ہے۔ چاروں طرف لال پتھر کے پہاڑ ہیں۔ قرولی کا لال پتھر بہت مشہور تھا۔ سنا ہے کہ دہلی کی جامع مسجد اور قطب صاحب کی لاٹ اسی پتھر سے بنی ہیں۔ قرولی کی تمام سڑکیں اسی پتھر سے بنی ہوئی تھیں۔

قرولی کے چاروں طرف قلعہ کی فصیل تھی جو پتھر کی بڑی بڑی

سلوں (slabs) سے بنی ہوئی تھی۔ یہ سلیں ۴۰ تا ۶۰ فٹ لمبی اور دس سے ۲۵ فٹ چوڑی تھیں۔ تعجب ہوتا ہے اس زمانے میں اس قدر بڑی slabs کس طرح پہاڑوں سے کاٹی گئی ہونگی اور کس طرح ان کو شہر لایا گیا ہوگا اور کس طرح ان کو اٹھا کر فصیل میں لگایا گیا ہوگا۔ فصیل میں پانچ بڑے بڑے دروازے تھے۔

(۱) وزیر پور دروازہ۔ ہماری حویلی اس دروازے کے پاس تھی۔

(۲) جیل دروازہ۔

(۳) نہار دروازہ۔ نہار شیر کو کہتے ہیں۔ راجا اپنی فوج کے ساتھ شیر کے شکار کو جایا کرتا تھا۔ شیر کا شکار کرنے کے بعد اس کو ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر اسی دروازے سے لایا جاتا تھا۔ اسی لئے اس کا نام نہار دروازہ تھا۔

(۴) ندی دروازہ۔

(۵) ہنڈون دروازہ۔ اس دروازے کے باہر بسوں، تانگوں اور اِکّوں کا اڈا تھا۔ اِکّا بھی تانگے کی طرح کا ہوتا تھا مگر اس سے چھوٹا ہوتا تھا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ تین آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ تانگوں اور بسوں میں بیٹھ کر اس دروازے سے ہنڈون جایا کرتے تھے اس لئے اس دروازے کا نام ہنڈون دروازہ تھا۔

دروازوں کی اونچائی کم ازکم چالیس فٹ ہوتی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ راجا ہاتھی پر بیٹھ کران دروازوں سے گزرتا تھا۔ہاتھی کے اوپر ایک ہودج ہوتا تھا۔ وہ بھی تقریباً پانچ فٹ اونچا ہوتا تھا۔اس ہودج میں راجا بیٹھتا تھا۔ہودج کے اوپر ایک بہت اونچی چھتری ہوتی تھی۔لہٰذا دروازے کو اتنا اونچا بنایا جاتا تھا کہ راجا ہاتھی پر بیٹھ کر باآسانی گزر سکے۔دروازے میں ایک کھڑکی ہوتی تھی۔دروازے رات کو بعد مغرب بند کر دیئے جاتے تھے۔کھڑکی کھلی رہتی تھی۔دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کرنے اور کھولنے کا باقاعدہ سرکاری انتظام تھا۔ہر دروازے کے لئے ایک سپاہی مقرر تھا۔دروازے بند کرنے کے بعد کنجیاں راجا کے دفتر میں جمع کرادی جاتی تھیں۔

ہنڈون، جے پور ریاست کا ریلوے اسٹیشن تھا جو قرولی سے تقریباً بیس میل دور تھا۔

پہاڑی علاقہ ہونے کے باعث قرولی میں شدید گرمی اور شدید سردی ہوتی ہے۔گرمی میں لو لگنے سے اموات ہو جاتی تھیں۔سردیاں اس قدر سخت کہ ہاتھ پیر پھٹ جاتے تھے۔ اسکول میں بیٹھے بیٹھے کلّے پھٹ جاتے تھے۔خون ٹپکنے لگتا تھا۔اس زمانے میں سوئیٹر نہیں ہوتے تھے۔روئی کی کمریاں،فتوحیاں

ہوتی تھیں۔فلالین کے کرتے، پاجامے پہنتے تھے۔

قرولی میں برف نہیں ہوتی تھی۔کورے مٹکوں میں پانی بھر کر رکھا جاتا تھا۔جس قدر لو چلتی اتنا ہی پانی ٹھنڈا ہوتا۔آخری وقت میں برف آنے لگی تھی۔ برف جے پور کے علاقے ہنڈون سے بس کے ذریعے آتی تھی۔پورے شہر کے لئے صرف دو سلیاں آتی تھیں۔ایک سلی ایک من سے زیادہ کی ہوتی تھی۔راجا رانیوں کے لئے پانچ پانچ سیر دی جاتی تھی۔ہمارے نانا ابا کے لئے دو سیر وقف ہوتی تھی۔

قرولی شہر میں بجلی بھی نہیں تھی۔ایک چھوٹا سا پاور ہاؤس تھا۔جس کے ذریعے راجا، رانیوں اور جیلر صاحب یعنی ہمارے نانا کی حویلی کو بجلی دی جاتی تھی۔ ہمارے ہاں پوری حویلی میں صرف دو بلب جلتے تھے۔اُس زمانے میں ۱۰۰ واٹ سے زیادہ کا بلب نہیں ہوتا تھا۔بجلی کے پنکھا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

بسکٹ، ڈبل روٹی، پاپے آگرہ، جے پور، بھرتپور سے آتے تھے۔قرولی میں آم بہت کثرت سے ہوتے تھے۔بمشکل ایک آنہ سیر۔قلمی آم کو تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔سپاہی آم والے سے کہہ آتا کہ خان صاحب کو آم چاہئے۔وہ آم گھر پہنچا دیتا۔جب تک بارش نہ ہو جائے آم نہیں کھایا جاتا تھا اور نہ گرمی دانے نکل آتے

تھے۔

قرولی میں بندر بہت ہوتے تھے۔ان کو مارنا جرم تھا۔یہ غول کے غول ایک ساتھ چلتے تھے۔ہماری حویلی میں بھی آجاتے تھے۔ہماری نانی کے باورچی خانے سے روٹیاں لے کر بھاگ جاتے تھے۔یہ کھیتوں اور باغوں کو بھی بہت نقصان پہنچاتے تھے۔قرولی میں مور بھی بہت تھے۔ہندوان کو بھی دیوتا مانتے ہیں۔ان کو مارنے پر بھی سزا ہو جاتی تھی۔

قرولی میں سانپ اور بچھو بھی بکثرت ہوتے تھے۔ہمارے ماموں جان کو بچھو کا زہر اتارنا آتا تھا۔لوگ ان کے پاس بچھو کو جھڑوانے آتے تھے۔اکثر رات کو آ کر اٹھاتے کہ خان صاحب بچھو نے کاٹ لیا ہے۔اتار دیجئے۔لوگ روتے ہوئے آتے اور ہنستے ہوئے جاتے تھے۔

قرولی میں ایک صاحب سانپ کے کاٹے کو اچھا کرتے تھے۔ان کا بڑا عجیب طریقہ تھا۔جو شخص بھی جا کر ان سے کہتا کہ فلاں شخص کو سانپ نے کاٹ لیا ہے تو وہ اس خبر دینے والے کے چہرے پر بڑا زوردار تھپّڑ مارتے اور سانپ کا کاٹا اچھا ہو جاتا۔ایک مرتبہ عدالت عظمیٰ کے جج صاحب کی بیٹی کو کشمیر میں سانپ نے کاٹا۔جب بیٹی کو سانپ کے کاٹنے کا تار (ٹیلیگرام) موصول ہوا تو جج صاحب

بہت پریشان ہوئے۔لوگوں نے کہا پریشان نہ ہوئیے۔اُن صاحب کے پاس کسی کو بھیج دیں۔وہ تھپڑ ماریں گے اور آپ کی بیٹی ٹھیک ہو جائے گی۔تھپڑ کھانے کون جائے۔کوئی تیار نہ تھا چونکہ سب کو معلوم تھا کہ بڑا زوردار تھپڑ پڑے گا۔ایک دیہاتی جو کسی مقدمے کے سلسلے میں آیا ہوا تھا اس کو بھیجا گیا۔ان صاحب نے اس دیہاتی کے زوردار تھپڑ لگایا اور کہا کہ ”جا، سانپ کا کاٹا اتر گیا اور لڑکی ٹھیک ہوگئی“۔وہ بیچارہ جج صاحب کے پاس آیا اور ان کو پوری روداد سنائی۔جج صاحب نے اس کو انعام دیا۔پھر کشمیر تار بھیجا تو جواب آیا کہ لڑکی ٹھیک ہوگئی۔قرولی کے راجا نے ان صاحب سے کہا کہ یہ عمل کسی کو دے دیجئے۔انہوں نے کہا اس کی اجازت نہیں۔ مگر میں یہ کر سکتا ہوں کہ اس عمل کو کسی کنویں میں دم کر دیتا ہوں۔جو بھی اس کنویں کا پانی پیئے گا اس کا سانپ کا زہر اتر جائے گا۔پانی منہ دوسری طرف کر کے کھینچا جائے گا۔اور اگر کسی عورت نے اس کنویں میں جھانک لیا تو وہ عورت مر جائے گی اور پانی میں سے اثر جاتا رہے گا۔راجا نے کہا یہ تو بہت مشکل کام ہے۔۲۴ گھنٹے وہاں کوئی سپاہی بیٹھا رہے۔لہٰذا معاملہ ختم ہوگیا۔

قرولی میں میٹرک تک تعلیم مفت تھی۔راجا نے نویں اور دسویں جماعت کی فیس چار آنے (آجکل کے پچیس پیسے) مقرر کی تو اس پر ہنگامہ ہوا۔سب

لڑکے راجا کے محل پہنچ گئے۔ دھرنا دے دیا کہ فیس معاف کی جائے۔ راجا نے فیس
معاف کر دی۔

قرولی ہندو ریاست تھی۔ راجپوت زیادہ تعداد میں تھے۔ مسلمان کم تھے
مگر حکومت میں زیادہ تر مسلمان تھے چونکہ یہ تعلیم یافتہ تھے۔ ہندو مسلمانوں سے
ڈرتے تھے اور ان سے دب کر رہتے تھے۔ مسجد کے سامنے ڈھول، تاشے جو شادی
کے موقع پر بجائے جاتے ہیں نہیں بجائے جاتے تھے۔ جونہی مسجد قریب آتی بند کر
دئے جاتے تھے۔ اذان کی بہت اہمیت تھی۔ اذان ہوتے وقت سب ہندو ٹوپی
اوڑھ لیتے تھے۔ ہندوؤں کا سنکھ مندر میں اذان کے بعد بجتا تھا۔ ہندو نماز اور
اذان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

ہندو عورتیں ہر نماز کے بعد بیمار بچوں کو لے کر مسجد کے باہر کھڑی ہو جاتی
تھیں۔ جو لوگ نماز پڑھ کر باہر نکلتے ان بیمار بچوں پر پڑھ کر پھونک دیتے تھے۔
بچے اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو جاتے تھے۔ ہندو عورتیں گلاس میں پانی بھی لے کر
کھڑی ہوتی تھیں۔ مسلمان اس پانی پر دم کر دیتے۔ یہ پانی دوا کے طور پر کام آتا۔

وہاں مسلمانوں میں ایک رواج تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کو
ساتویں دن عقیقے کے بعد اچھے کپڑے پہنا کر مسجد لے جایا جاتا تھا۔ جب تک بچہ

پہلے مسجد نہیں ہو آتا تھا وہ کسی اور جگہ نہیں جا سکتا تھا۔ سب سے پہلے بچے کو اللہ کا گھر
دکھایا جاتا تھا۔ بچے کو منبر پر لٹایا جاتا تھا۔ قرآن مجید پڑھ کر بچے کو سنایا جاتا تھا۔
قرآن مجید اس کے کان کے پاس پڑھا جاتا تھا۔ پھر مٹھائی تقسیم ہوتی تھی۔ بے شمار
بچے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔

خان صاحب کی حویلی

راجا نے اعظم خان کو جو حویلی دی تھی وہ تین منزلہ تھی اور زیادہ تر لال
پتھر سے بنی ہوئی تھی۔ یہ حویلی خان صاحب کی حویلی کہلاتی تھی۔ حویلی کے صدر
دروازے پر سپاہیوں، پہرہ داروں کے بیٹھنے کے لئے برجی نما دو بڑی گوکھیں بنی
ہوئی تھیں۔ حویلی میں ایک بہت بڑا تہہ خانہ تھا۔ مشہور تھا کہ اس میں خزانہ ہے مگر
اس میں کبھی کوئی اندر نہ گیا۔ ایک مرتبہ کچھ نوجوانوں نے اندر جانے کا پرگرام
بنایا۔ لالٹینیں جلا کر اندر جانے کی کوشش کی مگر مکڑی کے بے شمار جالوں کی وجہ سے
اندر جانا ممکن نہیں تھا۔ اور پھر اندر ایک عجیب قسم کی بہت سخت ناگوار بو تھی۔ اس
لئے کسی کی اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

حویلی میں بہت سے کمرے ایسے تھے جو مستقل بند رہتے تھے۔ مشہور تھا کہ ان میں جنات رہتے ہیں۔ حویلی کے ہر کمرے، دالان میں بڑی موٹی موٹی کیلیں گڑی ہوئی تھیں۔ ہمارے نانا نصیر الدین خان کے بڑے بھائی ظہیر الدین خان قرولی میں ولی اور قطب کے اعزاز سے مشہور تھے۔ کہا جاتا تھا کہ انہوں نے جنات کو کیل رکھا تھا۔ سب کو ہدایت تھی کہ ان کیلوں کو نہ نکالا جائے ورنہ جن آزاد ہو جائیں گے اور سب کو ستائیں گے۔

حویلی کی نچلی منزل میں دالان در دالان اور کوٹھریاں تھیں۔ کسی زمانے میں یہ حصہ آباد ہوگا مگر ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ان کو خالی ہی دیکھا۔ ان کمروں میں چھوٹی اور بڑی چمگادڑیں الٹی لٹکی رہتی تھیں۔

ہمارے ہوش سنبھالنے کے وقت حویلی کی بالائی منزل کے صرف دو حصے آباد تھے۔ ایک حصے میں ہمارے نانا رہتے تھے اور دوسرے حصے میں ان کے بھتیجے (یعنی ظہیر الدین خان کے بیٹے) اور ہمارے ماموں علیم الدین خان رہتے تھے۔ سب سے اوپری منزل بھی بالکل خالی تھی اور مشہور یہی تھا کہ وہاں جنات رہتے ہیں۔ علیم الدین خان صاحب کی والدہ نچلی منزل میں رہتی تھیں۔ وہ بتاتی تھیں کہ اکثر ایسا ہوتا کہ میں کھانا پکا رہی ہوتی کہ ایک پیالہ میرے سامنے کر دیا

جاتا اور کوئی کہتا کہ اس میں سالن ڈال دو۔ میں ڈال دیا کرتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میں دعوت کے لئے کھانا پکا کر رکھتی۔ جب کھانا نکالنے کا وقت آیا تو دیکھا کہ بریانی یا مٹھاس آدھی غائب۔ مجھے غصہ آتا۔ کہتی کم بختو۔ اب مہمانوں کو کیا کھلاؤں گی تو ٹھٹھہ مارنے کی آواز آتی۔

یہ حویلی اگرچہ ہمارے بچپن میں ہی بہت خستہ حال میں تھی لیکن اللہ کی قدرت ہے کہ یہ حویلی اب بھی اسی طرح قائم ہے۔ ایک صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان گئے تھے۔ وہ قرولی بھی گئے۔ انہوں نے آ کر بتایا کہ اب اس حویلی میں لڑکیوں کا ہائی اسکول بنا دیا گیا ہے۔ (ماخوذ ملخصاً از "شجرہ خاندان مغلیہ عالیہ"۔ صفحات ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۵۶، ۵۹، ۸۳ تا ۸۷)۔

ازواجی زندگی

شیخ الاسلامؒ کا نکاح آپ کی سگی خالہ زاد بہن سے ہوا تھا۔ دونوں میں بڑی ذہنی ہم آہنگی تھی اور دونوں ہی بہت زیادہ دینی رجحان رکھتے تھے۔ ہماری والدہؒ بڑی صابر و شاکر اور باوفا خاتون تھیں۔ انہوں نے ہر مرحلے میں والد صاحب کا مکمل ساتھ دیا اور ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

دینی معلومات کے ساتھ ساتھ ہماری والدہؒ کا ادبی ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ بڑے بڑے شعراء مثلاً غالبؔ، میرؔ، ذوقؔ، نظیرؔ، داغؔ، حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جگرؔ اور دیگر شعراء کا کلام پڑھا ہوا تھا۔ حسبِ موقع اشعار یاد تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی ''توبۃ النصوح'' وغیرہ بھی پڑھی ہوئی تھیں۔ شادی سے پہلے خواتین کے رسائل بالخصوص ''تہذیبِ نسواں'' وغیرہ گھر میں آپؒ ہی کے لئے آتے تھے۔ شاہنامہ اسلام جلد اول خصوصاً ولادت باسعادت سے ہجرت تک کا بیان آپؒ کو تقریباً ازبر تھا۔

گھریلو ٹوٹکے اور چٹکلے آپؒ کو بہت یاد تھے۔ تمام پھلوں، سبزیوں وغیرہ کے خواص بھی سب ازبر تھے۔ چھوٹے موٹے علاج خود ہی کر لیتی تھیں۔ کتاب کنز المفردات (خواص الادویہ) اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی کتاب ''حاذق'' تو تقریباً حفظ تھیں۔ اسی بنا پر شادی سے پہلے اکثر اپنے خاندانی حکیم صاحب سے بھی بحث کرتی تھیں۔ ایک دن تنگ آ کر حکیم صاحب نے ازراہِ مذاق کہا کہ ادھر لاؤ اپنی حاذق۔ میں اس کو آگ لگا دیتا ہوں۔

شادی سے پہلے ہماری والدہ صاحبہؒ گھر کے کام کاج بالکل نہیں کرتی تھیں۔ گھر میں نوکر چاکر تھے۔ لیکن شادی کے بعد سب کام آپؒ کو کرنے پڑے

اور آپؒ نے بڑی خوش اسلوبی سے ساری ذمہ داریاں نبھائیں۔

والدہ صاحبہؒ کے ہاتھ کے کھانے بہت مزے کے ہوتے تھے۔ خاص طور پر پلاؤ، کھڑا قورمہ، شامی کباب وغیرہ اور میٹھے میں گاجر کا حلوہ، شاہی ٹکڑے اور شیر خرما وغیرہ۔ آپ کے شیر خرمے کی تو پورے خاندان میں شہرت تھی۔ حافظ اسماعیل ذبیح صاحب (خطیب جامع مسجد اہلحدیث، راجا بازار راولپنڈی) کو بھی آپ کے ہاتھ کا شیر خرما بے حد پسند آیا تھا اور انہوں نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔

ہماری والدہؒ کا سلیقہ بھی پورے خاندان میں مشہور تھا۔ والد صاحب کے، اپنے اور ہم سب بچوں کے کپڑے آپ خود ہی سیتی تھیں۔

آپؒ نماز بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتی تھیں۔ قیام، رکوع اور سجود بڑے لمبے ہوتے تھے۔

والدہ صاحبہؒ کافی عرصہ ایک ہی گھر میں اپنی ساس، دو نندوں اور جٹھانی کے ساتھ رہیں۔ خاص طور پر جٹھانی کے ساتھ تو کافی لمبا عرصہ رہیں۔ یہ رشتے ایسے ہیں کہ ان میں کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ تلخیاں ضرور ہو جاتی ہیں۔ لیکن والدہ صاحبہ کا مزاج ایسا تھا کہ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود ان کے درمیان کبھی کوئی تلخی یا

ناخوشگوار کوئی بات نہیں ہوئی۔ اور آخر وقت تک ان کے تعلقات سب کے ساتھ نہایت خوشگوار اور قابلِ رشک رہے۔

ہماری والدہؒ کا انتقال ۱۷؍فروری ۱۹۸۳ء کو تقریباً سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر میں کراچی میں ہوا اور وہیں یاسین آباد (عزیز آباد) کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی مغفرت فرمائے، آپؒ کی قبر کو نور سے بھر دے اور آپؒ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اولاد اور ان کی تعلیم و تربیت

اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلامؒ کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ آپؒ نے سب کی تربیت دینی ماحول میں کی اور سب کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دلوائی۔ بچوں کی تعلیم کے لئے آپؒ گھر میں روزانہ بعد نمازِ مغرب قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔ بچوں کی کردار سازی پر بھی آپؒ خصوصی توجہ دیتے تھے۔ آپؒ نے اتباعِ سنت کی اہمیت بچپن سے ہمارے ذہن میں بٹھائی اور اس سلسلے میں صرف زبانی تعلیم پر اکتفا نہ کیا بلکہ عملی تربیت بھی فرمائی۔ مثلاً سیدھے ہاتھ سے دینا۔ سیدھے ہاتھ سے لینا۔ دائیں جانب سے ابتدا کرنا۔ دائیں ہاتھ سے کھانا۔ بیٹھ کر کھانا پینا۔ کپڑے اور جوتی دائیں طرف سے پہلے پہننا اور بائیں طرف سے پہلے اتارنا، سلام کے آداب، صبح اور شام کی دعائیں اور مختلف اوقات کی دعائیں یاد کروانا اور پڑھوانا، دائیں کروٹ سونا، وضو، تیمّم اور غسل کے طریقے، نماز کی عملی تربیت وغیرہ وغیرہ۔ قرآن مجید کی سورتیں یاد کرنے پر بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کو انعام دیا کرتے تھے۔ میری بہن نے اپنی شادی سے پہلے

صحاح ستہ کی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ دینی علوم کے علاوہ، سائنس، ریاضی، انگلش ٹیکسٹ اور انگلش گرامر بھی آپ ہم کو خود پڑھاتے تھے۔

آپ نے بچوں کو ہمیشہ بری صحبت سے بچایا اور ان کو مکمل دینی ماحول فراہم کیا۔ ٹیپ ریکارڈر اور ٹیلی ویژن تو ہمارے بچپن میں تھے ہی نہیں۔ صرف ریڈیو ہوتا تھا۔ والد صاحب ریڈیو بھی گھر میں رکھنے کے سخت مخالف تھے اور اس پر جو فلمی گانے، ڈرامے وغیرہ آتے تھے ان کی وجہ سے اس کو 'شیطان کا اڈا' کہتے تھے۔ جبکہ اگر ہم اُس وقت کے ریڈیو پروگراموں کا موازنہ آج کل کے ٹی وی پروگراموں سے کریں تو ریڈیو کے وہ پروگرام نسبتاً حد درجہ شریفانہ ہوتے تھے۔ اخبارات میں بھی اس زمانے میں نائٹ کلبس کے ڈانسرز کی بہت فحش تصاویر آتی تھیں اس لئے آپؒ اخبار بھی گھر میں نہ آنے دیتے تھے۔ سینما جانے اور فلم دیکھنے کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ ہمارا بچپن اور لڑکپن انتہائی معصوم اور شریفانہ ماحول میں گزرا۔

شام کے وقت پڑھائی کے آپؒ بے حد خلاف تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ شام کے وقت روشنی کم ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت پڑھنا آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور دوسرے اس لئے کہ شام کا وقت بچوں کے کھیل کود کا ہوتا

ہے تا کہ بچوں کی ورزش بھی ہو جائے اور کھیلنے سے ان میں چُستی اور توانائی بھی آئے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ ''بچوں کے ورزشی کھیل کود میں ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے''۔ (منہاج المسلمین ص ۵۹۸)۔

جب ہم چھوٹے تھے تو والد صاحبؒ رات کو مغرب کے بعد پہلے قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ اس کے بعد ہم کو انگریزی، حساب، سائنس، جغرافیہ وغیرہ پڑھاتے تھے۔ آپؒ کے پڑھانے کی وجہ سے تمام مضامین میں ہماری بنیاد بہت اچھی تھی۔ اسی وجہ سے اسکول کے امتحانات میں ہمیشہ اچھے نمبر حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کرتے تھے۔ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے کے باوجود ہمارا معیار تعلیم بہت اچھا تھا۔ میں نے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور ریاضی، انگریزی اور اردو کے مضامین میں distinction حاصل کی۔ جبکہ اس زمانے میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنا ہی آسان نہ تھا چہ جائیکہ کسی مضمون میں distinction حاصل کرنا۔ اچھے نمبروں کی وجہ سے ڈی، جے کالج میں جو اُس وقت کراچی کا سب سے اچھا کالج تھا اس میں بآسانی داخلہ مل گیا۔ وہاں سے زولوجی اور مائیکروبیالوجی (zoology & Microbiology) کے مضامین میں گریجویشن کیا۔ اس کے بعد سنٹرل سپیریر سروسز ایگزامنیشن

(Central Superior Services Examination) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

مجھ سے چھوٹے بھائی سید محمد ادریس نے بھی میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے

امتحانات میں بہت اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔اس کے بعد کراچی کے

N.E.D Engineering College سے الیکٹریکل اور مکینکل انجنیئر نگ میں B.E کیا۔اس کے بعد پاکستان مشین ٹول فیکٹری میں بطور انجنیئر ملازمت اختیار کی۔

میرے سب سے چھوٹے بھائی سید محمد الیاس نے بھی کسٹمز ڈیپارٹمنٹ کا مقابلے کا امتحان جو بہت اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے اسے پاس کیا اور محکمہ کسٹمز میں

ملازمت اختیار کی۔

باب دوم

دینی علوم کی طرف رجحان

شیخ الاسلامؒ نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہ حنفی بریلوی عقائد کا گھرانہ تھا۔ بخاری شریف کا اردو ترجمہ اگرچہ گھر میں موجود تھا لیکن وہ طاق پر رکھا رہتا تھا اور اسے پڑھتا کوئی نہیں تھا۔ والد صاحب کو مطالعہ کا شوق تھا۔ کالج کی چھٹیوں میں آپ نے اسے پڑھنا شروع کردیا۔ مرزا حیرت دہلوی کا کیا ہوا یہ ترجمہ بڑی تقطیع کی تین جلدوں میں تھا اور کرزن پریس دہلی کا چھپا ہوا تھا۔ الحمدللہ وہ نسخہ آج بھی میرے پاس موجود اور محفوظ ہے۔ والد صاحبؒ نے جب اس ترجمے کو پڑھنا شروع کیا تو اس میں ایسی احادیث بھی آئیں جن پر ہمارے گھر میں کسی کا عمل نہیں تھا۔ والد صاحب ایسے موقع پر اپنی والدہ سے کہتے کہ حدیث میں تو ایسا لکھا ہے لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ جواب دیتیں کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں ایسا ہے مگر ہمارے امام صاحبؒ کے ہاں نہیں ہے۔ والد

صاحب یہ جواب سن کر خاموش ہو جاتے اور آگے پڑھنا شروع کر دیتے۔ لیکن جب بار بار ایسا ہوا تو والد صاحبؒ کے دل میں خیال آیا کہ یہ کیا بات ہے ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل تو پوری امت کے لیے واجب العمل ہونا چاہئے پھر یہ کیسی تفریق ہے کہ یہ حدیث ہمارے لئے ہے، یہ شافعیوں کے لیے ہے۔ یہاں سے والد صاحب کے دل میں تحقیق کا شوق پیدا ہوا اور پھر آپؒ نے قرآن مجید اور کتبِ احادیث کا تحقیقی مطالعہ شروع کیا۔

اللہ داد صلاحیتیں

اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ نے بذات خود فقہی مذاہب پر بڑی تفصیل سے تحقیق کی۔ کتبِ احادیث کا کسی تعصب کے بغیر بالکل غیر جانبدارانہ مطالعہ فرمایا۔ اس طرح آپ مسلکی مدارس کی ذہن سازی سے محفوظ رہے جن کے متعلق علامہ اقبال نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

آجکل کے مسلکی مدارس تو اپنے طلبہ کی اس طرح ذہن سازی کرتے ہیں کہ پھر ان میں حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اور

وہ اسی بات کو حق سمجھنے پر مصر رہتے ہیں جوان کو مدرسہ کے مولوی نے پڑھا دیا۔ ان کی اپنی سوچ اور فکرِ سلیم ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں الا ماشاء اللہ۔ ایسے ہی تعلیمی اداروں کے لئے غالبًا اکبر الہ آبادی نے کہا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے نہ ہوتا بدنام
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان مدرسوں کے پڑھے ہوئے طلبہ کے ذہنوں میں مسلکی تعصب کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا ہے۔ وہ قرآن و حدیث کو اپنے مسلک کی عینک سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کا مطالعہ حق کی تلاش کے لئے نہیں کرتے بلکہ اپنے مسلک اور مذہب کے دلائل کی تلاش کے لئے کرتے ہیں۔ اسی لئے والد صاحب اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ آپ نے کسی مسلکی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

مدرسہ کی سند کوئی ضروری چیز نہیں۔ حضرت فضل حسین بہاری نے شیخ الکل علامہ میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ کی سوانح حیات لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ جب شاہ محمد اسحٰق صاحب نے میاں صاحب سے کہا کہ تم بھی سند لے لو تو آپ نے فرمایا کہ ”حضور دعا کریں کہ مجھ کو آجائے۔ آجانے پر کسی سند کی ضرورت نہیں اور نہ آنے پر سند مفید نہیں“۔ (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۵)۔

میاں صاحب فرمایا کرتے تھے ''سنو صاحب میں سند وند نہیں جانتا۔ یہ دیکھو کہ مجھے پڑھانا آتا ہے یا نہیں''۔ ایک روز مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری کو میاں صاحب نے خطاب کرکے فرمایا ''میں چپڑاس نہیں دکھاتا ہوں۔ تم بیٹھو۔ میں صحاح پڑھاتا ہوں۔ دیکھو روش محدثانہ رکھتا ہوں یا نہیں''۔ اکثر ایسے موقع پر شوخیِ طبع سے سند کو چپڑاس کے لفظ سے تعبیر کرتے اور اپنے حق میں مشہور مصرع ضرب المثل ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند سے تمثیل کرتے۔ (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۸)۔

جناب فضل صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''بات یہ ہے کہ جب تک علمِ حدیث کا مدار زبانی روایت پر تھا اس بات کی ضرورت تھی کہ روایت کرنے والا اپنے استاد سے راوی اوّل تک سلسلہ وار درمیانی راویوں کا نام بتا دے تاکہ اصول جرح و تعدیل کے موافق ہر راوی کی جانچ کرنے کے بعد روایت قابل قبول یا رد قرار دی جائے اور اسی سلسلہ روایت کا نام سند ہے۔ مگر اب کہ محدثین اولین شکر اللہ مساعیہم کی محنت و کوشش سے تمام زبانی اور منتشر روایتیں صحاح و سنن و معاجم و مسانید وغیرہ دواوین اسلام میں جمع و محفوظ اور باعتبار مختلف مدارج صحت و ضعف وغیرہ کے ایک دوسرے سے ممیّز و

ممتاز کر دی گئیں۔ بلکہ محققین و مجتہدین کے لئے حدیث کے حالات میں اسماء الرجال کا ایک خاص فن ہی مدون ہو گیا اور متاخرین نے شروح و حواشی اور تعلیقات کے ذریعے سے ایک ایک مبہم اور مجمل لفظ اور مشبہ و مختلف فیہ یا متناقض روایتوں کے متعلق معلومات کا بے انتہا ذخیرہ مہیّا کرکے علمِ حدیث کو اس قدر سہل اور آسان کر دیا ہے کہ ایک ذہین اور با استعداد شخص اپنی قابلیت و محنت سے صرف کتابوں کے ذریعہ اس علم میں مہارت تامہ حاصل کر لے سکتا ہے۔ اس صورت میں سند اور اجازت کو علم کا معیار ٹھیرانا بڑی غلطی ہے''۔ (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۹)۔

والد صاحبؒ نے ایک صاف ذہن کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور غیر متعصّبانہ طور پر قرآن و حدیث کا مطالعہ فرمایا اور دینی علوم میں دسترس حاصل کی۔ اس تحقیق کے نتیجے میں والد صاحبؒ نے تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر اپنے کو مسلم کہنا شروع کر دیا اور قرآن و حدیث پر براہِ راست عمل کرنے لگے۔ اس زمانے میں آپ کا کسی فرقے سے تعلق نہ تھا۔ اس وقت آپ اپنے آپ کو صرف ''مسلم'' کہتے تھے اور ''مسلم'' کے علاوہ کچھ اور نہیں کہلواتے تھے۔ کچھ عرصے اسی طرح آپ صرف ''مسلم'' رہے۔ پھر اتفاقاً آپ کی ملاقات ایک اہلحدیث

صاحب سے ہوئی۔ یہ ابراہیم صاحب تھے جو پاکستان بننے کے بعد شہر جہلم میں ہمدرد دواخانہ کی شاخ کے انچارج یا مالک تھے۔انہوں نے والد صاحب کو یقین دلایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم براہِ راست قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں۔انہوں نے والد صاحبؒ کو اہلحدیث ہونے کی ترغیب دی۔الغرض والد صاحبؒ اہلحدیث ہوگئے اور نہ صرف اہلحدیث ہوگئے بلکہ بڑے زور وشور سے مسلک اہلحدیث کی تبلیغ شروع کردی۔اُس وقت والد صاحبؒ مُرینہ (گوالیار) میں مقیم تھے۔(۱)

(۱) یہ لکھنے کے بعد مجھے اتفاق سے اپنے پرانے کاغذات میں ابراہیم صاحب کا والد صاحب کے نام لکھا ہوا ایک پوسٹ کارڈ ملا۔ یہ کارڈ ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء کا لکھا ہوا ہے۔اس پہ انہوں نے اپنے نام کی مہر لگائی ہوئی ہے جس پر لکھا ہے ''چیف سٹاکسٹ حاجی محمد ابراہیم، ہمدرد دواخانہ جہلم''۔ والد صاحبؒ نے ان کو میری شادی کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ یہ کارڈ انہوں نے اس دعوت نامے کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ کارڈ کافی بوسیدہ ہو چکا ہے اور بڑی مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔ میں ابراہیم صاحب کو ایک سادہ دیہاتی آدمی سمجھتا تھا لیکن ان کا خط پڑھ کر اندازہ

ہوتا ہے کہ وہ بہت صاحب علم اور صاحبِ ذوق انسان تھے۔اتنے مختصر خط میں جابجا حسب موقع اشعار اور فارسی تراکیب لکھی ہیں۔میں اس خط کا متن جتنا کچھ پڑھنے میں آرہا ہے قارئین کی اطلاع کے لئے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چیف سٹاکسٹ حاجی محمد ابراہیم

ہمدرد دواخانہ بازار کلاں جہلم

جہلم ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

بخدمت محترمی ومکرمی سید مسعود احمد شاہ صاحب مدظلہ سلام علیکم طبتم

جناب کا عنایت نامہ ہزاروں شادمانیاں لے کر طلوع ہوا۔ دلی خواہش تھی کہ آپ کی ذات جو کہ منبعِ کمالات ہے اُس تک اُڑ کر جا پہنچوں اور پھر دو آدمی حسبِ دل خواہ ایک جگہ مل بیٹھیں۔ کچھ اپنی کہیں اور کچھ آپ کی سنیں لیکن افسردگی طبع روز افزوں ہے۔ ع

پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں   زندگی سے اب تو گھبرانے لگا   اور

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی   عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی   اور

کوئی امید بر نہیں آتی   کوئی صورت نظر نہیں آتی

دعوت شرکت شادی کا بہت بہت شکریہ۔آپ کی دعوت کو۔۔۔منظور کرنا باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔اس مبارک تقریب میں شرکت سے اور زیادہ مسرت میرے لئے اور کیا ہو سکتی ہے۔میں دلی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ بہو کے قدم مبارک فرمائیں

وہ نکوخوئے و نیک روی و خجستہ منظر   وہ بلند اختر و فرخ روش و فرخ فال

تاکہ آپ ہونے والی بہو کی تعریف میں کہہ سکیں۔

محبت کا کمال اس کے حال سے ظاہر ہے

اور مودت کا جمال اس کے قال سے باہر ہے

آپ کی کتاب دیکھی۔سوچتا ہوں کہ جب اللہ پوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہہ دوں گا مسعود سے تفہیم لکھوا لایا اور کچھ نہیں۔اللہ آپکو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے۔آمین ثم آمین

اس کے بعد ابراہیم صاحب نے کچھ لکھا ہے جو پڑھا نہیں جا رہا۔پھر یہ

تین اشعار لکھے ہیں

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی   کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

تو آپ اپنی ہے شمشیر آپ اپنی سپر   یگانہ باگ اٹھا اپنے بل پہ کستا جا

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے   مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

پھر لکھتے ہیں

یہ اخبارات میں جو بیان شائع ہوا ہے جماعت اہلحدیث کے سرکردہ۔۔۔کی طرف سے جس میں جماعت اسلامی کے ساتھ تعاون وطرفداری کا اعلان ہے۔آپ کا کیا خیال ہے؟۔

تمام احباب اور۔۔۔کو درجہ بدرجہ سلام اور برخورداران کو دعا و پیار

فقط دعا گو و دعا کا طالب

محمد ابراہیم عفی عنہ

کارڈ پہ پتہ لکھا ہے

بخدمت اقدس جناب سید مسعود احمد صاحب بی ایس سی

امیر جماعت المسلمین ۔۲/۵۹۱۔عزیز آباد۔کراچی ۳۸

مناظرات ومباحثات

والد صاحب ہندوستان ہی میں ۱۹۳۶ء کے قریب پہلے مسلم اور پھر اہلحدیث ہوگئے تھے۔آپ کا اہلحدیث ہونا تھا کہ خاندان میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔سب ہی مخالف ہوگئے۔

ہمارے رشتے کے ماموں جناب علیم الدین خان صاحب والد صاحب سے عمر میں کافی بڑے اورخاندان کے بہت رعب اور دبدبے والے انسان تھے۔پورے خاندان پر اور نہ صرف خاندان پر بلکہ پوری ریاست قرولی میں ان کا بہت رعب تھا۔وہ بڑے اثر ورسوخ والے تھے۔ریاست قرولی کے راجا سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔وہ نہ صرف یہ کہ راجا کے ملٹری سیکرٹری تھے بلکہ قرولی کی مسجد کے خطیب بھی تھے اور جمعہ اورعیدین کی نمازیں بھی وہی پڑھاتے تھے۔ان کو بہت اچھے اچھے اشعار یاد تھے اور وہ انہیں برمحل پڑھتے تھے۔وہ خود بھی بڑے اچھے شاعر تھے اور اپنا کلام بڑے ترنم سے سناتے تھے۔ان کی ایک نعت کے مندرجہ ذیل دوشعر مجھے یاد رہ گئے۔

لئے شمعِ ہدایت جب رسولِ کردگارؐ آئے
مدینے والے شوقِ دید میں پروانہ وار آئے
تمنا ہے علیم الدین طیبہ کی زیارت ہو
نظر آنکھوں سے اپنی سبز گنبد کی بہار آئے

ماموں صاحب کی پہلی بیوی جوانی میں انتقال کرگئی تھیں۔ان کے انتقال پر ماموں صاحب نے ایک طویل نظم لکھی تھی۔اس کے دوشعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

کُشتۂ ہجراں کی حالت غیر پر ظاہر نہ ہو
اے مسیحا دردِ دل کی ہر دوا پردے میں ہو
جاتے جاتے بے مروت کر گیا تاکید ضبط
زخمِ فرقت دل میں، آہِ نارسا پردے میں ہو

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اشعار ماموں صاحب بہت پڑھتے تھے۔

جو طلب میں نے کیا مجھ کو عنایت سے دیا
تیرے قربان میرے ناز اٹھانے والے
میری فطرت میں برائی تھی برا میں نے کیا

تو وہ کر جو تیرے لائق ہے خداوند اجل

تیرے قبضے میں ہر ایک شئی ہے وہ معبود ہے تو

جس نے جس جا تجھے ڈھونڈا وہیں موجود ہے تو

نکلے گی نہ جیتے جی صورت تیرے ملنے کی

مٹی میں ملا دے گی حسرت تیرے ملنے کی

نشاط و غم، امید و بیم کہتی ہے جسے دنیا

بہت آگے ہے اپنا قافلہ ان سب منازل سے

ابھی اے آسمان کچھ اور گہرے زخم دے پیہم

ابھی تک دل نہیں واقف محبت کے مراحل سے

ماموں صاحب والد صاحب کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ان کے اُس وقت کے بڑے بڑے علماء سے روابط تھے۔ وہ والد صاحب کو اُس وقت کے متعدد بڑے بڑے علماء کے پاس لے کر گئے لیکن کوئی عالم بھی والد صاحبؒ کے سوالات کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا۔

پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ وہ والد صاحب کو ایک دیوبندی عالم کے پاس لے گئے۔ان کا نام اکبر علی تھا۔انہوں نے ریاست قرولی میں

بریلویت تقریباً ختم کر دی تھی اور وہاں دیوبندیت کا بول بالا تھا۔ہمارے نانا نصیرالدین خان صاحب جیلر کا پورا خاندان جو پہلے کٹر بریلوی تھا ان کی تبلیغ سے دیوبندی ہو گیا تھا۔ان کی علمیت اور قابلیت کے سب معترف تھے۔ان مولوی صاحب سے والد صاحب کی مسئلہ رفع الیدین پر بات چیت ہوئی۔والد صاحب نے کہا کہ رفع الیدین کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے۔ وہ مولوی صاحب بولے کہ نہیں، بخاری شریف میں رفع الیدین کی حدیث نہیں ہے۔والد صاحب نے کہا کہ بخاری شریف منگوایئے۔مولوی صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ بخاری شریف لے آؤ۔ بخاری شریف لائی گئی۔والد صاحب نے حدیث نکال کر پیش کر دی۔مولوی صاحب بخاری شریف میں رفع الیدین کی حدیث دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ان بے چارے کو علم ہی نہیں تھا کہ بخاری شریف میں رفع الیدین کی حدیث بھی ہے۔حنفی مدارس میں حدیث کہاں پڑھائی ہے۔سارا زور فقہ کی تعلیم پر ہوتا ہے۔آخر میں تبرکاً سرسری طور پر، بطور rapid reading حدیث پڑھا دی جاتی ہے۔ الغرض وہ مولوی صاحب بڑی دیر تک حیرت کے عالم میں بخاری شریف کو پڑھتے رہے۔آخر ان کی نظر حاشیئے پر پڑی۔حاشیئے میں لکھا تھا کہ رفع الیدین پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔یہ

پڑھنا تھا کہ مولوی صاحب جواب تک پریشانی کے عالم میں دم بخود بیٹھے تھے ایک دم جوش میں آ گئے اور بڑے فاتحانہ انداز میں حاضرین سے جن میں زیادہ تعداد ان کے طلبہ ہی کی تھی کہنے لگے دیکھو بخاری شریف میں لکھا ہے کہ رفع الیدین منسوخ ہے۔ والد صاحب نے کہا یہ آپ بخاری شریف نہیں پڑھ رہے۔ آپ اسکا حاشیہ پڑھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے بخاری شریف کو بند کیا اور اسکا سرورق لوگوں کو دکھا کر کہنے لگے ''دیکھئے یہ بخاری شریف ہے یا نہیں؟'' لوگوں نے کہا ''ہے''۔ پھر مولوی صاحب حاضرین سے مخاطب ہو کر بولے کہ ''آپ نے دیکھا یہ بخاری شریف ہے لیکن یہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ بخاری شریف نہیں ہے''۔ پھر مولوی صاحب نے ہمارے ماموں اور دوسرے لوگ جو ان کے ساتھ تھے ان سے ازراہِ تمسخر کہا کہ '' انہیں لے جایئے اور ان کو بادام کھلایئے''۔

الغرض اس قسم کے کئی مباحثے ہوئے۔ آخر کار ماموں صاحب نے بھی تنگ آ کر کہا کہ ہمارے علماء کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ بس آئیں بائیں شائیں بکتے ہیں۔ اس کے بعد والد صاحب کی مخالفت رفتہ رفتہ دم توڑ گئی۔ یہ سب واقعات میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے کے اور پاکستان بننے سے پہلے کے ہیں۔

میرے ہوش سنبھالنے کے بعد بھی کراچی میں ماموں صاحب نے ایک

اور مقابلہ کروایا۔ فروری ۱۹۵۸ء میں ان کے بیٹے ڈاکٹر محمد نعیم الدین مرزا کی شادی تھی۔ اندرونِ سندھ کے ایک مدرسے کے شیخ الحدیث ماموں صاحب کے بہت اچھے جاننے والے تھے۔ انہوں نے ان کو بھی چند دیگر علماء کے ساتھ شادی میں بلایا تھا۔ جب شادی کی تقریبات ختم ہو گئیں تو ماموں صاحب نے سندھ کے علماء کی موجودگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اگلے دن ان سے والد صاحب کا مقابلہ کرایا ۔ یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ رات کے کھانے پر سب کو بلایا گیا۔ ہمارے ہی گھر پر محفل جمی۔ والد صاحب نے شیخ الحدیث صاحب سے فرمایا کہ میں زیادہ لمبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ بس میرا ایک سوال ہے۔ آپ اسکا جواب دیدیجئے۔ آپ کے جواب پر ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ شیخ الحدیث صاحب نے خوشی خوشی کہا بتایئے آپ کا کیا سوال ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ ''اگر ایسی صورت ہو کہ امام صاحب کا قول حدیث کے خلاف ہو تو کس چیز پر عمل کیا جائے گا۔ حدیث پر یا امام صاحب کے قول پر؟'' شیخ الحدیث صاحب ادھر ادھر کی بہت باتیں کرتے رہے لیکن اس سوال کا جواب انہوں نے نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد والد صاحب کسی کام سے اندر گئے تو شیخ الحدیث کے مصاحبین میں سے ایک صاحب بولے ''مسعود صاحب کا علم بہت سطحی ہے''۔ شیخ الحدیث نے اس کی تردید کی اور کہا ''سطحی نہیں

ہے، بہت گہرا ہے‘‘۔

یہ ہمارے ماموں جناب علیم الدین خان صاحبؒ کی تحقیقِ حق کی آخری کوشش تھی۔اس کے بعد انہوں نے مخالفت چھوڑ دی اور والد صاحبؒ کے ہم خیال ہو گئے۔

۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۹ء

۱۹۴۷ میں جب پاکستان بنا اور ہندوستان کے بہت سے حصوں میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمانوں کی اکثریت نے ہندوستان سے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔اُس وقت ہمارے رشتے کے ایک ماموں حیدر آباد دکن میں فشریز ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔انہوں نے بہت اصرار کیا کہ تم لوگ پاکستان جانے کے بجائے میرے پاس حیدر آباد آ جاؤ۔والد صاحب اس پر راضی ہو گئے۔والد صاحب (شیو پوری، گوالیار میں) جس اسکول میں ٹیچر تھے وہاں کے اساتذہ کو جب والد صاحب کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ان میں ہندو اساتذہ اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر سبھی شامل تھے۔ان لوگوں نے کہا آپ کو یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ماموں صاحب کا اصرار رنگ لے آیا اور ہم لوگ شیو پوری (گوالیار) سے حیدر آباد دکن کے لئے روانہ ہو گئے۔راستے میں کئی جگہ ہماری بس کو سکھوں نے گھیر لیا۔کہنے لگے کہ یہ مُسلے جا رہے ہیں۔بس کے مسافروں نے اس وقت یہ خیال کیا کہ اب یہ لوگ ہم سب کو قتل کر دیں گے۔

لوگوں نے بہت دعائیں کیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں۔ اور وہ لوگ بس کے مسافروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر چلے گئے۔

ہم لوگ تقریباً ایک سال حیدرآباد دکن میں رہے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں بھارت نے حیدرآباد دکن پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد ہم نے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ ہم لوگ حیدرآباد دکن سے براستہ بمبئی پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ بحری جہاز ''ڈمرا'' میں تین دن کا سفر کرکے ۲۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کو صبح کے وقت ہم کراچی پہنچے۔ جب ہم پاکستان پہنچے تو ۱۹۴۸ کا سال ختم ہونے والا تھا۔ صرف دس دن باقی رہ گئے تھے۔ اس لئے یہی سمجھا جائے کہ ہم لوگ ۱۹۴۹ء میں پاکستان پہنچے۔ اسی لئے ہم یہاں ۱۹۴۹ء سے ابتدا کررہے ہیں۔

کراچی پہنچ کر ہم نے ۱۷۳/۴، مارٹن روڈ کوارٹرز میں رہائش اختیار کی۔ یہ ایک چھوٹا سا گھر تھا جس کا کل رقبہ ۸۰ مربع گز تھا۔ اس میں صرف دو کمرے اور ایک برآمدہ تھا۔ اور اس گھر میں ہمارے خاندان کی کئی فیمیلیاں رہتی تھیں۔ افراد کی کل تعداد ۲۴ تھی۔ اب سوچو تو عجیب سا لگتا ہے کہ اتنے چھوٹے سے گھر میں اتنے لوگ کیسے رہتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں آپس میں محبتیں بہت تھیں۔ پھر جیسے جیسے لوگوں کے مکانات کا انتظام ہوتا گیا وہاں سے منتقل ہوتے

گئے۔ آخر میں ہم اور ہمارے تایا کی فیملی اس گھر میں رہ گئی۔ ۱۹۵۵ء میں والد صاحبؒ کو بھی مارٹن کوارٹرز میں ہی ایک گھر ۱۴۷/۲ الاٹ ہوگیا اور ہم وہاں منتقل ہوگئے۔ اور والد صاحبؒ کے راولپنڈی تبادلے تک ہم اسی گھر میں رہے۔

جب ہم کراچی پہنچے اس وقت یہ شہر بہت چھوٹا اور بہت صاف ستھرا تھا۔ نیوٹاؤن، جمشید روڈ، سنٹرل جیل، پیر الٰہی بخش کالونی، تین ہٹی اور لسبیلہ اس شہر کی آبادی کی آخری حدیں تھیں۔ تین ہٹی اور لسبیلہ کے پل نہیں بنے تھے۔ لیاقت آباد، ناظم آباد وغیرہ کی بستیاں اس وقت تک نہیں بسی تھیں۔ ان سے آگے کی بستیاں تو اور بھی بعد میں بسیں۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی کا بھی اس وقت وجود نہ تھا۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی اور شہید ملت روڈ کے آس پاس کا علاقہ بھی بالکل غیر آباد تھا اور ناہموار اونچے نیچے ٹیلوں پر مشتمل تھا۔ جیل سے آگے بھی سب علاقہ غیر آباد تھا۔ مارٹن روڈ۔ کلیٹن روڈ۔ جہانگیر روڈ اور باغیچہ (گاندھی گارڈن) کے سرکاری ملازمین کے کوارٹرز اور پیر الٰہی بخش کالونی کے مکانات نئے نئے بنے تھے۔ پیر الٰہی بخش کالونی قدرے متمول لوگوں کی بستی تھی۔ اس کالونی میں چھ کمروں والے بڑے بنگلوں کی قیمت اُس وقت صرف چھ ہزار روپیہ تھی۔

بسوں کا اڈا (ٹرمنس) پیر الٰہی بخش کالونی میں تھا۔ یہاں سے صدر،

لارنس روڈ، ٹاوراور کیماڑی کے لئے بسیں چلا کرتی تھیں ۔ پہلے تو محمد علی ٹراموے کمپنی کی بسیں چلتی تھیں ۔ان بسوں میں خواتین کی نشستیں سب سے پیچھے ہوتی تھیں ۔مردوں کی نشستیں آگے ہوتی تھیں ۔ بسوں میں کھڑے ہوکر سفر کرنے کا رواج نہیں تھا۔بس میں چڑھ کر دیکھتے تھے۔اگر بیٹھنے کی جگہ ہوتی تو بیٹھ جاتے ورنہ نیچے اتر جاتے اور دوسری بس کا انتظار کرتے ۔

صدر (ایمپریس مارکیٹ) سے کینٹ اسٹیشن،سولجر بازار، بولٹن مارکیٹ اور بولٹن مارکیٹ سے کیماڑی تک ٹرام چلتی تھی ۔اس کا ٹکٹ ایک آنہ (چھ پیسہ) ہوتا تھا۔

جب ہم پاکستان پہنچے اُس وقت علامہ یونس صاحب دہلوی سولجر بازار کی اہلحدیث مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ یہ مسجد سیٹھ عبدالوہاب صاحب نے بنوائی تھی اور سفید مسجد کے نام سے مشہور تھی ۔ یہ مسجد اس وقت نئی نئی بنی تھی اور بڑی صاف ستھری ، کشادہ ، روشن اور ہوا دار تھی۔اس وقت وہاں صرف مسجد ہی تھی ۔ مدرسہ وغیرہ نہیں بنا تھا۔سیٹھ عبدالوہاب کا شمار اُس وقت اہلحدیث کے بہت مخیّر حضرات میں ہوتا تھا۔ وہ امورِ خیر میں دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ان کے بیٹے صدیق وہاب بعد میں کراچی کے میئر منتخب ہوئے تھے۔

علامہ یونس صاحب پاکستان آنے سے پہلے دہلی میں میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ کے مدرسے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اہلحدیث جماعت میں بہت اہم اور معزز مقام رکھتے تھے۔مسائل کی مشہور کتاب ’’دستورالمتقی ‘‘ انہی کی تصنیف کردہ ہے۔میرے پاس اس کا جوایڈیشن ہے وہ شعبان ١٣٨٠ھ کا چھپا ہوا ہے ۔اور اس پر ناشر کا نام شعبۂ نشر واشاعت جمعیت اہلحدیث کراچی رجسٹرڈ آسن مل اوجھا روڈ لکھا ہے۔

اُس وقت اہلحدیث کا عیدین کی نماز کا بڑا اجتماع میر محمد بلوچ پارک (مولوی مسافر خانہ) میں ہوتا تھا۔عیدین کی نماز علامہ یونس صاحب ہی پڑھاتے تھے اور علامہ یوسف کلکتوی صدر جمعیت اہل حدیث کراچی اور دیگر حضرات انہی کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔

اُس وقت کراچی میں اہلحدیث کی عید کی نماز کے بڑے اجتماع میرے علم کے مطابق دو ہی مقامات پر ہوتے تھے،بلوچ پارک اور وزیرانی گراؤنڈ۔اُس وقت کراچی شہر بہت چھوٹا تھا۔ پیرالٰہی بخش کالونی، تین ہٹی اور لسبیلہ سے آگے کوئی آبادی نہیں تھی ۔ لیاقت آباد، ناظم آباد وغیرہ کی بستیاں ہمارے سامنے ہی آباد ہوئیں۔

وزیرانی گراؤنڈ میں حافظ عبدالستار صاحب امام جماعت غرباء اہلحدیث نماز پڑھاتے تھے۔ہم عید کی نماز ہمیشہ بلوچ پارک ہی میں پڑھتے تھے۔وزیرانی گراؤنڈ میں کبھی نہیں پڑھی۔

جمعہ کی نماز ہم لوگ شروع میں یا تو سفید مسجد میں پڑھتے تھے یا ڈینسو ہال بندر روڈ پہ ایک گلی کے اندر واقع موتی مسجد میں پڑھتے تھے۔سفید مسجد میں مجھ کو بھی علامہ شرف الدین صاحب شاگرد میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ اور علامہ سراج الدین عبد الصمد صاحب سے ملاقات کا موقع ملا۔علامہ سراج الدین صاحب نے مدرکِ رکوع کی رکعت نہ ہونے کے مسئلے پر ایک مفصل تحقیقی کتاب ''وجوب الفاتحة علی المقتدی'' لکھی تھی۔یہ کتاب بہت محدود تعداد میں چھپی تھی اور میرے خیال سے یہ اب نایاب ہے۔اس کتاب کا ایک نسخہ خود سراج الدین صاحب نے والد صاحب کو دیا تھا۔الحمدللہ وہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔

موتی مسجد کے متولی حضرات میں اہلحدیث اور حنفی دونوں مسالک کے حضرات شامل تھے۔انہوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ پنج وقتہ نمازیں حنفی امام پڑھائیں گے اور جمعہ کی نماز اہلحدیث عالم پڑھائیں گے۔عبدالجبار صاحب اس مسجد کے مستقل خطیب تھے لیکن ان کی عدم موجودگی میں کبھی علامہ یوسف

کلکتوی پڑھاتے تھے اور کبھی قاری عبدالخالق رحمانی جو اس وقت نوجوان تھے اور نئے نئے فارغ التحصیل تھے جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔عبدالجبار صاحب بہت ہی دبلے پتلے اور نحیف انسان تھے۔بالوں میں مہندی لگاتے تھے۔

علامہ یونس صاحب اور علامہ عبدالجبار صاحب دونوں اہلحدیث کی سیاست سے بالکل لاتعلق تھے اور جہاں تک مجھے علم ہے انہوں نے جماعت میں کبھی کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔دونوں بہت اچھے مقرر تھے۔

علامہ یوسف کلکتوی اس وقت جمعیتِ اہلحدیث کراچی کے صدر تھے۔ان کی رہائش گاہ اندرون برنس روڈ، عامل روڈ پہ تھی جہاں ''اے ایل جوزف اینڈ سنز'' کے نام سے ان کا کارخانہ بھی تھا۔ان کا گھر اور کارخانہ کافی بڑے رقبے پر محیط تھا۔(اس رقبے میں اب مدرسہ بحرالعلوم سعودیہ واقع ہے)۔جمعیتِ اہلحدیث کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس علامہ صاحب کے گھر پر ہی ہوا کرتے تھے۔والد صاحب بھی جمعیت اہل حدیث کی مجلسِ عاملہ کے رکن تھے۔میری عمر اُس وقت نو دس سال تھی۔میرے ایک بھائی اس وقت صرف ایک سال کے تھے اور دوسرے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔اس لئے میں ہی والد صاحب کے ساتھ ہر جگہ جایا کرتا تھا۔اس طرح میں بھی جمعیت اہلحدیث کی مجلسِ عاملہ کے اجلاسوں

میں پابندی سے شریک ہوتا تھا۔

علامہ یوسف کلکتوی صاحب نہ صرف ایک جید عالم اور اچھے مقرر تھے بلکہ بہت حاضر جواب اور بہت اچھے مناظر بھی تھے۔ منطق اور فلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ غالباً ۱۹۵۳ میں کراچی میں جہانگیر روڈ نمبر۲ پر اہلحدیث کا ایک جلسہ عام ہوا تھا۔ اس میں علامہ صاحب کی بھی تقریر تھی۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف بڑی زبردست تقریر کی تھی۔ آپ کے پاس مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کے ہندوستان کے چھپے ہوئے اولین ایڈیشن موجود تھے۔ آپ اس جلسے میں وہ بہت ساری کتابیں لے کر آئے تھے اور انہیں کھول کھول کر ان کے ضروری اقتباسات پڑھ پڑھ کر آپ نے سنائے۔ غالباً اسی جلسے میں پنجاب سے اہل حدیث کے مشہور عالم علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی بھی آئے تھے۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی (جنوری ۱۹۵۶ء میں) ابراہیم میر صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔

علامہ یوسف صاحب کی بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا برتاؤ سب کے ساتھ بڑا بزرگانہ اور مشفقانہ تھا اور لوگ ان کی شخصیت سے بہت متاثر اور ان کے بہت گرویدہ تھے۔ علامہ صاحب ہمیشہ قمیص، پاجامہ پہنتے تھے اور سر پر اونچی باڑھ کی کالے رنگ کی ٹوپی پہنتے تھے۔ علامہ صاحب کہیں مستقل نماز نہیں پڑھاتے تھے

لیکن کبھی کسی مسجد کا مستقل خطیب موجود نہ ہو تو جمعہ کی نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ موتی مسجد میں بھی آپ نے نماز پڑھائی ہے اور ۱۹۶۰ کی دہائی میں ایک دو مرتبہ عزیز آباد نمبر تین کی مسجد میں بھی میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

یہ ۱۹۵۰ کی دہائی کا ذکر ہے۔ اُس وقت پاکستان نیا نیا معرض وجود میں آیا تھا۔ بڑے سہانے دن تھے، بڑا اچھا ماحول تھا۔ دنیا بڑی حسین تھی، آپس میں بہت محبتیں تھیں۔ لوگوں میں بڑا اخلاص، للّٰہیت اور دینی جذبہ تھا۔ جیسا اوپر بیان کیا میں اس وقت بہت کم عمر تھا، تقریباً نو دس سال کا۔ ان دنوں ہر اتوار کو صبح کے وقت موتی مسجد میں علامہ یوسف کلکتوی درسِ قرآن دیتے تھے۔ موتی مسجد ڈینسو ہال بندر روڈ پر ایک گلی میں ہے میں بھی والد صاحب کے ساتھ مستقل وہاں جایا کرتا تھا۔ وہیں پر میں نے پہلی مرتبہ علامہ خلیل عرب کو دیکھا، وہیں حافظ عبدالستار صاحب دہلوی امام جماعت غرباء اہلحدیث کے صاحبزادے حافظ عبدالغفار سلفی کو دیکھا۔ عبدالغفار صاحب اُس وقت بالکل نوجوان تھے۔ سرخ وسفید اور بڑے جسیم شحیم تھے۔ اور وہیں میں نے قاری عبدالخالق رحمانی کو دیکھا۔ وہ بھی اُس وقت نوجوان تھے اور نئے نئے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔

علامہ یوسف کلکتوی کا درس بعد میں موتی مسجد سے تھیوسوفیکل ہال،

بالمقابل ریڈیو پاکستان بندر روڈ منتقل ہوگیا۔ میں اور والد صاحب اس درس میں بڑی پابندی سے جایا کرتے تھے۔علامہ صاحب کی آواز بڑی زوردار تھی ۔آپ شروع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے درس دیتے تھے۔بعد میں جب لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا جانے لگا تو تھیوسوفکل ہال کی انتظامیہ میں ایک خاتون تھیں۔انہوں نے بڑے تعجب سے کہا کہ علامہ صاحب کے لئے آپ لوگ لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کر رہے ہیں۔ان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی کیا ضرورت ہے۔ان کی آواز تو لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہی سڑک تک جاتی ہے۔

علامہ خلیل عرب صاحب پیر الٰہی بخش کالونی میں رہتے تھے۔ان کے مکان کا نمبر ۱۱۷۲ مجھے ابھی تک یاد ہے۔وہاں والد صاحب اور کچھ اور لوگ ان سے عربی پڑھنے جاتے تھے۔میں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا۔صرف میں ہی ان میں کم عمر لڑکا تھا۔ باقی سب جوان اور ادھیڑ تھے۔ ایک دن علامہ صاحب نے ہماری حل کردہ مشقیں (exercises) دیکھیں۔میری حل کردہ مشقیں بالکل صحیح تھیں۔کوئی غلطی نہیں تھی۔تو علامہ صاحب نے بہت تعریف کی تھی اور خوش ہو کر مجھے ایک آنہ انعام دیا تھا۔

ایک دن علامہ صاحب ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔ یہ سال ۱۹۵۲

کی بات ہے۔علامہ صاحب میری اسکول میں پڑھائی جانے والی کتاب دیکھ رہے تھے۔ان کی نظر اس پر لکھی ہوئی قیمت پر پڑی جو سوا دو روپیہ تھی۔اس پر علامہ صاحب نے بہت حیرت اور افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگے نصاب کی کتاب اور اتنی مہنگی۔

علامہ صاحب نے صحیح بخاری کی شرح بھی لکھنی شروع کی تھی جس کا نام غالباً ''الہام الباری'' تھا۔ یہ شرح جماعت غرباء اہلحدیث کے پندرہ روزہ رسالہ ''صحیفہ اہلحدیث'' کراچی میں قسط وار شائع ہوتی تھی۔اس شرح کی چند اقساط ہی شائع ہوئی تھیں کہ علامہ صاحب علیل ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا اور یہ شرح نامکمل رہ گئی۔

اُس وقت والد صاحبؒ کا دفتر موجودہ سندھ ہائی کورٹ کی عمارت میں تھا جو اُس وقت ''چیف کورٹ'' کہلاتی تھی۔مسجد خضرا وہاں سے سب سے زیادہ قریب تھی۔والد صاحب ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔والد صاحب کے ساتھ دو اور اہل حدیث حضرات بھی نماز پڑھتے تھے۔ایک تو شیخوپورہ کے داؤد صاحب تھے اور دوسرے روپڑ کے غلام محمد صاحب تھے جو آجکل آئی ایٹ ون اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں اور وہاں اہل حدیث کی ''مسجد رحمانیہ'' کے مہتمم ہیں

۔ یہ تینوں حضرات مل کر جماعت سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں دو تین سال پہلے (غالباً ۲۰۱۷ میں) اسلام آباد میں غلام محمد صاحب کی رہائش گاہ گیا اور ان سے ملاقات کی۔ وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے اور کچھ بیمار بھی تھے۔ وہ بڑی محبت اور عقیدت سے والد صاحبؒ کا ذکر کرتے رہے۔ پرانی باتیں یاد کرتے رہے۔ والد صاحب کو ''حضرت صاحب'' کے لقب سے یاد کرتے رہے۔ انہوں نے یہاں آئی ایٹ ٹو کی اہلحدیث کی مسجد میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہوا ہے جس میں کتب احادیث کے ساتھ والد صاحب کی لکھی ہوئی کتابیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ اس پر کچھ کٹر اہلحدیث ان کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ پہلے مجھے معلوم ہوا کہ انہی لوگوں میں سے کسی نے اس لائبریری میں آگ لگا دی۔ اس سے کتنا نقصان ہوا اس کا مجھ کو اندازہ نہیں۔

اُس زمانے میں جمعہ کے دن سرکاری دفاتر کی چھٹی دوپہر بارہ بجے ہوا کرتی تھی جبکہ اہل حدیث کی مساجد میں جمعہ کا خطبہ ساڑھے بارہ بجے شروع ہوتا تھا۔ لہٰذا چھٹی کے بعد اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ گھر پہنچ کر تیار ہو کر خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ سکیں۔ اس لئے والد صاحبؒ صبح گھر سے غسل وغیرہ کر کے دفتر جایا کرتے تھے اور پھر دفتر سے ہی مسجد چلے جاتے تھے۔

اُس وقت کراچی میں اہل حدیث کی مساجد بہت کم تھیں اور جو تھیں وہ بھی سب شہر میں تھیں۔ اُس وقت برنس روڈ پر واقع جماعت غرباء اہلحدیث کی ''محمدی مسجد'' والد صاحب کے دفتر سے سب سے زیادہ قریب تھی۔ اس وقت تک کورٹ روڈ کی مسجد اہلحدیث اور رنچھوڑ لائن کی رحمانیہ مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اور غالباً شہید ملت روڈ کی ایک منارہ مسجد بھی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ دفتر سے قریب ہونے کی وجہ سے والد صاحب نے جمعہ کی نماز محمدی مسجد میں پڑھنی شروع کر دی۔ اس وقت علامہ حافظ ابو محمد عبد الستار صاحب دہلوی ابنِ علامہ عبد الوہاب صاحب ملتانی، جماعت غرباء اہلحدیث کے امام تھے اور جمعہ کی نماز بھی وہی پڑھاتے تھے۔

حافظ عبد الستار صاحب ایک اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ بڑے جامہ زیب تھے۔ ہمیشہ کرتہ شلوار پہنتے اور کبھی کبھی اس پر کالے رنگ کا جُبّہ پہنتے۔ صافہ (عمامہ) ہمیشہ کالے رنگ کا پہنتے۔ جمعہ کے دن جب خطبہ دینے کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تو آپ کے ایک ہاتھ میں ''ریاض الصالحین'' ہوتی اور دوسرے ہاتھ سے آپ مسواک کرتے ہوئے داخل ہوتے۔ آپ لمبی نماز پڑھاتے یعنی آپ کے رکوع و سجود کافی لمبے ہوتے تھے۔ آپ خطبہ بھی لمبا دیتے۔ خطبے کا وقت ساڑھے بارہ سے ڈیڑھ بجے تک ہوتا تھا لیکن آپ اکثر پونے دو اور کبھی کبھی اس

سے بھی زیادہ دیر تک خطبہ دیتے۔ لیکن خطبہ اتنا دلنشین ہوتا تھا کہ سامعین کی دلچسپی برقرار رہتی۔

بولٹن مارکیٹ پہ واقع بڑی مسجد جو میمن مسجد کہلاتی ہے اس کی بنیاد حافظ عبدالستار صاحب، امام جماعت غرباء اہلحدیث نے ہی رکھی تھی لیکن بعد میں احناف نے اپنی اکثریت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے برنس روڈ پہ موجودہ جناح مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہاں سے بھی بے دخل ہونے کے بعد پھر انہوں نے برنس روڈ پر ہی محمدی مسجد تعمیر کی جو آج تک قائم ہے۔

والد صاحب کے محمدی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے بلا تحقیق اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا کہ مسعود صاحب جماعت غرباء اہلحدیث میں شامل تھے۔ یہ بات سراسر جھوٹ اور غلط ہے۔ ہمارے سیاستدان تو جھوٹ بولتے ہی ہیں لیکن افسوس ان نام نہاد علماء کی جرأت پر ہوتا ہے جو بغیر علم اور بغیر تحقیق کے حق دشمنی میں اتنا تجاوز کر جاتے ہیں کہ جھوٹ بولنے سے بھی نہیں شرماتے۔

والد صاحب کی جناب عبدالستار صاحب اور جماعتِ غرباء اہل حدیث کے دیگر اہم افراد سے بڑی اچھی شناسائی ضرور تھی لیکن نہ تو والد صاحب نے عبد

الستار صاحب سے کبھی بیعت کی اور نہ کبھی ایک دن کے لئے بھی اس جماعت میں شامل ہوئے۔ بلکہ کورٹ روڈ اور رنچھوڑ لائن کی مسجدیں بن جانے کے بعد تو آپ نے محمدی مسجد میں نماز پڑھنی بالکل ہی چھوڑ دی تھی۔ البتہ آپ جمعیت اہلحدیث کراچی میں ضرور شامل تھے اور شروع شروع میں آپ اس کی جماعتِ عاملہ کے رکن بھی رہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں راولپنڈی سے کراچی تبادلے کے بعد غالباً ۱۹۶۴ء میں یا اس کے بعد میجر عبدالرحیم قریشی صاحب کے بعد آپ جمعیتِ اہلحدیث کراچی کے صدر بھی رہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد آپ صدارت کے عہدے سے خود ہی دستبردار ہو گئے تھے۔

جماعتِ غرباء اہلحدیث کی ایک مسجد نیپئر روڈ پر بھی تھی جہاں جمعہ کی نماز عبدالجلیل دہلوی صاحب پڑھاتے تھے۔ یہ دبلے پتلے سے انسان تھے اور ان کے خطبے کا انداز سب سے علیحدہ تھا۔ کبھی کبھی ہم اس مسجد میں بھی جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

شہیدِ ملت روڈ کی ایک منارہ مسجد، رنچھوڑ لائن کی رحمانیہ اور کورٹ روڈ کی مسجدیں بعد میں تعمیر ہوئیں۔ رحمانیہ مسجد میں اسحٰق روپڑی صاحب جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ یہ والد صاحب کے بہت اچھے دوست تھے۔ حافظ اسمٰعیل روپڑی

بھی جب کراچی آتے تو اکثر اسی مسجد میں یا پھر جوڑیا بازار کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ ان کے پیچھے بھی ہم نے بہت نمازیں پڑھیں۔ مزارِ قائد کے سامنے قیوم منزل میں روپڑی صاحب نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے بھی ان کے پیچھے تراویح پڑھی تھی۔ کورٹ روڈ کی مسجد میں علامہ عباس ندوی صاحب نماز پڑھاتے تھے۔ جب یہ مسجد بن گئی تو ہم زیادہ تر اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ شہیدِ ملت روڈ کی مسجد میں علامہ ملک ابوالفضل عبدالحنان علوی نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ یہ بھی بہت اچھے عالم تھے۔ وہاں بھی ہم اکثر جایا کرتے تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا علامہ یوسف کلکتوی ہر اتوار کو بندر روڈ پہ واقع تھیوسوفکل ہال میں درس قرآن دیا کرتے تھے اور ہم ان کے درس میں پابندی سے جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد علامہ یوسف صاحب حافظ آباد چلے گئے اور کئی سال وہیں رہے اور ان کے درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس موقع پر والد صاحب اور مارٹن روڈ، جہانگیر روڈ اور آس پاس کے علاقوں میں رہنے والے چند دیگر حضرات کی کوششوں سے ایک مقامی نوعیت کا درس شروع کیا گیا۔ یہ درس اہلحدیث عالم اور مناظر مولوی محمد ادریس خان لودھی بدایونی کی رہائش گاہ (مکان نمبر ۳۵، جہانگیر ویسٹ، عقب انکوائری آفس) پر ہر اتوار کی شام کو ہوتا تھا۔ شروع

میں اس درس کے لئے علامہ عبدالجبار صاحب خطیب موتی مسجد (بندر روڈ) کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان کے بعد کئی دیگر حضرات نے درس دیا جن میں مولوی ارادت حسین صاحب، مولوی ابوالسعادات محمد مبارک وغیرہ شامل تھے۔ بعد میں درس دینے والے علماء کی عدیم الفرصتی اور عدم دستیابی کے پیشِ نظر تمام احباب نے بصد اصرار اس درس کی ذمہ داری والد صاحب کے اوپر ڈال دی اور آپ نے بادل ناخواستہ اسے قبول کیا۔ پہلے بلوغ المرام کا درس ہوتا تھا۔ آپ نے اس کے بجائے صحیح بخاری کا درس شروع کیا۔ پہلے ہی درس کو تمام حاضرین نے بے انتہا پسند کیا اور پھر یہ ذمہ داری مستقلاً آپ ہی کے سپرد کر دی گئی۔ مولوی محمد ادریس خان صاحب کے گھر کے بعد یہ درس عبداللہ صاحب کے گھر (۳/۱۱۰ مارٹن روڈ) منتقل کیا گیا اور ۱۹۵۹ء میں والد صاحب کے راولپنڈی تبادلے تک یہ درس ادھر ہی ہوتا رہا۔

راولپنڈی تبادلے سے پہلے کراچی قیام کے دوران والد صاحب کے علماء احناف، منکرین حدیث اور قادیانیوں سے کئی مباحثے (یا مناظرے) ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر آپ کو کامیاب فرمایا۔ مشہور منکرِ حدیث سرور صاحب جو ایک کتاب کے مصنف بھی تھے (مجھے ایک کتاب کا ہی علم ہے) وہ ۱۹۵۰ء کے

عشرے کے شروع میں ہمارے گھر آئے تھے۔ان سے کافی طویل مباحثہ ہوا۔ انہوں نے احادیث پر جو اعتراضات کئے والد صاحب نے ان کے تسلی بخش جوابات دئے۔

قادیانی مبلغ عبد المالک صاحب سے بھی مباحثہ ہوا۔عبد المالک صاحب سے گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ جزو کو کل نہیں کہہ سکتے۔ جیسے انگلی انسان کے جسم کا ایک جزو ہے۔ انگلی کو انسان نہیں کہہ سکتے۔اس پر عبد المالک لاجواب ہو گئے۔ قادیانیوں کے ایک اور مشہور عالم اور مبلغ اللہ دتہ صاحب بھی اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ ہمارے گھر آئے تھے۔ان لوگوں سے بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوئی۔اللہ دتہ صاحب بڑے لمبے چوڑے آدمی تھے۔ان کے ساتھ ان کے کئی معاونین تھے۔ جو بہت ساری کتابیں اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔کافی لمبی بحث وتمحیص کے بعد اللہ دتہ صاحب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ بات صرف اتنی سی ہے کہ ''جس کو آپ لوگ ولی کہتے ہیں اس کو ہم نبی کہہ دیتے ہیں''۔اس پر والد صاحب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے ان کی گرفت کی اور کہا کہ یہ تو پھر آپ کی غلطی ہے کہ ایک اصطلاح کو آپ اس کے مشہور و معروف معنیٰ کے خلاف

استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ اپنی ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہنے لگیں۔اس کے ساتھ ہی بحث ختم ہوگئی۔

ایک بہت مشہور حنفی عالم تھے جو رنچھوڑ لائن میں رہتے تھے۔ وہ بڑے متعصب تھے اور اپنے آپ کو حنفی مذہب کا وزیر دفاع کہتے تھے۔والد صاحب کے ساتھ میں اور دو تین اور صاحبان ان کے گھر گئے۔اس نشست کا انتظام غالباً مشہور خطاط احمد مدنی صاحب نے کیا تھا۔ان علامہ صاحب کے ساتھ بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ پھر علامہ صاحب نے امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات نکالی اور کہنے لگے کہ امام بیہقیؒ کی دیانت کا یہ حال ہے کہ ایک راوی نے جب ایسی حدیث روایت کی جو شافعی مذہب کے مطابق تھی تو امام بیہقیؒ نے اس راوی کی بڑی تعریف کی لیکن جب اسی راوی نے حنفی مذہب کی موافقت میں حدیث روایت کی تو امام بیہقیؒ نے اسی راوی کو ضعیف قرار دے دیا۔انہوں نے کتاب الاسماء والصفات میں دونوں مقامات پر نشانی رکھ چھوڑی تھی۔ انہوں نے کتاب کھولی اور دونوں مقامات پڑھ کر سنائے۔ ایک مقام سے اس راوی پر جرح پڑھ کر سنائی اور دوسرے مقام سے اس راوی کی تعدیل پڑھ کر سنائی۔ یہ سن کر والد صاحب خاموش ہو گئے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ میں اُس وقت بہت کم عمر تھا۔سترہ

اٹھارہ سال کا تھا اور کالج میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا۔ میں نے علامہ صاحب سے کہا کہ ذرا یہ کتاب مجھے دیجئے۔ کتاب عربی زبان میں تھی۔ علامہ صاحب سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ یہ نوجوان لڑکا عربی زبان کی کتاب پڑھ بھی سکے گا اور اگر پڑھ بھی لیا تو سمجھ بھی سکے گا۔ اس لئے انہوں نے کتاب فوراً میرے حوالے کردی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ علامہ خلیل عرب اور حکیم سید احمد اللہ ندوی کی شاگردی اور پھر میرے والد صاحب کی صحبت و تربیت کی وجہ سے میں عربی زبان کی کتابیں بخوبی پڑھ اور سمجھ سکتا تھا۔ میں نے کتاب لے کر پڑھی تو دیکھا کہ امام بیہقیؒ نے دونوں مقامات پر اس راوی کی جرح و تعدیل ساتھ ساتھ بیان کی تھی لیکن علامہ موصوف نے ایک مقام سے اس کی جرح پڑھ دی اور دوسرے مقام سے اس کی تعدیل پڑھ دی اور اس طرح امام بیہقیؒ کو مورد طعن ٹھہرایا۔ جب میں نے علامہ صاحب کی پول کھولی تو تمام لوگوں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا اور ان کو بہت شرم دلائی اور احتجاجاً وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ علامہ صاحب میں اتنی شرافت تھی کہ ان کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اس پر بہت شرمندہ ہوئے اور دوسرے دن وہ بنفس نفیس ہمارے گھر تشریف لائے اور گزشتہ روز کے واقعے پر بہت معذرت کی۔

چک لالہ (راولپنڈی) میں قیام

۱۹۵۹ء میں والد صاحب کا تبادلہ کراچی سے راولپنڈی ہوگیا۔ راولپنڈی میں آپ کا دفتر ”کلکتہ ہاؤس“ میں تھا اور رہائش چک لالہ میں اے بی لائن، گریسی لائن میں تھی۔ چک لالہ ریلوے اسٹیشن سے ایک خصوصی شٹل ریل روز صبح راولپنڈی روانہ ہوتی تھی۔ اسی سے آپ دفتر جاتے تھے۔ آپ گھر سے علی الصباح روانہ ہوتے تھے۔ خاص طور پر سردیوں میں تو سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہوجاتے تھے۔ دفتر سے واپسی بھی اسی خصوصی ریل سے ہوتی تھی۔

راولپنڈی قیام کے دوران آپ کی شناسائی حافظ محمد اسمٰعیل ذبیح صاحب سے ہوئی۔ ذبیح صاحب راجا بازار راولپنڈی کی جامع مسجد اہل حدیث میں نماز پڑھاتے تھے۔ وہ بہت اچھے خطیب تھے۔ بڑے خوش الحان تھے۔ والد صاحب جمعہ کی نماز زیادہ تر انہی کے پیچھے پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی صدر میں چک بازار کی مسجد چلے جاتے تھے۔ ذبیح صاحب سے ہمارے بہت اچھے تعلقات ہوگئے تھے۔ وہ بھی ہمارے گھر آتے تھے اور ہم لوگ بھی ان کے گھر جاتے تھے۔

تلاش حق: چک لالہ (راولپنڈی) قیام کے دوران ہی تقلید کے موضوع

پر والد صاحب کی خط و کتابت سندھ کے ایک صاحب مسمی نواب صاحب سے ہوئی ۔جس کے نتیجے میں نواب صاحب اہلحدیث ہو گئے ۔ یہ خطوط بعد میں کتابی شکل میں ’’تلاش حق‘‘ کے نام سے شائع ہوئے ۔ یہ کتاب بے انتہا مقبول ہوئی اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔تقلید کے موضوع پر اس سے بہتر کتاب کوئی نہیں ۔

تفہیم الاسلام کی تصنیف : چک لالہ قیام کے دوران ہی آپ نے ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ’’دو اسلام‘‘ کا جواب لکھا ۔۱۵/جولائی ۱۹۶۲ کے ایک خط میں والد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ’’فی الحال دو اسلام کا جواب تیار کر رہا ہوں‘‘ (تلاشِ حق ص ۱۵۳)۔

دو اسلام کا جواب جب تیار ہو گیا تو اسے ’’تفہیم الاسلام‘‘ کے نام سے علامہ عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی نے اہلحدیث اکادمی لاہور سے شائع کرایا۔ احادیث پر منکرینِ حدیث کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے جواب میں اردو زبان میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی ۔اپنے دلنشیں انداز، متانت اور منفرد اسلوب کی وجہ سے یہ کتاب بے انتہا پسند کی گئی حتیٰ کہ اس کتاب کو پڑھ کر ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کیا اور

والد صاحب کو ایک تعریفی خط بھی لکھا ۔اس خط کی عکسی نقل تفہیم الاسلام کی بعد کی اشاعتوں میں شامل کر دی گئی ۔ڈاکٹر برق صاحب نے یہ بھی لکھا کہ انہوں نے ناشر کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان کی کتاب ’’دو اسلام‘‘ کی مزید اشاعت روک دے ۔بعد میں ڈاکٹر برق صاحب نے تدوین حدیث اور فن حدیث پر بھی ایک کتاب ’’تاریخ حدیث‘‘ کے نام سے لکھی جسے النبراس کراچی نے شائع کیا اور جو ’’ادارۃ الانوار‘‘ انور مینشن، بنوری ٹاؤن کراچی سے مل سکتی ہے ۔اس کتاب میں حدیث کی مکمل تاریخ، کتب حدیث کی تفصیل اور مختلف عنوانات کے تحت اقوال رسول اللہ ﷺ کا دلآویز انتخاب شامل ہے ۔ یہ بڑی مفید کتاب ہے اور جتنی معلومات اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں کسی اور کتاب میں یکجا نہیں ملیں گی ۔اس کتاب میں صفحہ نمبر۲ پر ڈاکٹر برق صاحب کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے اور نیچے لکھا ہے ’’مندرجہ بالا فہرست میں سے ان کتب کی اشاعت روک دی گئی ہے جو اس کتاب کے موقف کے خلاف ہیں‘‘ ۔اس کتاب کے دیباچے میں کتاب کے ناشر محمد احمد پراچہ صاحب لکھتے ہیں:

’’تاریخ حدیث اور ’’غلام جیلانی برق‘‘ اس پر بعض لوگوں کو تعجب ہوگا کیونکہ اس سے پیشتر وہ بعض کتابیں ایسی تحریر کر چکے

ہیں جن کی وجہ سے ان کا شمار ''منکرین حدیث'' میں ہوتا رہا۔ ان کی ایسی تحریروں پر ملک میں بہت نقد وجرح ہوئی اور اہل علم نے ڈاکٹر صاحب کی فکرونظر کا تعاقب کیا۔ بحمد للہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کی توفیق ہوئی۔

کج روطبائع انانیت کے چکر میں پڑ کر حق وصداقت اور ضمیر کی آواز کو دبا دیتی ہیں اور اپنے موقف کے رجوع کو شکست کے مترادف سمجھ کر اعلان و اظہار حق سے پہلوتہی کرتی ہیں۔ لیکن جن طبائع کو اللہ تعالیٰ سلامتی اور حق کی جستجو کی دولت و دیعت فرماتے ہیں وہ بطیّب خاطر خندہ پیشانی سے حکمت و دانائی کو قبول کر لیتے ہیں اور مرد مومن کی یہ سب سے بڑی علامت ہے کہ وہ دانائی کی بات کو اپنی گم شدہ متاع سمجھتا ہے، اس کو منزل اور صراط مستقیم پانے پر جو لذت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے اس کے مقابلے میں وہ دنیا کی ہر چیز کو ہیچ سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کھلے دل سے نہ صرف اپنے سابقہ موقف کی غلطی کا اعتراف کیا بلکہ تلافی کے طور پر ''تاریخ حدیث'' رقم فرمائی

تا کہ اپنے حالیہ موقف پر تاریخی شہادت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔'' (تاریخ حدیث ص۴،۵)

ڈاکٹر برق صاحب اسی کتاب میں حرف اول کے تحت لکھتے ہیں:

''میری سابقہ تحریریں''

جو لوگ اس موضوع پر میری پہلی تحریروں سے آشنا ہیں وہ یقیناً یہ اعتراض کریں گے کہ میرا موجودہ موقف پہلے موقف سے متصادم ہو رہا ہے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ انسانی فکر ایک متحرک چیز ہے جو کسی ایک مقام پر مستقل قیام نہیں کرتی اور سدا خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتی ہے جس دن فکر انسانی کا یہ ارتقاء رک جائے گا علم کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ کمال صرف رب ذوالجلال کا وصف ہے۔ وہ جو بات کہتا ہے وہ از ابتدا تا انتہا ہر لحاظ سے کامل ہوتی ہے اور کسی تغیر کو قطعاً گوارا نہیں کرتی۔ لیکن انسان صداقت تک پہنچتے پہنچتے سو بار گرتا ہے۔ میں بھی بارہا گرا اور ہر بار لطف

ایزدی نے میری دستگیری کی کہ اٹھا کر پھر ان راہوں پر ڈال دیا جو صحیح سمت کو جارہی تھیں۔ ﴿والحمدللہ علیٰ ذٰلک﴾ ۱۹۶۹ء۔" (تاریخ حدیث ص ۷،۸) ۔

کراچی واپسی اور جمعیت اہلحدیث کی سربراہی

۶۴-۱۹۶۳ میں والد صاحب کا تبادلہ راولپنڈی سے واپس کراچی ہوگیا۔ آپ کی کتابوں "تلاش حق" اور "تفہیم الاسلام" کی وجہ سے پورے ملک بالخصوص کراچی میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔ جب آپؒ کراچی تشریف لائے تو یہاں کے اہلحدیث حضرات کی طرف سے آپ کا بہت پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اس وقت محمد ابراہیم اینڈ کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر میجر عبدالرحیم قریشی صاحب جمعیت اہلحدیث کراچی کے صدر تھے۔ وہ بڑے پرخلوص انسان تھے۔ وہ بخوشی والد صاحب کے حق میں صدارت سے سبکدوش ہوگئے اور والد صاحب کے انکار کے باوجود بصد اصرار جمعیت اہلحدیث کراچی کی صدارت والد صاحب رحمہ اللہ کو تفویض کردی۔

والد صاحب کے کراچی پہنچتے ہی جمعیت اہلحدیث میں نئی جان پڑ گئی۔ آپ نے درس وتدریس، اجتماعات اور عملی تربیت کا سلسلہ شروع کیا۔ ان اجتماعات میں لوگوں کی شرکت اور ان کا جوش وخروش دیدنی ہوتا تھا۔ یہ اجتماعات کراچی کی مختلف مساجد میں ہوتے تھے جن میں رنچھوڑ لائن کی رحمانیہ مسجد، کورٹ

روڈ کی مسجد، پی ای سی ایچ ایس کی مسجد صدیق اکبر اور شہید ملت روڈ کی ایک منارہ مسجد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اجتماعات عام طور پر تین ماہ بعد ہوتے تھے اور صبح سے شام تک جاری رہتے تھے جبکہ درس حدیث اور عربی کی تعلیم کا پروگرام ہر اتوار کو ہوتا تھا۔ اس زمانے میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوا کرتی تھی۔ عربی تعلیم کی ذمہ داری راقم کو سونپی گئی تھی۔ صحیح بخاری کا درس والد صاحب دیتے تھے۔ یہ درس کئی سال جاری رہا۔ اس میں آپ نے صحیح بخاری کی تشریح کو مکمل کیا۔ اس درس کی خاص بات یہ تھی کہ احادیث پر جو بھی اعتراضات ہو سکتے تھے آپ ان کے مدلل اور تسلی بخش جوابات دیتے تھے۔ اسی دوران آپ مناظرے کی تعلیم بھی دیتے تھے بالخصوص قادیانی حضرات کے ساتھ مناظرے کے لئے آپ نے اہم دلائل اور نکات اور قادیانی حضرات کے دلائل کے جوابات املا کرائے تھے جو الحمدللہ میرے پاس محفوظ ہیں۔

مسلمین پرائمری اسکول کا قیام

والد صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک ایسا اسکول قائم کیا جائے جس میں دینی اور دنیاوی دونوں تعلیمیں ساتھ ساتھ دی جائیں اور جہاں طلبہ کو صرف تعلیم ہی نہ دی جائے بلکہ ان کی کردار سازی بھی کی جائے اور ان کی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر بچپن میں صحیح تعلیم و تربیت مل جائے تو پھر بعد میں راہ راست سے بھٹکنے کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے لیکن اگر بچپن میں صحیح تربیت نہ ملے تو پھر جوانی یا بڑھاپے میں اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے۔
آپؒ فرماتے تھے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(شیخ سعدی شیرازی)

نئی نسل کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کی والد صاحب کے نزدیک کیا اہمیت تھی وہ آپ کی مندرجہ ذیل تحریر سے واضح ہے:

''قوموں کی زندگی میں تعلیم کی حیرت انگیز انقلابی قوت واہمیت کسی شرح کی محتاج نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی ملک و ملت کا تعلیمی نظام اس ملک وملت کے نظام حیات کا عکاس ہوتا ہے۔اگر ہم نظام زندگی کو صحیح اسلامی اقدار کے مطابق قائم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں نظام تعلیم کو اسلامی نظریات کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ہوگا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں نظام تعلیم و تربیت سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔وہی قومیں مائل بہ عروج ہوتی ہیں جن کا نظام تعلیم و تربیت ان اقوام کے نظریۂ حیات کا مکمل پرتو ہوتا ہے اور وہ قومیں مائل بہ زوال ہوتی ہیں جن کا نظام تعلیم وتربیت غلامانہ ذہنیت کا حامل، ان کے نظریۂ حیات کے خلاف اور دوسری قوموں کی کورانہ تقلید اور نقالی پر مبنی ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرے کے انحطاط نے جو نقصانات ہماری قوم کو پہنچائے ہیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن یہ کہنا بے

جا نہ ہوگا کہ سب سے بڑا نقصان دینی اور دنیوی مدارس کی علیحدگی سے پہنچا ہے۔دینی تعلیم مدارس دینیہ میں اور دنیوی تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں علیحدہ علیحدہ دی جارہی ہے۔ دینی مدارس کے طلباء دنیوی علوم اور مسائل حاضرہ سے ناواقف رہتے ہیں، نہ جدید علوم وتحقیقات سے ان کو روشناس کرایا جاتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ طبقہ ان دینی مدارس سے فارغ ہو کر نکلتا ہے تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ نہ تو دور حاضر کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے اور نہ ان اعتراضات کو دفع کر سکتا ہے جو آئے دن اسلام پر ہوتے رہتے ہیں اور اسکولوں کالجوں کے طلباء دینی علم سے نابلد اور اسلام سے دور ہو کر الحاد اور بے دینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جماعت المسلمین نے اپنا تعلیمی منصوبہ مرتب کیا ہے، اس منصوبہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جائے،

تعلیم بہت ٹھوس اور معیاری ہو اور ایسا تعلیمی نظام قائم ہو جو دینی
اور دنیوی علوم کا حسین امتزاج ہو۔ طلباء کے مزاج کو خالص
اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور ان کے ذہنوں میں اسلام
کی برتری کا ایسا سکہ بٹھایا جائے کہ جب وہ ایسے مدارس سے
فارغ ہو کر نکلیں تو اسلام کی روشنی میں معاشرہ کی بہترین اصلاح
کر سکیں اور صحیح معنی میں اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر سکیں اور جو
طالبعلم اس مجوزہ تعلیمی نصاب کی تکمیل کے بعد مدرسہ سے نکلے
تو وہ بہ یک وقت باعمل صحیح العقیدہ اور بالغ نظر عالم دین بھی ہو
اور یونیورسٹی کی ڈگری کا حامل بھی۔ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑا
ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ کسی کا محتاج اور دستِ نگر نہ ہو تا کہ
بے باکی کے ساتھ حق بیان کر سکے۔

الحمدللہ! جماعت المسلمین برابر اس کوشش میں ہے کہ
آئندہ آنے والی نسل کے ذہنوں کو موجودہ دور کے فتنوں سے
محفوظ رکھ کر انہیں صحیح معنی میں مسلم بنائے اور نہ صرف مسلم
بنائے بلکہ اس قابل بنائے کہ وہ ان فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ

اور ان کا مکمل استیصال کر سکے۔" (ماخوذ از پمفلٹ)۔

بچوں کو صحیح تعلیم و تربیت اور خالص اسلامی ماحول فراہم کرنے کے لئے
صفر ۱۳۸۷ھ (مئی ۱۹۶۸ء) میں آپ نے شہید ملت روڈ پر ایک پرائمری اسکول
کھولا اور منصوبے کے مطابق اس میں ہر سال ایک اگلی جماعت کا اضافہ ہونا تھا۔
اسکول کے قیام کے سلسلے میں جناب انیس الرحمٰن صاحب مینجنگ ڈائرکٹر لمٹن
انڈسٹریز کراچی نے بہت تعاون کیا اور شہید ملت روڈ پر واقع ایک منارہ مسجد سے
ملحقہ عمارت اس مقصد کے لئے فراہم کی۔ ایک اور متمول شخصیت جناب حاجی علیم
الدین صاحب جوہری نے، جو تاج مینشن، سمرسٹ اسٹریٹ، صدر۔ کراچی میں
رہائش پذیر تھے، بہت مالی تعاون کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگوں نے اپنی
اپنی حیثیت کے مطابق بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس اسکول میں تعلیم دینے کے لئے دینی ذہن رکھنے والے اساتذہ
اور صدر مدرس کا انتخاب کیا گیا۔ اس اسکول کا معیار تعلیم اُس وقت کے بہترین
انگلش اسکولوں کے معیار کے مساوی تھا۔ یہ اسکول کئی سال بڑی کامیابی کے ساتھ
چلتا رہا تا آنکہ ۱۹۷۴ء یا ۱۹۷۵ء میں اس وقت کی پیپلز پارٹی کی حکومت کی
نیشلائزیشن پالیسی کے تحت اس اسکول کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

اہلحدیث کی اصلاح کے لئے کوششیں

والد صاحب کو اہلحدیث سے بڑی محبت تھی۔ اگر کہیں بھی کسی اہلحدیث شخص سے ملاقات ہوتی تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر چہ عام اہلحدیث حضرات کی بدعملی کی وجہ سے آپ بہت دل برداشتہ رہتے تھے۔ بالخصوص ان کی نئی نسل کی دین سے دوری پر بہت کڑھتے تھے۔ والد صاحب نے حنفی مسلک چھوڑ کر اہلحدیث مسلک اختیار کیا تھا اس لئے آپ کے اندر بے انتہا جذبہ اور گرمجوشی تھی جبکہ پرانے اور نسلی اہلحدیث حضرات میں یہ جذبہ تقریباً مفقود تھا الا ماشاءاللہ۔ اور وہ لوگ بے عملی کا شکار تھے۔ بے عملی کے ساتھ ساتھ ان میں ادب واحترام اور تہذیب واخلاق کی بھی بہت کمی تھی۔ ان کے اعمال کا کچھ نقشہ والد صاحب نے منہاج المسلمین میں ''آداب الصلوٰۃ'' کے عنوان کے تحت کھینچا ہے۔ اہلحدیث میں رہتے ہوئے آپ اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے اصلاح کی کوششیں کرتے رہے۔ لیکن کئی سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔

جماعت المسلمین اور اہلحدیث کو قریب لانے کے لئے ایک تجربہ یہ بھی کیا گیا کہ جماعت المسلمین کے نام کے ساتھ اہلحدیث کا لاحقہ لگا دیا جائے اور اسی

طرح اہلحدیث کے نام سے پہلے جماعت المسلمین کا سابقہ لگا دیا جائے اور اس طرح جماعت المسلمین اور اہلحدیث دونوں کے لئے ایک ہی نام ''جماعت المسلمین اہلحدیث'' اختیار کیا جائے۔ جماعت المسلمین نے کچھ عرصہ اس پر عمل بھی کیا لیکن حیرت کی بات ہے کہ اُس وقت حیدرآباد (سندھ) کے اہلحدیث حضرات نے اپنے آپ کو مسلم کہلوانے سے صاف انکار کر دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آپ کو مسلم ہرگز نہیں کہیں گے۔ ایک کلمہ گو کے منہ سے ایسی بات نکلنا کتنے تعجب کی اور افسوس کی بات ہے!

کچھ ہی عرصہ بعد والد صاحب کو بھی یہ خیال آیا کہ جماعت المسلمین کے نام کے ساتھ اہلحدیث کا لاحقہ لگانا صحیح نہیں کیونکہ اول تو یہ نام قرآن وحدیث سے ثابت نہیں اور دوسرے اس نام سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔ لہٰذا یہ نام صحیح نہیں اور صحیح نام صرف ''جماعت المسلمین'' ہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا تھوڑا عرصہ بعد ہی ''جماعت المسلمین اہلحدیث'' کے نام کو چھوڑ کر صرف ''جماعت المسلمین'' کا نام اختیار کیا گیا۔

حج بیت اللہ

نومبر ۱۹۷۵

آپ نے ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵) میں حج کیا۔آپ بحری جہاز سے گئے تھے۔اس وقت بحری جہاز کا کراچی سے جدہ جانے آنے کا کرایہ دوہزار (۲۰۰۰) روپیہ تھا۔

وفات حسرت آیات

شیخ الاسلام کی صحت آخر وقت تک بہت اچھی تھی۔کوئی موذی مرض مثلاً ذیابیطس،فشارِخون (بلڈ پریشر)،دمہ (asthma) عارضۂ دل وغیرہ کچھ نہ تھا۔البتہ عمر کے لحاظ سے کمزوری ہوگئی تھی جو ایک فطری اور لازمی امر ہے۔چھوٹی موٹی شکایات ہوتی رہتی تھیں۔مثلاً سر درد، سر میں بھاری پن،زکام وغیرہ اس کے لئے آپ کچھ دوائیں،کچھ گھریلو چٹکلے وغیرہ استعمال کر لیتے تھے۔

۲۶ رمضان ۱۴۱۷ھ کو آپ ملیر سے نارتھ ناظم آباد اپنے چھوٹے بیٹے سید محمد الیاس صاحب کے گھر آ گئے تھے۔عید تک آپ وہیں رہے۔عید الفطر (۹ فروری ۱۹۹۷) کی نماز آپ نے پڑھائی۔نماز کے بعد آپ الیاس صاحب کے گھر آ گئے۔پھر دوپہر کو آپ جماعت کے ایک صاحب (ارشاد صاحب) کے گھر گئے۔وہاں آپ نے شربت پیا۔اس سے آپ کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی۔اور وہیں آپ کو قے آ گئی۔اس کے بعد آپ گلستانِ جوہر ڈاکٹر نعیم الدین مرزا صاحب کے گھر گئے اور وہاں سے اپنے گھر مرکز جماعت المسلمین ملیر چلے گئے۔عید کے دوسرے دن جماعت کے کچھ حضرات آپ سے ملنے ملیر پہنچے۔اسی دن

الیاس صاحب بھی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آپ کے پاس گئے۔ وہ آپ کو اپنے گھر لانا چاہتے تھے لیکن آپ تیار نہ ہوئے۔

جمعرات ۵ شوال کو صبح فجر کی نماز کے لئے آپؒ اٹھے تو بستر کے پاس ہی گر گئے۔ آپ کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ الیاس صاحب کو جیسے ہی خبر ملی انہوں نے جماعت کے سیکرٹری ناصر صاحب سے کہا کہ آپ والد صاحب کو لیاقت نیشنل اسپتال لے جائیں اور میں بھی وہیں پہنچتا ہوں۔ لیکن آپ کو لیاقت نیشنل اسپتال کے بجائے ناظم آباد کے A.O Clinic لے جایا گیا اور وہاں آپ کو داخل کرادیا گیا۔

میں اس وقت اسلام آباد میں تھا۔ جمعرات کے دن جیسے ہی مجھے اطلاع ملی میں نے فوراً ہوائی جہاز سے اپنی نشست بک کروائی۔ دوسرے دن کی نشست مل گئی۔ دوسرے دن صبح تقریباً دس بجے جب میں نے اسلام آباد سے اسپتال فون کر کے والد صاحب کی خیریت معلوم کی تو جماعت کے ایک صاحب (یاسین صاحب) نے جن کا اب انتقال ہو چکا ہے مجھے بتایا کہ امیر صاحب کی طبیعت بہتر ہے۔ حالانکہ آپ کی طبیعت رات کو ہی بگڑ گئی تھی اور آپ کو آئی سی یو میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ بہر حال جب سہ پہر کو میں اسلام آباد سے کراچی پہنچا تو اس سے پہلے ہی

پراسرار حالات میں دوپہر کے وقت آپ کی وفات ہو چکی تھی۔ یعنی جمعہ ۶ شوال ۱۴۱۷ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۹۷ دوپہر کے وقت یہ آفتابِ رشد و ہدایت ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون o

اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو، آپ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں آپ کو بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کو آپ کے محبوب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و سلم کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

آپ کی اس طرح اچانک جدائی ہمارے لئے اور جماعت کے تمام افراد کے لئے ایک بہت بڑا صدمۂ جانکاہ تھا۔ ایک سراسیمگی کا عالم تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ اچانک کیا ہو گیا۔ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ سب کو آخر ایک دن اسی کے پاس جانا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ o وَ يَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ o

آپ ہم سے جدا ہو گئے لیکن آپ کی حسین یادیں ہمارے دلوں میں تازہ ہیں اور جو علمی ذخیرہ آپ بطور صدقہ جاریہ چھوڑ گئے ہیں اس کی بدولت آپ ان شاء اللہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ آمین

باب سوم

فرقہ بندی کی مذمت اور فرقوں سے بیزاری

شیخ الاسلامؒ کی زندگی فرقہ بندی کے خلاف جدوجہد سے عبارت ہے۔ فرقہ بندی نے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔قرآن وحدیث میں فرقہ بندی کی شدید مذمت آئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ
(الانعام:۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور ہوگئے فرقے فرقے۔(اے رسول) ان سے آپ کو کوئی سروکار نہیں۔

(۲) قرآن مجید فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مُنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡہِ وَاتَّقُوۡہُ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا کُلُّ حِزۡبٍ م بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝

(الروم:۳۱-۳۲)

ترجمہ: سب اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور قائم کرو نماز اور مت ہو جاؤ مشرکین میں سے۔جنھوں نے پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہوگئے فرقے فرقے، ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔

(۳) شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''عربی قواعد کی رو سے ''المشرکین'' متبوع ہے اور ''اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا '' تابع ہے۔'' المشرکین'' مبدل منہ ہے اور ''اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا'' بدل الکل ہے۔ایسی صورت میں قواعد عربی کی رو سے تابع عین متبوع ہوتا ہے۔یعنی تابع سے کلیۃً وہی شخص یا چیز مراد ہوتی ہے جو شخص یا چیز متبوع سے مراد ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں ''بدل الکل'' کلیۃً ''مبدل منہ'' ہوتا ہے۔قواعد عربی کے اس اصول کے مطابق مندرجہ بالا کلمات ربانی میں ''اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا'' اپنے متبوع "المشرکین" کا بدل الکل ہے۔یعنی ''اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا'' سے کلیۃً وہی مراد ہے جو "المشرکین" سے مراد ہے۔یعنی جو لوگ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقے بنالیں وہ شرک کے مرتکب ہیں۔عملاً بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بالکل

ایک حقیقت ہے۔کسی بھی فرقے کے کسی فرد کے سامنے اگر قرآن مجید یا حدیث
نبوی کی نص صریح پیش کی جائے جو اُس کے فرقہ وارانہ مذہب کے خلاف ہو تو وہ
اپنے فرقہ وارانہ مذہب کی بات کو مانے گا اور اسی پر عمل کرے گا۔گویا اُس نے
اپنے فقہاء کو شارع بنالیا‘‘۔(جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ
دار ہیں۔ص ۶۵۷)۔

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی فرقہ بندی کو ’’کفرِ فعلی‘‘ لکھتے ہیں۔سورۃ آلِ عمران کی
آیت (۱۰۶) یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔
’’سیاقِ آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفرِ فعلی یعنی اختلاف و
تفریق مذموم مراد ہو۔‘‘

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

’’صراطِ مستقیم (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے۔اس سے
ہٹ کر گمراہی کے راستے بہت ہیں۔دین الٰہی کا راستہ (صراط مستقیم) ایک ہے۔
جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر جدا جدا راہیں نکالتے اور فرقہ بندی کی لعنت
میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصارٰی یا وہ مدعیانِ اسلام جو مستقبل میں
عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے ان لوگوں سے آپ کو کچھ

واسطہ اور سروکار نہیں۔ یہ سب فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ میں داخل ہیں۔آپ ان
سے بیزاری و برأت کا اظہار کر کے اللہ کے اسی ایک راستہ (صراط مستقیم) پر جمے
رہیئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے۔وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے
گا جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے۔‘‘ (تفسیر عثمانی، تفسیر آیت ۱۵۹،
سورۃ الانعام)۔

(۵) فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡ ہُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ اَوۡ مِنۡ
تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّ یُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ
نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَفۡقَہُوۡنَ ○ (الانعام:۶۵)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب
تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو فرقہ فرقہ بنا کر ایک
دوسرے سے الجھا دے اور آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔دیکھئے ہم کس کس طرح
بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

فرقہ بندی کی ممانعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آلِ عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور تفرقہ نہ کرو

وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡ م بَعۡدِ مَا جَآءَ ھُمُ الۡبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝ (آلِ عمران:۱۰۵)

ترجمہ: اور مت ہو جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر کیا اور کھلے دلائل پہنچنے کے بعد اختلاف کیا، ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ یَرۡضٰی لَکُمۡ ثَلَاثًا وَیَکۡرَہُ لَکُمۡ ثَلَاثًا فَیَرۡضٰی لَکُمۡ اَنۡ تَعۡبُدُوۡہُ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّاَنۡ تَعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا، وَیَکۡرَہُ [یَسۡخَطُ] لَکُمۡ قِیۡلَ وَقَالَ وَکَثۡرَۃَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَۃَ الۡمَالِ۔ (رواہ

مسلم عن ابی ھریرۃ رضؓ)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے پسند فرماتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور فرقوں میں نہ بٹو، اور تمہارے لئے قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعت ِمال کو ناپسند فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم۔۴۴۸۱)۔

اہلحدیث عالم حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں۔

''یاد رکھیں کہ اسلام کی رو سے سب مسلمان ایک عالم گیر جماعت ہے جس میں فرقہ کی گنجائش نہیں۔ جس طرح جمع تفریق دو ضدیں ہیں اسی طرح جماعت اور فرقہ کا آپس میں تضاد ہے''۔ (سبیل الرسول، ص ٦٢)۔

افتراق الامۃ

امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِفترقت [تفرقت] الیهود علیٰ احدی أو اثنتین و سبعین فرقةً و تفرَّقت النَّصاری علیٰ احدی أ و اثنَتینِ و سبعین فرقة و تفترق اُمَّتی علیٰ ثلاثٍ و سبعین فرقةً، رواه أحمد و الترمذیُّ وأبوداودوابن ما جة وابن حبان والحاکم و أبو یعلیٰ وصححه الترمذی و قال الحاکم صحیح علیٰ شرط مسلم ووافقه الذهبیُّ۔

یہود ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوگئے، نصاری بھی ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوگئے اورمیری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ (مسند امام احمدؒ ۸۱۹۴، ترمذی ۲۶۴۰، ابوداوٗد ۴۵۹۶، ابن ماجہ ۳۹۹۱، ابن حبان ۶۲۴۷، حاکم ۴۵۲، ابویعلیٰ ۵۹۷۱ و ۶۱۱۰)۔ اسے امام ترمذیؒ، امام حاکمؒ اور حافظ ذہبیؒ نے صحیح کہا۔

فرقے جہنم میں جائیں گے

(۱) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلَااِنَّ مَنْ قَبْلَکُمْ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ افترقوا علیٰ ثِنْتَیْنِ وَسبعین مِلَّةً وان هذه الملة [الامة-دارمی] ستفترق علیٰ ثلاث و سبعین، ثنتان و سبعون فی النَّار وواحد فی الجنَّة وهی الجماعة۔ رواه احمدوابوداود والدارمی و الحاکم و قال الحاکم هذه أسانید تقام به الحجة فی تصحیح هذاالحدیث و قال الحافظ فی ٹخریج الکشاف اسناده حسن و قال شیخ الاسلام ابن تیمیة هو حدیث صحیح مشهور و صححه أیضا الشاطبی فی الاعتصام

خبردار! تم سے پہلے اہلِ کتاب بہتّر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ ملت (امّت) عنقریب تہتّر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتّر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہوگی۔ (مسند امام احمدؒ ۱۶۴۹۰، ابوداوٗد ۴۵۹۷، دارمی ۲۵۱، حاکم ۴۵۴)۔

امام حاکمؒ ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت معاویہؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں

هذه اسانيد تقام بها الحجة فى تصحيح هذ االحديث ، وقد روى هذاالحديث عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ و عمرو بن عوف المزنىؓ باسنادين تفرد بأحدهما عبد الرحمان بن زيد الافريقى و الآخر كثير بن عبد الله المزنى ولا تقوم بهما الحجة

یہ ایسی سندیں ہیں جن سے اس حدیث کی تصحیح پر حجت قائم کی جاتی ہے۔اور یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور عمرو بن عوف المزنی سے بھی مروی ہے۔ان میں سے ایک حدیث کو روایت کرنے میں عبدالرحمان بن زیادالافریقی متفرّد ہے اور دوسری کو روایت کرنے میں کثیر بن عبداللہ المزنی متفرد ہے اوران دونوں سے حجت قائم نہیں ہوتی۔(مستدرک حاکم)۔

حافظ ذہبیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہنے میں امام حاکمؒ کی موافقت کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تخریجِ کشّاف میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں هو حديث صحيح مشهور اور امام شاطبیؒ نے بھی اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایات جن کا امام حاکمؒ نے ذکر کیا ہے وہ آگے آرہی ہیں۔

(۲) حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

افتر قت اليهود علىٰ احدى و سبعين فر قة فواحدة فى الجنَّةِ وَ سبعون فى النَّارِ وافترقت النَّصارٰى علىٰ ثِنتَينِ وَ سبعين فرقة فَاحدى و سبعون فى النَّار وواحدة فى الجنَّة، وَالَّذِى نفسُ مُحَمَّدٍ بيدهٖ لتفترقنَّ اُمّتى علىٰ ثلاث و سبعين فرقة، واحدة فى الجنّة وثنتان و سبعون فى النَّارِ، قيل يارسول الله من هم؟ قال الجماعة۔رواه ابن ماجة

یہود ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے۔ان میں ایک جنتی اور ۷۰ دوزخی ہیں۔اور نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے۔۷۱ جہنّم میں اور ایک جنت میں۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ (ﷺ) کی جان ہے۔میری امت ضرور بٹ جائے گی ۷۳ فرقوں میں۔ایک جنت میں جائے گا اور ۷۲ دوزخ میں۔پوچھا گیا یارسول اللہ وہ کون ہیں (جو جنت میں جائیں گے)؟ آپؐ ﷺ نے فرمایا ''جماعت''۔(ابنِ ماجہ ۳۹۹۲)۔اس کی سند صحیح ہے۔اس میں

ایک راوی عباد بن یوسف ہے۔اسے امام ابن حبانؒ نے ثقہ کہا ہے۔

(۳) امام حاکمؒ نے بھی اسی کے مثل روایت کیا ہے (مستدرک حاکم ۴۵۶)۔لیکن اس روایت میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ المزنی ضعیف ہے۔

(۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ بنی ا سرائیل افترقت علیٰ احدی و سبعین فرقة و ان اُمّتی ستفترق علیٰ ثنتین و سبعین فرقة کُلُّها فی النار الّا واحدة و هی الجماعة رواه أحمد وابن ماجة **بے شک بنی اسرائیل ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ جماعت ہے۔(مسند امام احمد ۱۴۵۱۳، ابن ماجہ ۹۹۳**

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لیأتینَّ علیٰ أمتی ما أتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منهم من أتیٰ أمه علانیة لکان فی أمتی من یصنع ذلك و ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملةً و تفترق أمتی علیٰ ثلاث

و سبعین ملةً کلهم فی النار الا ملةًواحدةً قیل و من هی یا رسول اللّٰه؟ قال ما أنا علیه [الیوم] و أصحابی رواه الترمذی والحاکم و فیه عبد الرحمان بن زیاد بن انعم الأفریقی

میری امت پر بھی ہو بہو وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا حتی کہ اگر بنی اسرائیل میں کسی شخص نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو ایسا کرے گا۔اور بے شک بنی اسرائیل بہتّر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتّر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی۔وہ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے۔آپؐ سے پوچھا گیا ''یارسول اللہ، وہ کونسا فرقہ ہوگا؟''۔آپؐ نے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں'' (ترمذی ۲۶۴۱، حاکم ۴۵۵)۔اس میں ایک راوی عبدالرحمان بن زیاد بن انعم افریقی ہے جو بہت زیادہ ضعیف ہے۔اسے امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام نسائیؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبانؒ نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔(تہذیب التہذیب)۔

(۶) عن کثیر بن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف بن زید عن أبیه

عن جده قال كنا قعوداً حول رسول الله صلى الله عليه و سلم فى مسجده فقال " لتسلكنَّ سنن من قبلكم حذو النعل بالنعل و لتأخذنَّ مثل أحدهم اِن شبراً فشبرٌ وان ذراعاً فذراعٌ و اِن باعاً فباعٌ حتى لو دخلوا جُحرَ ضَبّ دخلتم فيه ، ألا اِنَّ بنى اسرائيل افترقت علىٰ موسٰى علىٰ احدى و سبعين فرقةً كلها ضالَّةٌ الا فرقة واحدةً الاسلام و جماعتهم ، و انها افترقت على عيسى ابن مريم علىٰ احدى و سبعين فرقة كلها ضالة الا فرقة واحدة الاسلام و جماعتهم ثم انهم يكونون على اثنين و سبعين فرقة كلها ضالة الا فرقة واحدة الاسلام و جماعتهم رواه الحاكم

کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آپؐ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ”تم ضرور اپنے سے پہلے والوں کے راستے پر چلو گے بعینہ جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے، بالشت با بالشت، حتّٰی کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ خبردار بنی اسرائیل موسٰی کے بعد اکہتّر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے۔ وہ

سب کے سب گمراہ ہوئے سوائے ایک فرقے کے (اہلِ) اسلام اور ان کی جماعت۔ اور عیسیٰ کے بعد (بھی) وہ اکہتّر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے۔ وہ بھی سب کے سب گمراہ ہوئے سوائے ایک فرقے کے (اہلِ) اسلام اور ان کی جماعت۔ پھر وہ ہو جائیں گے بہتّر (۷۲) فرقے۔ سب کے سب گمراہ سوائے ایک فرقے کے (اہلِ) اسلام اور ان کی جماعت“ (مستدرک حاکم ۴۵۶)۔

اول تو یہ حدیث کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کی وجہ سے ضعیف ہے اور دوم یہ کہ اس میں صرف بنی اسرائیل کا ذکر ہے امتِ مسلمہ کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ کی مندرجہ بالا دونوں روایات ضعیف ہیں۔

فرقہ بندی کی طرف عام علماء کا طرزِ عمل

تمام مسالک اور مکاتب فکر کے علماء اپنی تقریروں اور تحریروں میں فرقہ بندی کی مذمت تو بیان کرتے ہیں لیکن اس کو ختم کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں اور نہ وہ اس کو ختم کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے کو تیار ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ فرقہ بندی کو ختم کرنے کے لئے سنجیدہ ہی نہیں۔ اس لئے کہ فرقوں کے ختم ہوجانے سے ان کے رجواڑے اور چودھراہٹیں اور حلوے مانڈے ختم ہوجائیں گے جو ان کو کسی حالت میں قبول نہ ہوگا۔ اس لئے یہ فرقہ بندی کے خلاف صرف زبانی باتیں(lip service) کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان فرقوں کو ختم کرنا نہیں چاہتے۔

فرقہ بندی کی لعنت کس طرح ختم ہوسکتی ہے

فرقہ بندی کو ختم کرنے طرف پہلا قدم یہ ہے کہ فرقہ وارانہ ناموں کی قربانی دے کر تمام کلمہ گو حضرات صرف ایک نام اختیار کریں۔ وہ نام جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الحج:۷۸)

ترجمہ: اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمین پہلے سے اور اس (قرآن) میں

مسلمین کے صفاتی نام تو بہت سے ہیں مثلاً مومنین، صادقین، قانتین، صابرین، صائمین، متصدقین، خاشعین، محسنین، مجاہدین، عباداللہ، عبادالرحمٰن، اولیاءاللہ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کا ذاتی نام یا اسم علم ایک ہی ہے اور وہ ہے ''مسلمین''۔ لہٰذا مسلمین کے اتحاد و اتفاق کی ایک ہی صورت ہے کہ تمام کلمہ گو حضرات اپنے فرقے وارانہ نام چھوڑ کر اللہ کا دیا ہوا نام ''مسلم'' اختیار کریں۔

اپنے فرقہ وارانہ نام لوگوں نے خود ہی بنا لئے ہیں۔ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی برہان نہیں۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

اہلحدیث کے مشہور عالم حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں۔

'' سنو اللہ نے تمہارا نام مسلمان (مسلمین۔سلیمان) رکھا ہے۔اسی پیارے نام کو اپنے لئے موجب فخر جاننا کہ مسلمان کے نام میں صرف اللہ کی فرمانبرداری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ہاں ہاں یاد رکھنا تم مسلمان ہو''۔(سبیل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،ص ۲۰۴)۔

آگے لکھتے ہیں۔

''ہم درد دل سے سب فرقہ والوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ کے واسطے وہ ان سب فرقوں کو اسلام میں مدغم کردیں۔صرف مسلمان کہلائیں اور عمل کے لئے صرف سنت اور حدیث کو کافی جانیں،عبادت اللہ کی اور طریقہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔یہی مطلب ہے ''لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا۔ہم پڑھے لکھے دردمندانہ حضرات کی خدمت میں بڑے خلوص سے عرض کرتے ہیں کہ وہ خود کو صرف مسلمان جانیں اور عمل کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ (سنت اور حدیث) کو کافی جان کر فرقہ بندی کی زہریلی فضا سے باہر آجائیں''۔ (سبیل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،ص ۲۰۵۔۲۰۶)۔

فرقوں سے علیحدہ رہنے کا حکم

عن حُذیفة بن الیمانؓ قال کان النَّاسُ یسأَلون رسول اللّٰه ﷺ عن الخیر و کنت اسأله عن الشَّرِّمخا فة أن ید رکنی فقلت یارسول اللّٰه، اِنَّا کُنَّا فی جاهِلیّةٍ وَشرٍّفجاء نا اللّٰهبهذا الخیرِ فهل بعد هذا الخیرِ من شَرٍّ؟ قال "نَعَم" قلت وهل بعد ذلك الشّرّ من خیر؟ قال "نعم وفیه دَخَنٌ" قلت وَمَا دَخَنُه؟ قَالَ "قَوُمٌ [یستنون بغیر سنتی ویهتدون۔ مسلم] یهدون بغیر هدیِیُ تعرف منهم وتنکر" قلت فهل بعد ذلك الخیر من شرٍّ؟ قال "نعم ، دُعا ةٌ علی[الی]ابوابِ جهنَّم، من اجابهم الیها قذ فوه فیها" قلت یا رسول اللّٰه صفهم لنا، فقال "هم من جِلد تناویتکلّمون بالسِنَتِنَا" قلت فماتامرنی ان ادرکنی ذلك؟ قال "تلزم جماعة المسلمین وامامهم" قلت فان لهم یکن لهم جماعة ولاامام؟ قال "فاعتزل تلك الفرق کلّها ولوأن تَعَضَّ بأصل شجرةٍ حَتّٰی ید رکك الموتُ واَنتَ عَلٰی ذلك"۔ (متفق علیہ)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ ﷺ سے شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں شر مجھے نہ لگ جائے۔

میں نے کہا : یارسول اللہ ہم لوگ جاہلیت میں اور شر میں تھے تو اللہ نے ہم کو یہ خیر عطا فرمائی۔ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا : ''ہاں''۔

میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اور اس میں کدورت ہوگی۔''

میں نے پوچھا: اس کی کدورت کیا ہوگی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے لوگ ہوں گے جو میرے طریقے کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ تم ان کی کچھ باتوں کو اچھا سمجھو گے اور کچھ کو برا سمجھو گے۔''

میں نے پوچھا : کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ دوزخ کے دروازوں پر بلانے والے ہوں گے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا اس کو وہ جہنم میں

پھینک دیں گے''

میں نے کہا : یارسول اللہ ہمیں ان لوگوں کی صفات بتائیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا : ''وہ ہماری قوم کے لوگ ہوں گے اور ہماری زبان میں باتیں کریں گے''۔

میں نے کہا : اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا : ''تم مسلمین کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ رہنا''۔

میں نے پوچھا : اگر نہ ان کی جماعت ہو اور نہ امام ہو؟

آپ ﷺ نے فرمایا: 'پھر تم تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا خواہ تمہیں درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں حتٰی کہ اسی حالت میں تم کو موت آجائے''۔ (صحیح بخاری ۷۰۸۴، صحیح مسلم ۴۷۸۴)۔

باب چہارم
جماعت المسلمین

جماعت المسلمین کا احیاء

قرآن وحدیث کے مندرجہ بالا واضح اور صریح دلائل کی روشنی میں والد صاحب نے ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) میں تمام فرقوں سے مکمل علیحدگی اختیار فرمائی اور اپنے کو صرف مسلم کہلانا شروع کر دیا۔ چند اور لوگ بھی آپ کے ہم خیال بن گئے اور اس طرح ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی اور سب نے آپ ہی کو اپنا امیر منتخب کر لیا اور اس طرح جماعت المسلمین کا احیاء عمل میں آیا۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جماعت المسلمین کے احیاء کے وقت امت کی حالت زار

جماعت المسلمین کے احیاء کے وقت یعنی ۱۳۹۵ھ میں برصغیر میں امت کی جو حالت تھی ہم اس کا مختصر خاکہ ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

(۱) **تقلید اور فرقہ واریت:۔** فرقوں کا دور دورہ تھا، قرآن وحدیث پر براہ راست عمل کرنے کو اکثر حلقوں میں الحاد اور بے دینی تصور کیا جاتا تھا۔ ائمہ اور علماء کی تقلید عام تھی حتیٰ کہ وہ جماعت جو اپنے خود ساختہ نام پر نازاں اور قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی مدعی تھی تقلید میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اس جماعت کے افراد بھی کسی ایسی سچی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے جو انہوں نے پہلے سے نہ سن رکھی ہو، نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے جو بعض علماء کے غلط فتووں کی وجہ سے رواج پا گئی اور جس کی پشت پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل موجود نہ ہو یعنی غیر معروف سنتوں سے نفرت اور بدعات پر اڑے رہنا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ ان کی زبان پر بھی وہی الفاظ آنے لگے تھے جو مقلدین کا طرۂ امتیاز تھے۔ وہ بھی بعض کاموں کی دلیل میں یہ کہنے لگے تھے کہ بڑے بڑے علماء ایسا کرتے آئے ہیں۔

(۲) تسامح:۔ کسی اچھے کام کے ترک اور برے عمل کے ارتکاب کو کوئی وقعت نہیں دیتے تھے۔ جب کسی عمل کے لئے کہا جاتا تھا تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ معمولی معمولی باتوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ کیا اسلام انہی باتوں میں رہ گیا ہے۔ اگر اس کام کو نہیں کیا گیا تو کیا اسلام خطرے میں پڑ جائے گا؟ اگر اتفاق سے وہ کام اختلافی ہوا تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ فروعات میں الجھتے ہیں۔ اصل اسلام خطرے میں ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ فروعات میں الجھ کر پورے اسلام کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ مسلمانوں کو کام کرنے دو خواہ وہ اس کام کو کسی طرح بھی کریں۔ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے آپ نماز کے طریقے میں الجھ رہے ہیں۔ آپ کے اس رویہ کو لوگ تشدد پر محمول کرتے ہیں اور اسلام سے متنفر ہوتے ہیں۔ آپ بجائے اس کے کہ لوگوں کو اپنے قریب لائیں اپنے سے دور کر رہے ہیں۔

اگر کسی برے کام سے روکا گیا تو جواب ملا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ ہر کام کے سلسلہ میں یہی جواب ملتا رہا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ ''اس میں کیا حرج ہے'' کے مقولے سے برائیوں کا انبار لگتا چلا جا رہا تھا حتیٰ کہ شرک و بدعت کے جراثیم دل و دماغ میں پیوست ہوتے چلے جا رہے تھے اور وہ یہی کہے جا رہے تھے

کہ اس میں کیا حرج ہے۔

اس متساہلانہ رویہ کے مقابلے میں آپ ذرا دور صحابہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً۔

(۱) حضرت انسؓ تابعین سے فرماتے ہیں:۔

انکم لتعملون اعما لاًھی ادق فی اعینکم من الشعران کنا لنعدھا علی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الموبقات (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقیٰ من محقرات الذنوب، رقم ۶۴۹۲)۔

تم ایسے ایسے عمل کر گزرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں تو بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو ہلاک کر دینے والے گناہ سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری ۶۴۹۲)۔

(۳) ترک سنت:۔ اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ ترک سنت گناہ نہیں، سنت مثل نفل کے ہے مثلاً محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

''واضح ہو کہ سنت، نفل، مندوب، مستحب، مرغب فیہ، حسن یہ تمام الفاظ ہم معنیٰ اور مترادف ہیں جو عبادت نافلہ (غیر فرض) پر بولے جاتے ہیں''۔
(صلوٰۃ الرسول صفحہ ۲۴۶)۔

یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن تھا اور ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کالعدم ہو کر رہ گئے۔ ''سنتیں چھوڑی جا رہی تھیں اور یہ کہہ کر چھوڑی جا رہی تھیں کہ سنت ہی تو ہے، فرض تو نہیں۔'' اس طرح علی الاعلان سنت کا استخفاف ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (الاحزاب۔۲۱)

بے شک اللہ کے رسول (کی زندگی) میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ یہ اس کے لئے جو اللہ کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس کے لئے بھی جو اللہ کا ذکر بہت کرتا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ:۔

۱۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ زندگی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا جائے۔

۳۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی بہترین نمونہ سنت رسول ﷺ ہے۔ سنت رسول ﷺ کے خلاف ذکر الٰہی کرنا مفید نہیں ہوگا۔

آیت کا مطلب صاف ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے بعد ہی ایمان کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔

فرقہ وارانہ مذاہب کی وجہ سے اصل اسلام تو ویسے ہی رخصت ہو گیا تھا سونے پر سہاگہ یہ کہ لوگوں میں مندرجہ ذیل خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں:۔

۱۔ عموماً لوگ احساس کمتری کا شکار تھے۔ تقیہ جیسی کوئی چیز دلوں میں راسخ ہو گئی تھی۔ اپنے قول وفعل سے اپنا اور حق کا تعارف کرانے میں جھجک محسوس کرتے تھے۔ نقالی شیوہ بن چکی تھی۔ اسلامی چیز کو گھٹیا اور غیر اسلامی چیز کو بڑھیا سمجھنے لگے تھے۔ علم دین معدوم تھا۔ فرقہ وارانہ علماء اپنے فرقہ وارانہ مذہب کی وکالت میں اپنی زندگیاں صرف کر رہے تھے۔ حق و باطل میں تمیز اٹھتی چلی جا رہی تھی گویا حق و باطل میں سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ عملی قوتیں مفقود تھیں۔ لوگ بحث ومناظرے کے خوگر ہو گئے تھے۔ بانیان محفل اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں کی اصلاح کے لئے اہتمام کرتے تھے۔ تبلیغی خطبوں کی فیس مقرر ہو گئی تھی۔ تبلیغی جلسوں کی صدارت کے لئے بے دین لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ بدتہذیبی اور بدہیئتی عروج پر تھی۔ نماز میں بجائے دلکشی کے نفرت دلانے والی حرکات کا زور وشور تھا۔ خوش اخلاقی عنقا ہو گئی تھی۔ حکمت اور موعظہ حسنہ کا فقدان تھا۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا کسی کو گوارا

نہیں تھا۔جمود طاری تھا۔فعالیت ختم ہو چکی تھی ۔غیروں کی قیادت وسیادت کو قابل
فخر سمجھا جا رہا تھا۔وطن پرستی،صوبہ واریت وغیرہ کے جراثیم دلوں میں داخل ہو چکے
تھے۔دین کے بجائے وطن پر فخر کیا جاتا تھا۔فتنہ انکار حدیث اور فتنہ انکار ختم نبوت
کے جراثیم آئندہ نسلوں کے قلوب میں جڑ پکڑ رہے تھے۔ اولاد کی طرف سے
تغافل برتا جا رہا تھا۔زکوٰۃ اور صدقات کا نظام انفرادی اور افادیت سے یکسر خالی
تھا۔روپیہ کو انفرادی طور پر خرچ کر کے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دے رہے تھے۔
فرائض کو چھوڑ کر نفلی حج اور نفلی قربانیوں پر کثیر رقمیں صرف ہو رہی تھیں۔خدمت خلق
نمائشی اور سیاسی بن کر رہ گئی تھی۔ خدمت خلق کو تبلیغ کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔
اسلام کے دشمنوں اور نادان دوستوں کے خود ساختہ تاریخی واقعات کو صحیح سمجھ کر
صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔من گھڑت افسانوں کو تاریخی
حقائق کا نام دے دیا گیا تھا۔قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر کے تاریخ
کے جعلی واقعات کی بنیاد پر رفض کے جراثیم پرورش پا رہے تھے۔

الغرض ان حالات میں جماعت المسلمین نے اصل اسلام کو برپا کرنے کا
بیڑا اٹھایا اور ان تمام برائیوں کے سد باب کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔

(ماخوذ از پمفلٹ ''اصلاح امت اور جماعت المسلمین'')

ابتدائی دور

جماعت کے ایک صاحب تھے اکرام الدین صاحب جو ریڈیو پاکستان،
بندر روڈ کے مقابل ایک گلی میں رہتے تھے۔ان کے مکان پر جمعہ کی نماز شروع کی
گئی۔شروع میں صرف چند لوگ تھے۔لیکن اول تو جماعت کی دعوت انتہائی مؤثر
اور دل کو لگنے والی تھی، دلائل بہت محکم تھے، پھر والد صاحبؒ کی شخصیت اتنی کرشماتی
اور دل آویز تھی اور آپ کا اخلاق و کردار اتنا اعلیٰ تھا کہ لوگ جوق در جوق جماعت
میں شامل ہونے لگے اور جماعت کے افراد کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔بہت
جلد اکرام الدین صاحب کا مکان چھوٹا پڑ گیا۔لہٰذا جمعہ کی نماز فیڈرل بی ایریا
بلاک ۶ میں مقصود حسین صاحب کے بنگلے میں ہونے لگی۔تھوڑے ہی عرصہ میں یہ
جگہ بھی چھوٹی پڑ گئی۔اسی دوران اوڈ قبیلے کے کچھ افراد جماعت میں شامل ہوئے
اور انہوں نے اپنی مسجد جماعت کے حوالے کر دی۔ یہ مسجد نارتھ ناظم آباد کے
علاقے کوثر نیازی کالونی میں تھی۔ یہ مسجد بہت چھوٹی اور کچی تھی۔اس کی چھت
چھپر کی تھی۔اس میں صرف دو یا تین چھوٹی چھوٹی صفوں کی گنجائش کی تھی۔جماعت

نے اس مسجد کے اردگرد زمین خرید کر مسجد میں توسیع کی ۔ پہلے یہ مسجد صرف ایک منزلہ تھی ۔ پھر اس میں اوپر کی منزل تعمیر کی گئی ۔ یہ توسیع و تعمیر رفتہ رفتہ ہوئی اور اس طرح اس مسجد کی گنجائش میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

بعد میں جماعت کے لئے ملیر میں بہت بڑی جگہ خریدی گئی اور جماعت کا مرکز وہاں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بہت بڑی مسجد تعمیر کی گئی ۔ جماعت کا دفتر اور مدرسہ قائم کیا گیا اور رہائشی مکانات تعمیر کئے گئے ۔

اب ماشاءاللہ کراچی میں جماعت کی کئی مساجد ہیں اور کراچی کے علاوہ پاکستان کے دیگر شہروں میں اور پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جماعت کی مساجد ہیں۔اور جماعت کی دعوت ماشاءاللہ تیزی سے مقبول ہو رہی ہے۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

جماعت المسلمین کی دعوت

جماعت المسلمین کے تعارف اور جماعت کی دعوت کو مندرجہ ذیل خاکے میں مختصر طور پر پیش کیا گیا:

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی	اللہ تبارک وتعالیٰ	اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی	محمد رسول اللہ ﷺ	فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی	اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی	اللہ کا رکھا ہوا نام مسلمین	فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی	اللہ تعالیٰ سے تعلق	دنیوی تعلقات نہیں
وجہ افتخار	صرف ایک	یعنی	ایمان باللہ العظیم	وطن اور زبان نہیں

جماعت المسلمین کی دعوت پر اعتراضات

پہلا اعتراض

جماعت المسلمین کی دعوت بڑی جامع ہے اور اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے اپنی نادانی کی وجہ سے یا ہٹ دھرمی اور بدنیتی کی وجہ سے ''وجہ افتخار'' پر اعتراض کیا اور کہا کہ فخر کرنا اچھی بات نہیں۔ یہ محض اعتراض برائے اعتراض تھا۔ ورنہ ایمان تو وہ دولت ہے جس پر جتنا زیادہ فخر کیا جائے کم ہے۔ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ دنیاوی دولت اور مرتبے پر فخر کرنا یقیناً ناپسندیدہ ہے لیکن دینی امور پر فخر کرنا کوئی بری بات نہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے۔

(۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر [بکم] الانبیاء یوم القیامۃ۔

رواہ احمد وابن حبان وصححہ الحافظ (فتح الباری ج۹،ص۱۳)

محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو۔ بے شک میں قیامت کے دن تمہاری کثرتِ تعداد پر فخر کروں گا۔ (مسند امام احمدؒ

۱۲۲۰۲، ابن حبان ۴۰۲۸)۔ اسے حافظ ابن حجرؒ نے صحیح کہا۔ (فتح الباری)۔

(۲) اسی کے مثل حضرت معقل بن یسارؓ سے ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم میں مروی ہے۔ اسے امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔ (ابوداؤد ۲۰۵۰، نسائی ۳۲۲۹، ابن حبان ۴۰۵۶، حاکم ۲۷۳۲)۔

(۳) ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انکحوا فانی مکاثر بکم (ابن ماجہ ۱۸۶۳)۔

(۴) ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ دوسری ازواجِ مطہراتؓ پر فخر کیا کرتی تھیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کانت زینب تفخر علیٰ ا زواج النبیِّ ﷺ تقول زوّجکنّ اھالیکنّ وزوّجنی اللّٰہ تعالیٰ من فوق سبع سمٰوٰتٍ (رواہ البخاری)

حضرت زینبؓ نبی ﷺ کی بیویوں پر فخر کیا کرتی تھیں۔ وہ (دوسری بیویوں سے) فرماتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا جبکہ میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیا ۔ (صحیح بخاری:۷۴۲۰)۔

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں

اِنَّ من نِعَمِ اللّٰہِ عَلَیَّ اَنَّ رسول اللّٰہِ ﷺ تُوُفِّی فی بیتی وفی

یومی (نوبتی) وبین سحری ونحری وانّ اللّٰہ جمع بین ریقی وریقہٖ عند موتہٖ [فی آخریوم من الدنیا واَوَّل یوم من الآخرة] رواہ البخاری

بے شک مجھ پر اللہ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات میرے گھر میں، میری باری کے دن اور میری گود میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے ہوئی اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت جب دنیا میں آپ ﷺ کا آخری دن تھا اور آخرت کا پہلا دن تھا اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعابِ دہن کو ملا دیا۔ (صحیح بخاری ۴۴۴۹ و۴۴۵۱)۔

(۶) صحیحین کی روایت ہے کہ عید کے دن حبشی لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہو کر ان کے کھیل دیکھ رہی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

ولہ (ای للنسائی) من روایة ابی سلمة عنہا "قلت یارسول اللّٰہ لاتعجل فقام لی ثم قال حسبك؟ قلت لاتعجل، قالت ومابی حب النظرالیهم ولكن احببت ان يبلغ النساء مقامه لی ومكانی منه" (فتح الباری، ج ٢، ص٥١٦)

نسائی میں ہے کہ جب تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ

صدیقہؓ سے پوچھا کہ کیا اب تمہارا جی سیر ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''جلدی نہ کیجئے''۔ آپؐ پھر میرے لئے کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آپ ﷺ نے پھر پوچھا ''بس؟'' حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پھر فرمایا ''جلدی نہ کیجئے''۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ''مجھے حبشیوں کے کھیل دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ عورتوں (دوسری بیویوں) کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ میری خاطر (اتنی دیر) کھڑے رہے اور آپ ﷺ کے نزدیک جو میرا مرتبہ و مقام ہے اس کی ان کو خبر ہو'' (فتح الباری ج۲، ص۵۱۶)

حافظ ابن حجرؒ مزید لکھتے ہیں:

قولها "احببت أن يبلغ النساء مقامه لی" مشعر بأن ذلك وقع بعدأن صارت لهاضرائر ا رادت الفخرعليهن

یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ فرمانا کہ ''میں چاہتی تھی کہ دوسری بیویوں تک رسول اللہ ﷺ کے میرے لئے اتنی دیر کھڑا رہنے کی خبر پہنچے'' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سوکنیں تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ان پر فخر کرنا چاہتی تھیں (فتح الباری ج۲، ص۵۱۶)

(۷) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

أخرج النسائی فی التفسیرمن طریق أبی اسحق عن نصربن حزن قال "افتخر أهل الابل والشاء فقال النَّبیُّ ﷺ بعث موسیٰ وهوراعی غنم" الحدیث ورجال اسناده ثقات (فتح الباری ج٦، ص ٥٠٦)۔

یعنی اونٹ والوں اور بکری والوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا جب موسیٰ کو مبعوث کیا گیا اس وقت وہ بکریاں چراتے تھے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں (فتح الباری، ج ٦، ص ٥٠٦)۔

(٨) قتادہ کہتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید کس نے جمع کیا تھا۔انہوں نے فرمایا چار لوگوں نے وہ سب کے سب انصار سے تھے۔ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ (صحیح بخاری ۵۰۰۳ و صحیح مسلم ۶۳۴۱)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

فی روایة الطبری من طریق سعید بن ابی عروبة عن قتادة فی اول الحدیث "افتخر الحیان الاوس والخزرج فقال الاوس منا اربعة: من اهتزله العرش سعد بن معاذ ومن عدلت شهادته شهادة رجلین

خزیمة بن ثابت ومن غسلته الملائکة حنظلة بن ابی عامر ومن حمته الدبر عاصم بن ثابت فقال الخزرج منا اربعة جمعو القرآن لم یجمعه غیرهم فذکرهم" (فتح الباری، ج٨، ص٦٦٨)

طبری میں اس حدیث کے شروع میں ہے کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں نے فخر کیا۔اوس والوں نے کہا ہم میں چار اشخاص (بڑی فضیلت والے) ہیں۔

(١) سعد بن معاذؓ: جن کی موت پر عرش ہلا۔

(٢) خزیمہ بن ثابتؓ: جن کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی گئی۔

(٣) حنظلہ بن ابی عامرؓ: جن کو فرشتوں نے غسل دیا۔

(۴) عاصم بن ثابتؓ: جن کی حفاظت شہد کی مکھیوں نے کی۔

قبیلہ خزرج والوں نے کہا ہم میں چار ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ان کے علاوہ کسی نے جمع نہیں کیا پھر انہوں نے ان چار آدمیوں کے نام لئے: ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ۔ (فتح الباری، ج٨،ص٦٦٨)

(٩) حضرت معن بن یزیدؓ فرماتے ہیں:

بایعت رسول اللّٰہ ﷺ اناوابی وجدی ... رواه البخاری

میں نے، میرے والد نے اور میرے دادا نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی (صحیح بخاری ۱۴۲۲)

تین پشتوں کا صحابیٔ رسول ہونا بہت بڑی فضیلت ہے جو حضرت معنؓ کے علاوہ (غالبًا) صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہے۔ اور حضرت معنؓ اسی فضیلت کا اظہار کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: فیه جواز الافتخا ر بالموا هب الربانية و التحدث بنعم الله

یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر فخر کرنے کا جواز اور اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنے کا جواز نکلتا ہے۔ (فتح الباری، ج ۳، ص ۳۴۳)

(۱۰) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

وافقت ربی فی ثلاثٍ، قلت یا رسول اللّٰه لو اتَّخذنا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلّی فنزلت "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط" [البقرة: ۱۲۵] وآية الحجاب، قلتُ یا رسول اللّٰه لوأ مرتَ نِسَاءَ كَ اَن يحتجبنَ فانه يكلمهنَّ البَرُّ وَالفاجر فنزلت آيةُ الحجاب وَاجتمع نساء النَّبِی ﷺ فی الغیرةعلیه فقلت لهنَّ عَسٰی رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ فنزلت هٰذِهِ الْآيَةُ (رواه البخاری)

تین باتوں میں مجھے اپنے رب کی موافقت کا شرف حاصل ہے۔ میں نے کہا تھا یا رسول اللہ کاش ہم مقام ابراہیم کو مصلی بنالیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط [البقرة:۱۲۵] اور میں نے کہا تھا یا رسول اللہ آپ کی بیویوں سے نیک اور بد ہر قسم کے لوگ بات کرتے ہیں تو اگر آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں (تو بہتر ہوگا) اس پر پردے کی آیت نازل ہوئی (الاحزاب:۵۳) اور رسول اللہ ﷺ کی بیویاں جب غیرت کے نام پر اکٹھی ہوئیں تو میں نے ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ تم کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا پس (سورۃ التحریم کی آیت ۵) اسی طرح نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ۴۰۲)۔

صحیح مسلم کی روایت میں جنگِ بدر کے قیدیوں کی رہائی کا بھی ذکر ہے ۔ یعنی حضرت عمرؓ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کی مخالفت کی تھی۔ اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کی آیت ۶۸ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ نازل فرمائی۔ (صحیح مسلم ۶۲۰۶)۔

(۱۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

[واللہ] انی لاول العرب رمی بسھم فی سبیل اللہ

اللہ کی قسم! میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا

(صحیح بخاری ۳۷۲۸، صحیح مسلم ۷۴۳۳)۔

(۱۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی فرماتے ہیں:

جمع لی رسول اللہ ﷺ یوم احد ا بویه کلا هما یرید حین قال "فداك أبی و أمی" وهو یقاتل (متفق علیه)

غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے اپنے والدین کو دونوں کو جمع کیا۔(یعنی جب وہ لڑائی میں بہادری سے لڑ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے تو) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''میرا باپ اور میری ماں تم پر فدا ہوں'' (صحیح بخاری ۴۰۵۷، صحیح مسلم ۶۲۳۵)۔

(۱۳) حضرت زبیر بن عوامؓ بھی فرماتے ہیں:

جمع لی رسول اللہ ﷺ بین ابویه فقال " فداك أبی و أمی" (متفق علیه)

رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے اپنے والدین کو جمع فرمایا۔آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''میرے ماں باپ تم پر قربان'' (صحیح بخاری ۳۷۲۰، صحیح

مسلم ۶۲۴۵)۔

مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ دینی امور پر فخر کرنا جائز ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو حکم دیتا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۱۱) اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بندۂ مومن کے لئے ایمان سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

جماعت کی دعوت پر دوسرا اعتراض

جماعت کی دعوت پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ ہمارا نام صرف ایک ہے۔ کیونکہ ''مسلم'' کے علاوہ بھی ہمارے بہت سے نام ثابت ہیں۔ نام کے متعلق آگے باب چہارم میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے۔ یہاں مختصراً اتنا عرض ہے کہ اس کے دو جواب ہیں۔

(۱) ہمارا ذاتی نام صرف ایک ہے اور وہ ہے ''مسلم''۔ دوسرے نام صفاتی نام ہیں۔

(۲) صرف مسلم نام ایسا ہے جس کا اطلاق پوری امت پر ہوتا ہے۔ دوسرے ناموں کا اطلاق پوری امت پر نہیں ہو سکتا بلکہ امت کے صرف کچھ

طبقات پر ہوسکتا ہے۔مثلاً ’’مجاہدین‘‘ کے نام کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہوسکتا ہے جو جہاد میں مصروف ہیں۔قاعدین پر نہیں۔’’صائمین‘‘ کے نام کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہوسکتا ہے جو روزے رکھنے والے ہوں۔جو لوگ کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتے ان پر اس نام کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔’’مہاجرین‘‘ کے نام کا اطلاق صرف ان پر ہوگا جنہوں نے ہجرت کی،انصار پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ امت کی وحدت اور یکجہتی کے لئے پوری امت کا ایک نام ہونا ضروری ہے۔اگر ایک سے زیادہ نام ہوں گے تو امت انتشار، افتراق اور اختلاف کا شکار ہوجائے گی۔اس کی وحدت پارہ پارہ ہوجائے گی اور امت کمزور ہوجائے گی۔

رہ گئے دوسرے نام مثلاً صالحین، صابرین، قانتین، صادقین، خاشعین، وغیرہ وغیرہ تو یہ نام اس لئے بھی نہیں رکھے جاسکتے کہ ان ناموں میں تعلّی پائی جاتی ہے۔

الغرض سب سے اچھا نام وہی ہے جو اللہ نے ہمارا رکھا ہے یعنی ’’مسلمین‘‘۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ

يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب ٣٦)۔

جماعت المسلمین کی مخالفت

جماعت المسلمین کے احیاء کے ساتھ ساتھ ہی فرقوں کی طرف سے اس کی بھرپور مخالفت شروع کردی گئی۔کچھ لوگوں نے تو جماعت سے باہر ہی رہتے ہوئے جماعت کی مخالفت کی اور کچھ لوگ جماعت میں شامل ہوگئے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس نیت سے جماعت میں شامل ہوئے تھے لیکن جب ان کو جماعت میں شامل ہونے کے بعد کوئی ذاتی مفادات حاصل نہ ہوئے تو وہ جماعت چھوڑ گئے اور جماعت کی مخالفت کرنے لگے۔کچھ لوگ اس وجہ سے جماعت چھوڑ گئے کہ ان کی رائے کو یا ان کے مشوروں کو کیوں نہ مانا گیا۔ان لوگوں کی جماعت چھوڑنے کی وجوہات دراصل ذاتی نوعیت کی تھیں لیکن انہوں نے ان کو دینی رنگ دینے کی کوشش کی اور جماعت کے خلاف زبانی اور تحریری پروپیگنڈا شروع کردیا۔

جماعت المسلمین کی مخالفت ویسے تو دوسرے فرقوں نے بھی کی لیکن

اہلحدیث حضرات اس مخالفت میں پیش پیش تھے۔اس کی دو وجوہ سمجھ میں آتی ہیں۔

اول تو یہ کہ والد صاحب پہلے اہلحدیث تھے اور جماعت المسلمین میں اول اول شامل ہونے والوں میں اکثر لوگ جماعت اہلحدیث چھوڑ کر آئے تھے۔

دوم یہ کہ اب تک اہلحدیث اپنے علاوہ دیگر فرقوں کو خیر القرون کے بعد کی پیداوار کہتے تھے اور اپنے متعلق یہ دعوی کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہیں۔قرآن وحدیث کا علم ہمارے ہی پاس ہے۔قرآن وحدیث پر ہمارا ہی عمل ہے اور ہم اپنے ہر عمل کی دلیل قرآن وحدیث سے پیش کرتے ہیں۔ حق صرف ہمارے ہی پاس ہے اور ہم ہی اس طریق پر ہیں جس پر صحابہٴ کرامؓ تھے۔اب یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے ان کی حیثیت کو چیلنج کیا تھا۔ان کے دعوے کی پول کھول دی تھی۔ان کا بھرم توڑ دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ دیگر مسائل تو دور کی بات ہے پہلے تم اپنے نام کا ثبوت تو کتاب وسنت سے پیش کردو۔بس یہی ان کی جھنجلاہٹ اور مخالفت کا سبب تھا اور ہے۔

فرقہ اہلحدیث کا نام

اہلحدیث اپنے نام کا ثبوت کتاب وسنت سے کیسے پیش کرتے۔

کتاب وسنت میں کہیں اس نام کا وجود ہی نہیں۔ بڑی تلاش کے بعد خطیب بغدادی کی کتاب ''شرفِ اصحاب الحدیث'' سے حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول پیش کر سکے۔لیکن اول تو صحابی کا قول خود ان کے نزدیک حجت نہیں۔دوم یہ کہ یہ قول بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔اس میں ایک راوی ابو ہارون العبدی ہے جسے امام بخاریؒ نے کذاب کہا ہے اور امام احمدؒ نے متروک کہا ہے۔پس یہ روایت موضوع ہے۔تفصیل اس کی آگے آرہی ہے۔بھلا جس فرقے کی بنیاد ہی قرآن وحدیث پر نہیں بلکہ ایک اثر پر ہو اور اثر بھی ایسا جو موضوع ہو اس فرقے کے منہ سے حقانیت کا دعوی کہاں تک زیب دیتا ہے؟

چاہئے تو یہ تھا کہ جیسے والد صاحب نے کتاب وسنت سے جماعت المسلمین کے واضح اور صریح ثبوت پیش کئے تھے مثلاً

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ O (الحج ۷۸)

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ (صحیحین)

اسی طرح وہ بھی جماعت اہلحدیث کا واضح اور صریح ثبوت پیش کرتے کہ " هُوَ سَمّٰكُمُ اَهْلَ الْحَدِيْثَ"۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور اس کے بجائے لمبی چوڑی باتیں کرنے لگے کہ:

(۱) یہ نام دوسرے فرقوں سے امتیاز کے لئے رکھا ہے۔

(۲) یہ نام کسی شخصیت کے نام پر نہیں۔

(۳) قرآن مجید میں قرآن کو بھی حدیث کہا گیا ہے اور یہ اہلحدیث نام کا ثبوت ہے۔

لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ نام رکھا کس نے ہے اور کب رکھا تو ان سوالوں کا جواب ان کے پاس نہ پہلے تھا نہ اب ہے ۔

اہلحدیث حضرات اپنے متعلق مختلف دعوے کرتے ہیں۔

(۱) کبھی کہتے ہیں اہلحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہیں۔

(۲) کبھی کہتے ہیں صحابہ کرامؓ بھی اہلحدیث تھے۔

(۳) کبھی کہتے ہیں ہمارا نام قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

(۴) کبھی کہتے ہیں کہ "طائفہ منصورہ" سے مراد اہلحدیث ہیں۔

(۵) کبھی کہتے ہیں یہ ہمارا صفاتی نام ہے۔

(۶) کبھی کہتے ہیں یہ نام ہم نے دوسرے فرقوں سے امتیاز کے لئے رکھا ہے۔

(۷) کبھی کہتے ہیں یہ نام بہت اچھا اور جامع ہے کہ قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہے کیونکہ قرآن مجید میں قرآن مجید کو بھی حدیث کہا گیا ہے۔

اہلحدیث کے ان دعووں کا جائزہ ہم اگلے باب میں لیں گے۔ ان شاءاللہ۔

جماعت المسلمین کا ثبوت احادیث سے

علامہ محمد یوسف کلکتوی اہلحدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ بہت اچھے مقرر اور حاضر جواب اور بہت اچھے مناظر تھے۔ جب وہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی کے صدر تھے اس وقت والد صاحب مجلس عاملہ کے رکن تھے اور والد صاحب کے علامہ صاحب سے بہت اچھے مراسم تھے۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ "مسلمین" کا نام تو ثابت ہے لیکن مرکب اضافی "جماعت المسلمین" کا کوئی ثبوت نہیں۔ اتنے بڑے عالم اور مناظر کی طرف سے ایسا بچکانہ اعتراض انتہائی حیرت انگیز تھا۔ بہر حال ان کے جواب میں والد صاحب نے صحیحین کی مندرجہ

ذیل احادیث سے مرکب اضافی ''جماعت المسلمین'' کا ثبوت پیش فرمایا۔

(۱) تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ (صحیح بخاری ۳۶۰۶، صحیح مسلم ۴۷۸۴)۔

(۲) فَيَشْهَدُنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ (صحیح بخاری، رقم ۳۵۱)۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ان احادیث کی روشنی میں جماعت المسلمین کی مخالفت ختم کر دی جاتی لیکن اے بسا آرزو کہ.............

مندرجہ بالا احادیث صحیحین کی اور صحت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی متعدد احادیث موجود ہیں جن سے جماعت المسلمین کا ثبوت ملتا ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

(۱) عن جبیربن مطعمؓ انه شهد خطبة رسول الله صلى الله عليه و سلم فی یوم عرفة فی حجة الوداع " ایها الناس انی والله لا ادری لعلی لا القاکم بعد یومی هذا بمکانی هذا، فرحم الله من سمع مقالتی الیوم فوعاها، فربَّ حاملِ فقه الی من هو افقه منه، واعلموا ان اموالکم و دماء کم حرام علیکم کحرمة هذالیوم ، فی هذا الشهر، فی هذا البلد، و اعلموا ان القلوب لا تغلُّ علی ثلاث: اخلاص العلم لله، و مناصحة اولی الامر و علی لزوم جماعة المسلمین فان دعوتهم تحیط من وراء

هم رواه الدارمی (۲۲۷)۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن جو خطبہ دیا اس میں میں حاضر تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا اے لوگو، اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میں آج کے بعد اس جگہ تم سے مل سکوں گا یا نہیں۔ پس اللہ رحم فرمائے اس شخص پر جو آج میری باتیں سنے اور ان کو یاد رکھے (پھر ان کو دوسروں تک پہنچائے) اس لئے کہ بسا اوقات کوئی شخص کوئی حکمت کی بات اپنے سے زیادہ فقیہ شخص کو پہنچا دیتا ہے۔ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہارے خون تم پر (ایک دوسرے پر) اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن، اس مہینے میں اور اس شہر میں حرام ہیں۔ اور یہ بھی جان لو کہ (مومنین کے) دل تین باتوں میں خیانت نہیں کرتے۔ علم خالص اللہ کے لئے، اولی الامر کی خیر خواہی اور جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا (سنن دارمی، رقم ۲۲۷)۔

ضروری تنبیہ: یہ روایت مسند امام احمد (۱۶۲۹۶) اور ابن ماجہ (۳۰۵۶) میں بھی ہے لیکن مسند احمد اور ابن ماجہ کی سند میں محمد بن اسحٰق مدلس ہیں اور انہوں نے اسے امام زہریؒ سے ''عن'' سے روایت کیا ہے۔ لیکن مستدرک حاکم میں محمد بن اسحٰق نے اسے عمرو بن ابی عمرو سے روایت کیا ہے اور ان سے اپنے سماع

کی صراحت کی ہے۔ (مستدرک حاکم، رقم ۳۰۳)۔

مزید یہ کہ دارمی کی روایت جو ہم نے اوپر نقل کی اس میں یہ راوی (یعنی محمد بن اسحٰق) نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اس حدیث کی ایک سند اور بھی ہے۔حافظ منذریؒ لکھتے ہیں ۔

و له عند احمد طريق عن صالح بن كيسان عن الزهرى و اسناد هذه حسن۔(الترغيب و الترهيب، رقم ١٥٣)۔

اس حدیث کی ایک سند مسند امام احمد میں صالح بن کیسان عن الزہری سے روایت ہے اور یہ سند حسن ہے۔(الترغیب والترہیب، رقم ۱۵۳)۔یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے۔(مستدرک حاکم، رقم ۳۰۱)۔

(٢) عن النعمان بن بشيرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ثلاث لا يغل عليهن قلب مؤمن : اخلاص العمل لله و مناصحة ولاة الامر و لزوم جماعة المسلمين رواه الحاكم (٣٠٤)۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تین چیزیں ہیں جن پر مومن کا دل خیانت نہیں کرتا۔عمل خالص اللہ کے

لئے کرنا، اولی الامر کی خیر خواہی کرنا اور جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔(حاکم) یہ حدیث صحیح ہے۔

امام حاکمؒ لکھتے ہیں۔

و فى الباب عن جماعة من الصحابة منهم عمرو عثمان و على و عبد الله بن مسعود و معاذ بن جبل و ابن عمر و ابن عباس و ابى هريرة و انس وغيرهم عدة و حديث النعمان بن بشير من شرط الصحيح

اس بارے میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ وغیرہ شامل ہیں اور حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم)۔ان اصحابؓ کے علاوہ یہ حدیث حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی مروی ہے۔

یہ حدیث طبرانی کبیر میں بھی ہے لیکن طبرانی کی سند میں ایک راوی عیسی الخیاط ہے جو متروک الحدیث ہے۔(مجمع الزوائد، ج۱، رقم ۵۸۶)۔

(٣)عن ابی امامةؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم اوصی الخلیفة من بعدی بتقوی اللّٰه و اوصیه بجماعة المسلمین ان یعظّم کبیرھم و یرحم صغیرھم و یوقر عالمھم و ان لا یضربھم فیذلھم و لا یوحشھم فیکفرھم و ان لا یغلق بابه دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم رواه البیھقی و صححه السیوطی (فیض القدیر، رقم ٢٧٨٧)۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اللہ کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں اور اسے جماعت المسلمین کے متعلق بھی وصیت کرتا ہوں کہ جماعت کے جو بڑے ہیں ان کی عزت کرے، ان کے چھوٹوں پر رحم کرے، ان کے عالم کا احترام کرے، ان کو اس طرح نہ مارے جس سے ان کی تذلیل ہو، ان کو اپنے سے دور نہ کر کے انہیں ناشکری پر آمادہ نہ کرے، اور اپنے دروازے ان پر بند نہ کرے کہ ان میں جو طاقتور لوگ ہیں وہ ان کے کمزوروں کو کھا جائیں یعنی ان کی حق تلفی کریں۔ (بیہقی)۔ اسے حافظ سیوطی نے صحیح کہا ہے (فیض القدیر ٢٧٨٧)۔

مخالفین کا ایک اور نقطۂ نظر

اہلحدیث میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے علم میں صرف وہ احادیث

تھیں جن میں صرف ''جماعت'' کا لفظ تھا۔ اس بناء پر انہوں نے اعتراض داغ دیا کہ احادیث سے صرف جماعت کا لفظ ثابت ہے۔ ''جماعت المسلمین'' کے الفاظ یا ''جماعت المسلمین'' کی ترکیب ثابت نہیں۔ ان کے اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے ہم وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن میں صرف جماعت کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(١) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من فارق الجماعة شبرًا فمات الامات میتة جاھلیة (متفق علیه)۔

جس نے جماعت کو ایک بالشت برابر بھی چھوڑا پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا (صحیح بخاری ٧٠٥٤، صحیح مسلم ٤٧٩١)۔

(٢) حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ (صحیح مسلم ٤٧٨٦)۔

(٣) حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علیکم بالجماعة ... من أراد بُحبُوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطان مع الواحد و ھو من الاثنین ابعد رواه أحمد والترمذی و حبان والحاکم و صححه الترمذی والحاکم والذھبی)

جماعت کولازم پکڑو... جو وسطِ جنت کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ جماعت سے چمٹا رہے۔ (مسند امام احمدؒ رقم ۱۱۵، ترمذی ۲۱۶۵، ابن حبان ۴۵۷۶، حاکم ۳۹۵)۔اسے امام ترمذیؒ، امام حاکمؒ اور حافظ ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے۔

(۴) حضرت حارث اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من فارق الجماعة [خرج من الجماعة] قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقهٖ الا ان يرجع رواه أحمد والترمذی وابو داود وابن خزيمة وابن حبان والحاكم والطبرانی فی الكبير وابويعلىٰ وسنده صحيح وحسنه العراقی و قال الهيثمی رجاله ثقات رجال الصحيح ۔

جو جماعت سے بالشت بھر باہر نکلا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا۔ (مسند امام احمدؒ رقم ۱۶۷۱۸، ترمذی ۲۸۶۳، ابوداود ۴۷۵۸، ابن خزیمہ ۹۳۰، ابن حبان ۶۲۳۳، حاکم ۴۱۲ و ابویعلی ۱۵۷۲۔ مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۹۰۹۴، نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۷۱)۔

(۵) حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فعليك بالجماعة فانما ياكل الذئب القاصية رواه ابوداؤد و

النسائی و سنده صحيح (منهاج ص ١٦٢)۔ جماعت کو لازم پکڑو۔ اس لئے کہ اکیلی بھیڑ بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، ۵۴۷، نسائی ۸۴۸)۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (منہاج المسلمین ص ۱۶۲)۔

(۶) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان هذه الملة [الامة] ستفترق علىٰ ثلاث وسبعين، ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة وهی الجماعة رواه أحمد وابوداؤد والدارمی والحاكم عن معاويةؓ وصححه الحاكم ووافقه الذهبی وقال الحافظ فی تخريج الكشا ف اسناده حسن وقال شيخ الاسلام ابن تيميةؒ هو حديث صحيح مشهور وصححه أيضاالشاطبی (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم ٢٠٤)۔ بے شک یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ۷۲ دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ جماعت ہوگی۔ (مسند امام احمدؒ ۱۶۴۹۰، ابوداؤد ۴۵۹۷، دارمی ۲۵۱، حاکم ۴۵۴)۔

(۷) حضرت انسؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔(مسند امام احمد ۱۲۰۷۰، ابن ماجہ ۳۹۹۳)۔

جماعت سے مراد جماعت المسلمین ہی ہے

یہ اعتراض کہ احادیث میں ''جماعت'' کا لفظ ہے ''جماعت المسلمین'' کے الفاظ نہیں ایک انتہائی بودا اور بچکانہ اعتراض ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ''جماعت المسلمین'' کے الفاظ صحیحین کی احادیث سے ثابت ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیں، یہ تو ایک عام فہم (common sense) کی بات ہے کہ جب ایک ناجی جماعت کا ذکر ہوگا تو ''جماعت'' سے صرف اور صرف ''جماعت المسلمین'' ہی مراد ہو سکتی ہے۔ جماعت الکافرین، جماعت المشرکین، جماعت المنافقین، جماعت الملحدین وغیرہ ہرگز مراد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جماعت کے ساتھ مسلمین کا لفظ بولا جائے یا نہ بولا جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف جماعت کہا جائے یا جماعت المسلمین کہا جائے بات ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ناجی جماعت سے مراد جماعت المسلمین ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی جماعت ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ یہ صرف اعتراض برائے اعتراض ہی تھا اور اس کا جواب صحیحین کی ان احادیث میں موجود ہے جو ہم نے اوپر نقل

کیں (صحیح بخاری ۳۴۵۱ و ۳۶۰۶، صحیح مسلم ۴۷۸۴)۔ لیکن جن حضرات کی تسلی صحیح احادیث سے نہیں ہوتی ان کی تسلی کے لئے ہم اقوال الرجال بھی نقل کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

والمراد بالجماعة جماعة المسلمين۔

جماعت سے مراد جماعت المسلمین ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۲۱۰، کتاب الدیات)۔

طبری کہتے ہیں

ان الجماعة جماعة المسلمين اذا اجتمعوا على امير

بے شک جماعت، جماعت المسلمین ہی ہے جب مسلمین ایک امیر پر جمع ہو جائیں (الاعتصام للشاطبی ص ۴۴۸)۔

جماعت بنانا

بعض لوگ اپنے زعم میں بڑی دور کی کوڑی لائے۔ انہوں نے کہا کہ جماعت بنانے کا حکم تو کہیں نہیں پھر آپ نے جماعت کیوں بنائی۔ ایسی بات وہی

شخص کہہ سکتا ہے جس کو نہ قرآن مجید کا علم ہو نہ حدیث کا۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا (آلِ عمران ۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو

جب سب مل گئے تو جماعت تو بن گئی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یحِلُّ لثلا ثة نفریکونون با رض فلا ةٍ اِلَّا اَمَّرُوا علیهم احدهم (رواه أحمد) کسی سنسان سرزمین میں تین آدمی بھی ہوں تو ان کے لئے حلال نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو اپنا امیر بنالیں۔(مسند امام احمدؒ، ج ۲، رقم ۶۶۰۹)۔

(۳) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذاخرج ثلا ثة فی سفر فلیؤمروا أحد هم (رواه أبوداود)۔جب تین آدمی سفر پہ نکلیں تو وہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں (ابوداؤد، ۲۶۰۸)۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(ابوداؤد ۲۶۰۹)۔ان دونوں احادیث کی سند صحیح ہے۔(منہاج المسلمین ۵۲۷)۔

(۵) حضرت حارث اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وانا آمرکم بخمس اللّٰه أمرنی بهن بالجماعة وبا السمع والطاعة والهجرة والجهاد فی سبیل اللّٰه ۔ رواه احمد والترمذی و صححه وابن خزیمة وابن حبان والحاکم وابویعلیٰ۔ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔جن کا اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے۔(۱) جماعت کا (۲و۳) سننے اور اطاعت کرنے کا (۴) ہجرت کا اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ کا۔(مسند امام احمدؒ، ۱۶/۱۸ او ۱/۳۴۴، ترمذی ۲۸۶۳، ابن خزیمہ، ۹۳۰، ابن حبان ۶۲۳۳، حاکم ۴۱۲ و ۱۵/۴، مسند ابی یعلی ۱۵/۲)۔اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں

اذا کنتم ثلاثة فی سفر فامّروا علیکم احدَکم۔ قال الهیثمی رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۳۲۳، رقم ۹۲۷٤)۔

جب تم تین آدمی سفر میں ہو تو اپنے اوپر اپنے میں ایک کو امیر بنا لو (طبرانی کبیر)۔حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔(مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۳۲۳، رقم ۹۲۷۴)۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

و اذا کنتم ثلاثه فصلوا جمیعا رواه مسلم

جب تم تین افراد ہوتو اکٹھے نماز پڑھو (صحیح مسلم ۱۱۹۱)۔

جماعت بنائی نہیں جاتی بلکہ جب کسی بستی میں چند ہم خیال افراد بہم ہو جاتے ہیں تو اپنے آپ جماعت بن جاتی ہے۔ پھر ان کو نماز بھی جماعت سے پڑھنی پڑتی ہے اور حکم الٰہی" واعتصموا بحبل اللّٰه جمیعاً" اور احکام رسول "علیکم بالجماعة" اور "لا یحِلُّ لثلاثة نفر یکونون بارض فلاةٍ اِلَّا اَمَّرُوا علیهم احدهم" کی تعمیل میں ان کو جماعت بن کے بھی رہنا ہوتا ہے۔

مخالفین کے جھوٹے الزامات

الغرض دلائل سے تو جماعت المسلمین کا مقابلہ ناممکن تھا کیونکہ مخالفین نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ "مسلم" نام غلط ہے اور نہ اپنے فرقہ وارانہ ناموں کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کر سکتے تھے۔ لہٰذا دلائل سے بے بس ہوکر فرقہ پرست

لوگ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور والد صاحب کے خلاف غلط بیانیاں اور الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ کسی نے آپ کو قادیانی لکھا۔ کسی نے خارجی لکھا اور کسی نے تکفیری لکھا۔ کسی نے لکھا کہ "مسعود احمد صاحب جماعت غرباء اہلحدیث میں تھے۔ اس جماعت میں کوئی عہدہ نہ ملا تو اپنی جماعت الگ بنالی" وغیرہ وغیرہ۔ میں حیرت میں ہوں کہ اپنے آپ کو عالم دین کہلوانے والوں کو اتنے بڑے بڑے جھوٹ بولنا کس طرح جائز ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ والد صاحب کبھی بھی جماعت غرباء اہلحدیث میں شامل نہیں ہوئے۔ کسی کے پیچھے کچھ عرصہ نماز پڑھنا ہرگز اس جماعت میں شمولیت کی دلیل نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر ان لوگوں کے بقول والد صاحب کو عہدے کی خواہش ہوتی تو جمعیت اہلحدیث کے صدر تو آپ تھے اور یہ صدارت آپ نے خود اپنی مرضی سے چھوڑی۔ اگر آپ کو عہدے کی خواہش ہوتی تو آپ ایک جمی جمائی کثیر التعداد جماعت کی صدارت چھوڑ کر دس بارہ لوگوں کی جماعت میں کیوں شامل ہوتے جن کے پاس نہ کوئی مسجد تھی، نہ کوئی مرکز تھا، نہ کوئی دفتر تھا نہ کوئی فنڈز تھے اور نہ کوئی بینک بیلینس تھا۔ لہٰذا ایسا الزام کوئی احمق ہی لگا سکتا ہے۔

جب والد صاحب نے جماعت المسلمین کا احیاء کیا اس وقت

صرف دس بارہ افراد آپ کے ساتھ تھے۔ جماعت کی کوئی مسجد نہیں تھی۔ بڑی بے سروسامانی کا عالم تھا۔ایک چھوٹے سے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ یہ تو والد صاحب کی حقانیت، نیک نیتی، اخلاص اور صبر واستقامت کا نتیجہ تھا کہ آپ کو اللہ کی تائید ونصرت حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصے میں جماعت المسلمین نے اتنی حیرت انگیز ترقی کی کہ والد صاحب کی زندگی ہی میں نارتھ ناظم آباد میں ایک بڑی مسجد تعمیر ہوگئی۔ ملیر میں جماعت کا مرکزی دفتر، مدرسہ، رہائشی مکانات اور بڑی مسجد تعمیر ہوئی۔ نہ صرف پاکستان کے متعدد شہروں میں بلکہ پاکستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی جماعت کی شاخیں قائم ہوئیں اور مساجد تعمیر ہوئیں اور اب بھی ماشاء اللہ جماعت بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ فالحمد لله علی ذلك۔

دوسرے الزامات کی حقیقت

ا۔قادیانیت۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا شیخ الاسلامؒ نے عقیدۂ ختمِ نبوت پر قادیانی مبلغین، عبدالمالک اور اللہ دتّہ وغیرہ سے بڑے کامیاب مناظرے کئے اور ان کو شکستِ فاش دی۔اس کے علاوہ آپ نے اپنی کتابوں میں بھی اس

عقیدے کو صاف صاف بیان فرمایا ہے۔

’’صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین‘‘ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا بیان موجود ہے۔(دیکھئے تاریخ،صفحہ ۶۰۳)۔

منہاج المسلمین میں بھی تین عنوانات کے تحت عقیدۂ ختمِ نبوّت کو ثابت کیا ہے۔(منہاج المسلمین،صفحات ۵۴ و ۵۵)۔

اور ’’تفسیر قرآنِ عزیز‘‘ میں سورۂ احزاب، آیت ۴۰ کی تفسیر میں تو عقیدۂ ختم نبوت کو انتہائی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ دیکھئے تفسیر قرآن عزیز، جلد ۷، صفحات ۱۱۰۶ تا ۱۱۱۳۔

راقم الحروف نے بھی منہاج المسلمین کی شرح میں اس مسئلے کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔دیکھئے ’’طیب الریاحین‘‘ جلد۲، ۴۵ تا ۵۳۔

۲۔خارجیت۔

شیخ الاسلامؒ نے تمام عمر تمام صحابۂ کرامؓ کا دفاع کیا۔اور صحابۂ کرامؓ کی محبت میں آپ نے تاریخ پرستی کے خلاف جہاد کیا اور ایسے تمام واقعات کا انکار کیا جن سے کسی ایک صحابی کی ادنیٰ سی بھی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔اس بارے میں کتاب ہذا کے باب ششم میں ’’تاریخ پرستی کے خلاف جہاد‘‘ کے عنوان کے

تحت ہم نے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخی روایات کی اس طرح جانچ پڑتال نہیں کی گئی جس طرح احادیث کی کی گئی اس لئے تاریخ میں بہت سے جھوٹے واقعات شامل ہوگئے اور وہ عوام الناس میں مشہور ہوگئے یا ایک سازش کے تحت مشہور کئے گئے۔ اسی لئے تفسیر قرآن عزیز کے بعد والد صاحب کا ارادہ ایک ''تاریخِ مطوّل'' لکھنے کا تھا جس میں کتب تاریخ میں صحابۂ کرامؓ کی طرف منسوب غلط واقعات کی تردید کی جاتی۔ لیکن افسوس کہ اس کی صرف ایک جلد ہی شائع ہو سکی۔ آپ نے اگلی جلدوں کا مسوّدہ بھی تیار کرلیا تھا لیکن افسوس کہ آپ کی وفات سے پہلے وہ شائع نہ ہوسکا اور آپ کی وفات کے بعد وہ مسودہ بھی نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔

صحابۂ کرام سے آپ کو جو محبت اور عقیدت تھی اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کی تحریروں سے بخوبی عیاں ہے۔ اس بارے میں آپ مندرجہ ذیل مقامات کا مطالعہ کریں تو صورت حال آپ کے سامنے بالکل واضح ہوجائے گی۔

۱۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین صفحات ۶۴۷ تا ۶۶۰

۶۱۳ تا ۸۰۶

۲۔ منہاج المسلمین صفحہ ۵۸

۳۔ تفسیر قرآن عزیز، جلد۹، صفحات ۱۱۵تا ۱۲۳۔ تفسیر سورۃ الفتح، آیت ۲۹

جب ہر ایک صحابی سے آپ کی محبت اور عقیدت کا یہ حال تھا تو پھر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کی محبت کس قدر ہوگی۔ حضرت علیؓ تو آپ کو بہت محبوب تھے اور وہ تو ہر مسلم مومن کے محبوب ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے لکھا ہے کہ'' حضرت علیؓ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور حضرت علیؓ سے بغض نفاق کی علامت ہے''۔ ''حضرت علیؓ اللہ اور رسول کے محبوب''۔ '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں''۔ ''حضرت علیؓ اہل بیت میں شامل ہیں''۔ (صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ص ۷۷۳۔۷۷۴)۔

خارجیوں کی بنیادی شناختی علامات

(ا) **بغضِ علیؓ:** خارجیوں کی بنیادی پہچان ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی ہے۔ ایسی صورت میں بھلا جو شخص حبِ علیؓ سے سرشار ہو کیا وہ شخص

خارجی ہوسکتا ہے؟

(۲) سر منڈوانا: خارجیوں کی دوسری پہچان سر منڈوانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارجیوں کی پہچان پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا

سیماهم التحليق

ان کی پہچان سر منڈوانا ہے۔ (صحیح بخاری ۷۵۶۲)۔

جبکہ شیخ الاسلام نے حج کے علاوہ کبھی سر نہیں منڈوایا۔ بلکہ آپ سر منڈوانے کے بہت خلاف تھے۔ آپؒ لکھتے ہیں۔

سر پر بال رکھے (منہاج المسلمین، ص ۳۹۹)

بال منڈائے نہیں (منہاج المسلمین ص ۴۰۰)۔

جس شخص میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خوارج کی شناختی علامات موجود نہ ہوں اس شخص کو خارجی کہنے یا سمجھنے کی جسارت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو یا تو اس قولِ رسولؐ کا علم ہی نہ ہو یا جس کا قولِ رسولؐ پر ایمان اور یقینِ کامل نہ ہو۔

اور جس شخص میں خارجیوں کی مندرجہ بالا شناختی علامات میں سے ایک علامت بھی نہ ہو کیا اس شخص کو کوئی صحیح الدماغ انسان خارجی کہہ سکتا ہے؟۔ ہرگز

نہیں۔ لیکن یہ کارنامہ اہلحدیث کے ایک عالم زبیر علی زئی صاحب نے انجام دیا ہے۔

۱۹۹۵ میں والد صاحب اسلام آباد تشریف لائے تھے اور تقریباً ایک مہینہ میرے گھر قیام فرمایا تھا۔ اس دوران ایک رات زبیر صاحب اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ والد صاحب سے بات چیت کے لئے میرے گھر آئے۔ بڑے اچھے ماحول میں بات ہوئی۔ بات چیت میں مطلقاً کوئی مناظرانہ رنگ نہیں تھا۔ بات چیت کا محور زیادہ تر ''مسلم'' نام ہی تھا۔ زبیر صاحب والد صاحب کی تمام باتوں سے اتفاق کرتے رہے۔ آخر میں مسئلۂ تدلیس پر بات چھڑ گئی۔ لیکن رات بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لئے زبیر صاحب نے کہا کہ وہ اس مسئلے پر تحریر لکھ کر بھیجیں گے جس کا جواب والد صاحب دیں گے۔ اور اسی بات پر محفل بڑے اچھے ماحول ہی میں برخواست ہوگئی۔ لیکن بعد میں زبیر صاحب نے نہ کوئی تحریر بھیجی نہ کوئی رابطہ کیا۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ واپس جا کر انہوں نے یہ مشہور کیا کہ انہوں نے مسعود احمد صاحب کو لاجواب کر دیا۔ زبیر علی زئی صاحب اہلحدیث کے بہت بڑے عالم تھے اور کسی کو برا بھلا کہنا میری عادت نہیں اور ویسے بھی زبیر صاحب اب وفات پا چکے ہیں اس لئے میں ان کے خلاف کچھ کہنا

نہیں چاہتا۔ اگر وہ ابھی زندہ ہوتے اور ان سے میری ملاقات ہوتی تو ان سے ضرور پوچھتا کہ انہوں نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔

۳۔ تکفیریت۔

یہ الزام لگانے والے بھی میرے علم کے مطابق ایک تو حافظ زبیر علی زئی صاحب ہی ہیں (ماہنامہ الحدیث 16، صفحہ ۱۱) اور دوسرے محمد صلاح الدین صاحب مدیر رسالہ تکبیر۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس الزام کا بھی صداقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ والد صاحبؒ نے نہ کبھی زبانی اور نہ اپنی کسی تحریر میں کسی کو کافر کہا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے متعدد بار اپنی تحریروں میں اس الزام کی تردید فرمائی۔ چند تحریریں پیش خدمت ہیں۔

(۱) ''ہم کسی کو غیر مسلم یا کافر نہیں کہتے''۔ (جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔ ص ۴۶)۔

(۲) ''ہم نے کسی کو کافر نہیں کہا۔ یہ ہم پر بہتان ہے''۔ (الجماعۃ القدیمۃ۔ ص ۵)۔

(۳) ''یہ ہم پر اتہام ہے۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے'' (ایضاً ص ۲۹)۔

(۴) ''جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی''۔ (الجماعۃ ص ۳۰)۔

(۵) ''ہم نے جناب صلاح الدین صاحب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ہماری کتاب سے ثابت کریں کہ جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے وہ ہماری کسی ایسی تحریر کا حوالہ نہیں دے سکے''۔ (الجماعۃ ص ۳۹)۔

مندرجہ بالا اقتباسات کے علاوہ بھی جماعت کے کتابچہ ''الجماعۃ'' میں متعدد بار اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی۔ ملاحظہ ہو الجماعۃ صفحات ۸، ۳۱، ۳۲، ۳۷ اور ۶۱۔

تکفیریت کے الزام پر مجھے مولوی سیف الدین حیدر آبادی یاد آ گئے۔ یہ صاحب اور ان کا پورا خاندان حنفی تھا۔ یہ اکیلے اہلحدیث ہو گئے تھے اور جماعت غرباء اہلحدیث میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کے خاندان والوں نے اہل حدیث ہونے میں ان کا ساتھ نہیں دیا اس لئے وہ اپنے ماں، باپ، بیوی وغیرہ سب کو چھوڑ کر آ گئے تھے اور محمدی مسجد برنس روڈ میں ہی مستقل رہتے تھے۔ لوگ ان کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔ اسی پر ان کا گزارا ہوتا تھا۔

یہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن تقلید کے مسئلے پر بڑے بڑے عالموں سے بھڑ جاتے تھے اور ان کو لاجواب کر دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک

تھیلا ہوتا تھا۔اس میں ایک نوٹ بک ہوتی تھی جس میں چیدہ چیدہ مناظرانہ نکات لکھ رکھے تھے۔

یہ بہت کٹر اہلحدیث تھے اور اہلحدیث کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ یاایہاالذین آمنوا کا ترجمہ کرتے تھے ''اے اہلحدیثو'' کیونکہ ان کے نزدیک اہلحدیث کے علاوہ اور کوئی ایمان والا نہیں تھا۔اپنے باپ کے متعلق کہتے تھے کہ میرا باپ کافر مر گیا۔

اُس وقت جماعت غرباء اہلحدیث کے امام حافظ عبدالستار صاحب زندہ تھے۔ان کے بیٹے حافظ عبدالغفار صاحب جو بعد میں امام بنے اُس وقت جوان تھے۔یہ بہت ملنسار (سوشل) تھے۔اکثر سعودی سفارت خانے کی تقریبات میں بھی شامل ہوتے رہتے تھے۔وہاں کسی دن انہوں نے کسی حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھ لی۔سیف الدین صاحب کو کسی طرح اس بات کی خبر ہوگئی۔وہ یہ بات برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اپنے امام حافظ عبدالستار صاحب سے ان کی شکایت لگا کر انہیں ڈانٹ پڑوادی۔سیف الدین صاحب ہمارے گھر اکثر آتے رہتے تھے۔غالباً ہر اتوار کو ہی آتے تھے اور کافی دیر بیٹھتے تھے۔کھانا وغیرہ ساتھ ہی کھاتے تھے۔نماز بھی ساتھ ہی پڑھتے تھے۔اس واقعے کے بعد جب وہ

ہمارے گھر آئے تو والد صاحب کو بڑے فخر یہ بتایا کہ میں نے عبدالغفار صاحب کو امام صاحب سے ڈانٹ پڑوادی۔

سیف الدین صاحب چھوٹے قد کاٹھ کے آدمی تھے۔صحت اچھی تھی۔ان کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ادھیڑ ہی تھے کہ کراچی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جماعت المسلمین پر تکفیریت کا الزام لگانے والے اب خود ہی فیصلہ کرلیں کہ تکفیری کون ہے۔اہلحدیث یا جماعت المسلمین۔

تکفیری کون ہے؟

دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ سب ہی ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں اور اپنے مخالفین پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔سرسید احمد خان، محمد علی جناح، علامہ ثناء اللہ امرتسری وغیرہ پر کفر کے فتوے کیا جماعت المسلمین نے لگائے تھے؟۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ایک مسلم ہندو مناظرہ طے تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے جب علامہ ثناء اللہ امرتسری پیش ہوئے تو ہندو نے کہا کہ میں تو آپ سے مناظرہ نہیں کرسکتا۔ میرا مناظرہ تو مسلمانوں سے ہے جبکہ آپ مسلمان نہیں کافر ہیں۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اس نے متعدد مسلمان علماء کے فتووں کی نقلیں پیش کردیں۔ علامہ صاحب بہت حاضر جواب تھے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں اب کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوجاتا ہوں۔ اب مجھ سے مناظرہ کرلو۔ اس پر وہ ہندو لاجواب ہوگیا۔

فرقہ والوں کے ایک دوسرے پر کفر وشرک کے فتوے

جماعت المسلمین کے متعلق تو ہم نے پوری وضاحت سے ثابت کردیا کہ جماعت کسی کو کافر نہیں کہتی۔ لیکن اب ہم جماعت پر تکفیریت کا الزام لگانے والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ تکفیری نہیں؟۔ کیا آپ کا دامن تکفیریت سے پاک ہے؟۔ کیا آپ کے علماء دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے نہیں لگاتے ؟۔ اور کیا دوسرے فرقے بھی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے ؟۔ کونسا فرقہ ہے جو اپنے

علاوہ دوسروں کو کافر یا مشرک یا بدعتی نہیں کہتا ؟۔ کیا اہلحدیث حنفیوں کو، دیوبندی بریلویوں کو، بریلوی وہابیوں کو۔ سنی شیعوں کو اور شیعہ سنیوں کو کافر یا مشرک یا گمراہ نہیں کہتے ؟۔ کیا فرقوں نے ایک دوسرے کے خلاف کتابیں نہیں لکھیں ؟۔ کیا فرقوں نے ایک دوسرے کے خلاف مناظرے نہیں کئے؟۔ کیا فرقوں میں آپس میں خونریزیوں تک نوبت نہیں پہنچی ؟۔ کیا ایسا نہیں تھا کہ ایک فرقے والے دوسرے فرقے والوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے؟ اور کیا اسی وجہ سے بیت اللہ میں چار مصلے قائم نہیں ہوئے تھے؟۔ اور کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ایک امام جماعت کرارہا ہے تو تین مصلوں پر نمازی بیٹھے ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے (سبیل الرسول ص۱۰۹)اایہ تو خیر پرانی باتیں ہیں۔ ماضی قریب میں کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ رویت ہلال کمیٹی کے اجلاس کے دوران ایک عالم دوسرے عالم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا ؟۔

ہم ذیل میں مختلف فرقوں کے ایک دوسرے کے بارے میں چند فتوے قارئین کی اطلاع کے لئے درج کرتے ہیں۔

(۱) اہلحدیث بمقابلہ احناف

(۱) حافظ عبدالقادر روپڑی کے نام سے کون اہلحدیث واقف نہیں ہوگا۔ وہ

اہلحدیث کے بہت بڑے عالم اور مناظر تھے۔ وہ حنفی عالم محمد عمر اچھروی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تم خدا اور رسول دونوں کے باغی اور غدار ہو۔ کلمہ توحید کا عملاً انکار کر کے تم مشرک فی التوحید ہوئے اور کلمہ رسالت کا انکار کر کے مشرک فی الرسالۃ ہوئے، نتیجہ نکلا کہ تم ڈبل مشرک ہو" (فتوحات اہلحدیث المعروف میزان مناظرہ، ص ۶۲)۔

(۲) آگے لکھتے ہیں "آپ اور آپ کا بدعتی فرقہ سارے کے سارے ملعون اور مردود بن گئے"۔ (ایضاً ص ۶۴)۔

(۳) ایک اور جگہ لکھتے ہیں "جو خود مسلمان نہ ہو اور جو اعلیٰ درجہ کا خود مشرک اور کافر ہو وہ ہم سے ہمارے ایمان کا ثبوت کیسے طلب کر سکتا ہے؟۔ جس مولوی کا شرک و کفر ابوجہل اور ابولہب سے بڑھ کر ہو وہ اہل ایمان سے کیسے دلیل کا مطالبہ کر سکتا ہے؟"۔ (ایضاً ص ۱۱۰)۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفر و شرک کا فتویٰ ہو سکتا ہے؟۔

(۴) علامہ محمد ابوالحسن سیالکوٹی لکھتے ہیں "خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص کسی کی تقلید اپنے اوپر لازم سمجھ لے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ اس کا حکم

اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہے۔ پھر بھی اس کی اتباع نہ چھوڑے تو اس نے بحکم آیت اِتَّخَذُوا اَحبَارَھُم وَ رُھبَانَھُم اَربَاباً مِّن دُونِ اللّٰہِ اس کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا مستحق ہوا"۔ (الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین، جلد اول، ص ۱۹۔۲۰)۔

(۵) آگے "دراسات اللبیب فی اسوۃ الحسنۃ بالحبیب" کے حوالہ سے لکھتے ہیں "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور خاص شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور یہ سمجھے کہ دوسرے ائمہ کے علاوہ اسی کی بات صحیح واجب الاتباع ہے پس وہ گمراہ، جاہل ہے، بلکہ کافر ہی ہو جاتا ہے۔ اس سے توبہ کروانی چاہئے۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کیا جائے"۔ (ایضاً ص ۲۰)۔

لیجئے اس فتوے کے مطابق تمام مقلدین یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب کے سب کافر اور واجب القتل ٹھہرے۔

(۶) مولوی محمد منصور علی لکھتے ہیں۔

"ظفر المبین ص ۱۸۹ و ۲۳۰ و ۲۳۳ میں تقلید کو شرک اور حرام اور مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہے"۔ "مقلدوں کو اخوان یزید اور رافضی پلید اور شیطان و کافر لکھا ہے"۔ (فتح المبین، ص ۴۴۴)۔

یادرہے کہ ''الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین'' اہلحدیث عالم مولوی ابوالحسن محی الدین سیالکوٹی کی تصنیف ہے جس کا جواب مولوی محمد منصور علی نے ''فتح المبین'' کے نام سے لکھا ہے۔

(۷) شیخ العرب والعجم شاہ بدیع الدین راشدی پیر جھنڈا نے ایک رسالہ لکھا ہے ''امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے''۔ اس کے مقدمہ میں علامہ عبداللہ ناصر رحمانی، امیر جمعیت اہلحدیث سندھ لکھتے ہیں ''زیرنظر رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ حنفی مذہب رکھنے والوں کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی''۔ گویا ان کے نزدیک حنفی مذہب پر عمل کرنے والے مسلم نہیں۔

(۸) اب دیکھئے کہ ایک اہلحدیث عالم ابوالاقبال سلفی احناف کے متعلق کیا کیا لکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان کا مذہب اسلام نہیں حنفی ہے۔ ان کا رب اللہ نہیں ابوحنیفہ ہے۔ ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ علمائے احناف ہیں''۔ (مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص ۳۲)۔

''یہ سارے لوگ (یعنی حنفی حضرات) اس مرتد شخص کے زمرے میں نظر آتے ہیں جس کی گردن حضرت عمرؓ نے ماردی تھی، بلکہ یہ احناف تو اس شخص

سے بھی ایک قدم آگے بڑھے نظر آتے ہیں کہ اس نے تو صرف ایک ہی فیصلے کا اور ایک ہی حکم کا ماننے سے انکار کیا تھا لیکن حنفیہ تو سینکڑوں احکامات، سینکڑوں فرامین اور سینکڑوں سنتوں کو نہ ماننے کے مرتکب ہیں۔ آج اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے تو شاید یہ لوگ اس مرتد کے انجام کو پہنچ چکے ہوتے یا اپنی اصلاح کر لیتے''۔ (ایضاً، ص ۴۱)۔

''اللہ کے رسول نے ایسے لوگوں کو ایک بار نہیں بلکہ بیک زبان تین بار اس امت کے یہودی قرار دیا اور یہودی وہ قوم ہے جو اسلام کی دشمن، انبیاء کی دشمن اور قرآن وحدیث کی دشمن ہے۔ یہ حنفی اس سانچے میں صحیح فٹ ہوتے ہیں''۔ (ایضاً، ص ۲۲)۔

''بلکہ ایک معنی میں تو یہ یہود ونصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ (ایضاً، ص ۹۱)۔

''خود شرک میں مبتلا ہیں۔ تقلید میں مبتلا ہیں۔ بدعت میں مبتلا ہیں۔ شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں۔ قرآن کو تم نہیں مانتے۔ حدیث کو تم نہیں مانتے۔ صحابہؓ کی تم توہین کرتے ہو''۔ (ایضاً، ص ۱۸)۔

قارئین کرام خود دیکھ لیں کہ علمائے اہلحدیث نے احناف کو کن کن

القاب سے نوازا ہے اور ان کے اوپر کیا کیا فتوے لگائے ہیں: خدا اور رسول کے
باغی، کلمہ توحید کے عملاً انکاری، کلمہ رسالت کے عملاً منکر، بدعتی، ملعون، مردود، اعلیٰ
درجے کے مشرک اور کافر جن کا شرک و کفر ابوجہل اور ابولہب سے بڑھ کر ہے۔
ڈبل مشرک، ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے مستحق، ان کے لئے دعائے مغفرت
کرنا جائز نہیں، ان کی اقتدا میں نماز جائز نہیں، ان کا رب اللہ نہیں ابوحنیفہ ہیں، یہ
اُس مرتد کے زمرے میں آتے ہیں جس کی گردن حضرت عمرؓ نے ماری تھی بلکہ اس
سے بھی بڑھ کر، یہودی بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے وغیرہ وغیرہ۔

اب قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ تکفیری کون ہے۔ اہل حدیث یا
جماعت المسلمین۔

(۲) اہلحدیث بمقابلہ اہلحدیث

(۸) مولوی فقیر اللہ مدراسی اہلحدیث کے مشہور عالم اور مناظر علامہ
ثناء اللہ امرتسری کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''اس میں شک نہیں کہ ثناء اللہ چوتھا دجال
ہے۔ ہند کے چار دجالوں میں سے اگرچہ تین تو مر کر واصل جہنم الی النار ہوئے مگر
یہ چوتھا سب کے قائم مقام ہے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر ہے۔ غرضیکہ ثناء اللہ ملحد،
زندیق، دجال بلا مقال ہے اور محدث فی الدین بالیقین ہے''۔ (حنفی جواب،

ص ۲۸)۔

(۹) علامہ ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک معروف
غیر مقلد عالم عبدالاحد خان پوری لکتے ہیں کہ ''ثناء اللہ ملحد، زندیق، جعد اور جہم
سے ہزار درجہ بدتر ہے، بلکہ تمام کفار روئے زمین سے بدتر ہے''۔ (راہ اعتدال ص
۶۰)۔

(۱۰) علامہ حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی لکھتے ہیں کہ علامہ محمد جونا گڑھی
ائمہ اربعہ کے مقلدین خصوصاً احناف حضرات کو مشرک اور کافر کہتے تھے۔ موصوف
سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ جس وہابی (غیر مقلد) کا باپ حنفی ہو کر مراوہ یہ
دعا نہ پڑھے رَبِّ اغْفِرلِی وَ لِوَالِدَیَّ؟ اس سوال کے جواب میں موصوف
سراج محمدی ص ۲۶ میں لکھتے ہیں ''مشرکین کے لئے دعاء مغفرت ناجائز ہے''۔
(ہدایہ علماء کی عدالت میں، ص ۲۲۲)۔

(۱۱) علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے شاگرد مولوی ابوالسعادات
محمد مبارک صاحب جماعت غرباء اہلحدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔
''غربائے اہلحدیث باغی جماعت ہے جس کا جماعت اہلحدیث سے
کوئی تعلق نہیں بلکہ پوری جماعت مع امام کے واجب القتل ہے۔۔۔۔۔ جس

طرح مسیلمہ کذاب کی حمایت کرنے والے مجرم تھے اسی طرح وہ علماء جو جماعت غربائے اہلحدیث کے جلسوں کو رونق بخشتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں‘‘۔(حنفی جواب، ص۲۶)۔

(۱۲)صحاحِ ستہ کے مترجم نواب وحیدالزماں حیدرآبادی لکھتے ہیں۔ ’’غیرمقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی،۔۔۔۔۔۔۔۔۔ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔‘‘(راہِ اعتدال ص۵۶۔۵۷)

(۳)احناف بمقابلہ اہلحدیث

(۱۳)حنفی عالم مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی لکھتے ہیں۔’’ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیرمقلدیت کا ہے جو اتباعِ سنت کے پردے میں نمودار ہوا ہے۔ یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں‘‘۔(جاءالحق ص۴۷۷)۔

(۱۴)محمد عبدالقوی ناظم ادارہ اشرف العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی

حیدرآباد لکھتے ہیں۔’’ اس دورِ پُرفتن میں جب کہ سینکڑوں قسم کے فتنے مسلمانوں پر بارش کی طرح برس رہے ہیں اور اس کے معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں، ان میں ایک اہم ترین فتنہ ہمارے غیرمقلد بھائیوں (جو اپنے آپ کو بشمولِ اہلِ حدیث دسیوں ناموں سے موسوم کرتے ہیں) کی بے سروپا موشگافیوں کا ہے۔ یہ حضرات چند نہایت ہی غیراہم اور انتہائی فروعی مسائل کو ایمان واعتقاد کا درجہ دے کر ان کی بنیادوں پر حق وباطل اور توحید وشرک کو تقسیم کرکے برادرانِ اسلام بلکہ اکابر علماء کرام کی تضلیل وتکفیر میں مشغول ہیں اور ائمہ سلف خصوصاً امام اعظمؒ اور ان کی تحقیقاتِ علمیہ پر نہایت رکیک تبصرے اور بازاری قسم کی تنقیدیں جاہل سے جاہل غیرمقلد کا محبوب پیشہ اور مشغلہ بنا ہوا ہے‘‘۔(راہِ اعتدال، ص۱۴)۔

(۱۵)محمد عمر اچھروی، حافظ عبدالقادر روپڑی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔’’حافظ صاحب۔ ہم آپ کو اور تمہاری جماعت کو مسلمان نہیں سمجھتے‘‘۔ (میزان مناظرہ، ص۶۱)۔

(۱۶) اچھروی صاحب وہابیوں یا اہلحدیث کے متعلق مزید لکھتے ہیں ’’اللہ کے نزدیک یہ فرقہ رجس ہے۔ اور فرقہ وہابیہ عنداللہ دوزخی ہے۔ جنت میں ان وہابیوں کا داخلہ حرام ہے کیونکہ یہ رجس ہیں۔ رجس اور نجس ان کی خوراک

ہے۔ان کے اعمال وافعال رجس اورنجس ہیں لہٰذا یہ جنت سے محروم ہی رہیں گے''۔(میزان مناظرہ ص ۱۲۲)۔

اگرچہ مثالیں تو اور بھی بہت سی ہیں لیکن مندرجہ بالا چند مثالیں یہ واضح کرنے کے لئے بہت کافی ہیں کہ ہر فرقہ صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنے علاوہ ہر ایک کو مشرک، کافر یا گمراہ اور جہنمی سمجھتا ہے۔اس لحاظ سے سارے ہی فرقے تکفیری ہوئے۔

بعض لوگوں کی طرف سے جماعت کے پمفلٹ ''مذاہبِ خمسہ'' پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ان کا یہ اعتراض درست نہیں۔اس پمفلٹ میں فرقوں کے مسائل کا احادیث سے تقابل پیش کیا گیا ہے۔تو یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ایسے پمفلٹ بلکہ ایسی کتابیں تو ان معترضین کے فرقوں کی طرف سے بہت پہلے شائع چکی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن میں دوسرے مسالک کے مسائل کا مقابلہ قرآن و حدیث سے پیش کیا جاتا ہے۔میں ذیل میں صرف چند ایسی کتابوں کے نام بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

(۱) حقیقۃ الفقہ۔الحافظ الحاج مولوی محمد یوسف صاحب جے پوری۔
(۲) الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین۔محمد ابوالحسن سیالکوٹی

(۳) فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین۔محمد منصور علی مرادآباد
(۴) مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف۔ابوالاقبال سلفی۔
(۵) فقہ حنفی کیا قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے۔مصنف کا نام درج نہیں۔غالبًا کوئی عبدالرحمان عابد صاحب ہیں۔
(۶) فقہ وحدیث۔تالیف محدث عصر علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی۔مترجم مولوی ذوالفقار علی طاہر
(۷) علامہ محمد جوناگڈھی کی تو اس بارے میں متعدد تصانیف ہیں مثلاً سراج محمدی، شمع محمدی، سیف محمدی وغیرہ وغیرہ

باب پنجم

اہل حدیث نام کے متعلق

(۱) کیا عہد رسالت میں اہلحدیث نام کا ثبوت ہے؟

ان کا یہ دعویٰ کہ اہلحدیث زمانۂ رسالت سے ہیں بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس نام کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ نام نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہ ضعیف حدیث سے۔ یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کبھی نکلا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہے۔

گھر کی گواہی

خود اہلحدیث کے مشہور عالم قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے

بھی تسلیم کیا ہے کہ عہد رسالت مآب میں ”مسلم“ نام کے علاوہ کسی فرقہ وارانہ نام کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

”نزولِ قرآن پاک کے وقت امت محمدیہؐ کے جملہ افراد کا منفرداً و مجتمعاً ایک ہی نام تھا۔ یعنی مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ہے هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ تمہارے باپ ابراہیمؑ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا۔ لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور ان فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہوگئے۔ ہر فرقے کو اپنے مختص نام پر ناز ہے“۔ (رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۲۰۱)۔ (نوٹ: منصور پوری صاحب نے ”مسلمان“ غلطی سے لکھ دیا ہے۔ صحیح لفظ ”مسلمین“ ہے جس کا واحد ”مسلم“ ہے)۔

دوسری گواہی

علامہ محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علماء اہلِ حدیث میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے اولین ناظم اعلیٰ تھے۔ وہ ۱۹۶۲ تک ناظم اعلیٰ رہے اور علامہ داؤد غزنوی کی وفات کے بعد وہ امیر کے عہدے پر فائز ہوگئے اور تا

حیات اس عہدے پر فائز رہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''اصل نام تو اسلام ہے۔ صحابہ کے مقام کے متعلق جب خوارج اور روافض نے غلو کی راہ اختیار کی تو ان میں اعتدال کی راہ کا نام ''اہلِ سنّت'' متعین ہو گیا۔ اسی طرح جب فقہی جمود اور تقلید ائمہ میں غلو کی صورت اختیار کی گئی تو اعتدال اور حریت فکر کی راہ کا نام ''اہل حدیث'' یا ''اصحاب الحدیث'' قرار پایا'' (مقالات حدیث، ص ۵۲۷)۔

تیسری گواہی

اہلحدیث کے ایک اور بڑے عالم جناب عبدالقادر روپڑی کہتے ہیں

''ہم میں کوئی اہلحدیث، کوئی بریلوی، کوئی دیوبندی نہیں۔ ہم سب مسلمان ہیں''۔ (حزب اختلاف کے کنونشن منعقدہ مسلم لیگ ہاؤس لاہور، بتاریخ ۱۴۔۱۵ جون ۱۹۷۵ء میں کی گئی تقریر سے اقتباس، بحوالہ ہفت روزہ اداکار، ۲۲ تا ۲۸ جون ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۶)۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور علامہ اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ یہ دونوں علماء جماعت اہل حدیث کے جید اور مستند علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ ان دونوں حضرات کی تحریر سے ہی یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہلحدیث نام کا عہد

رسالت اور عہدِ صحابہ میں کوئی وجود نہیں تھا۔ الحمدللہ

علامہ عبدالقادر روپڑی بھی جماعت اہلحدیث کے بہت بڑے عالم، مناظر اور قائد تھے۔ انہوں نے بھی مسلمان (مسلم) نام کے علاوہ دیگر تمام ناموں کی نفی کر دی ہے۔

چوتھی گواہی

علامہ حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی اہلحدیث کے مشہور عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سنو! اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اسی پیارے نام کو اپنے لئے موجبِ فخر جاننا کہ مسلمان کے نام میں صرف اللہ کی فرمانبرداری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ہاں ہاں! یاد رکھنا تم مسلمان ہو۔ مسلمان کہلانے میں پھوٹ اور تفریق پیدا نہیں ہوتی''۔ (سبیل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۰۴)۔

جہاں تک مجھے علم ہے زمانۂ رسالت تو کجا، آج کے دور میں بھی اہل حدیث فرقے کا وجود صرف برصغیر میں ہے۔ برصغیر سے باہر یہ کہیں سلفی کہلاتے ہیں کہیں سنوسی، کہیں محمدی، کہیں اثری، کہیں انصار السنہ اور کہیں کسی اور نام سے جانے جاتے ہیں۔ برصغیر میں بھی شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث

دہلویؒ (۱۸۰۵۔۱۹۰۲) اورنواب بھوپال جناب صدیق حسن خاں قنوجیؒ
(۱۸۳۲۔۱۸۹۰) کے زمانے تک اس نام کے کسی فرقے کا کوئی وجود نہیں تھا۔
جہاں تک مجھے علم ہے ان دونوں حضرات نے اپنے آپ کو کبھی اہلحدیث نہیں
کہا۔ اس نام کی ابتداء مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۸۴۱۔۱۹۲۰) کے وقت سے اور
ان کی کوششوں سے ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحبؒ محدث دہلوی کے متعلق سرسید احمد
خان اپنے ۱۸۹۵ء کے ایک خط میں یعنی اپنی وفات سے تین سال پہلے لکھتے ہیں۔

'' میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہابی۔ دوسرے
وہابی کریلا تیسرے وہابی کریلا اور نیم چڑھا۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا
ہوں اور بجز حق، حق، حق جو میرے نزدیک ہو ذرہ برابر دریغ نہیں کرتا............
جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔
وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کو سُنّتِ ہدیٰ جانتے تھے۔ میں نے
عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے
خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے جب
یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز

پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔ گو اُن پر لوگوں نے بہت حملے
کئے مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے''۔ (موجِ کوثر ص ۶۹)۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب
محدث دہلویؒ نے نہ کوئی علیحدہ جماعت بنائی تھی اور نہ اہلحدیث یا کوئی اور
امتیازی نام اختیار کیا تھا۔

(۲) عہدِ صحابہؓ میں اہلحدیث کا نام

صحابۂ کرامؓ سے بھی یہ نام ثابت نہیں۔ اس بارے میں اہلحدیث حضرات
مندرجہ ذیل اکلوتی اور ضعیف روایت بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

ثنا ابو هارون العبدی عن ابی سعید الخُدریؓ انه كان اذا رای
الشباب قال مرحباً بوصية رسول الله صلى الله عليه و سلم امرنا رسول
الله صلى الله عليه و سلم ان نوسع لكم فی المجلس و ان نفهمكم
الحديث فانكم خلوفنا و اهل الحديث بعدنا رواه الخطيب البغدادی

ابوہارون العبدی سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خُدریؓ جب نوجوانوں کو دیکھتے تو ان کو خوش آمدید کہتے اور فرماتے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم تمہارے لئے مجلس میں کشادگی کریں اور تم کو حدیث سمجھائیں۔ بے شک تم ہمارے بعد آنے والے ہو اور ہمارے بعد تم اہلحدیث ہو۔(شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادی مطبوعہ گھر جاکھ، ص۱۲)۔

یہ روایت انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہے۔اس کا راوی ابوہارون العبدی جس کا نام عمارہ بن جوین ہے انتہائی ضعیف بلکہ کذّاب ہے۔

سیدنا امام بخاریؒ فرماتے ہیں اسے امام یحییٰ بن معینؒ نے ترک کر دیا۔

سیدنا امام احمدؒ فرماتے ہیں وہ کوئی شئ نہیں۔امام ابن معینؒ فرماتے ہیں یہ اپنی حدیث میں سچا نہیں۔امام ابوزُرعہؒ اور امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے۔امام نسائیؒ فرماتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میری گردن کاٹ دی جائے بہ نسبت اس کے کہ میں اس سے روایت کروں۔حماد بن زیدؒ کہتے ہیں یہ کذّاب ہے۔امام جوزجانیؒ فرماتے ہیں یہ کذاب اور مفتری ہے۔امام حاکمؒ نے کہا متروک ہے۔امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں متلون مزاج ہے کبھی خارجی بن جاتا ہے کبھی شیعہ بن جاتا ہے۔امام ابن حبانؒ

فرماتے ہیں وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جو ان کی ہیں ہی نہیں۔اس کی حدیث کا لکھنا حلال نہیں مگر از راہِ تعجب۔امام ابن معینؒ فرماتے ہیں وہ غیر ثقہ ہے، جھوٹ بولتا ہے۔امام ابن علیہ نے کہا وہ جھوٹ بولتا ہے۔امام عثمان بن ابی شیبہؒ نے کہا وہ کذاب (جھوٹا) تھا۔امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں اس کے ضعیف ہونے پر (محدثین کا) اجماع ہے۔(تھذیب التھذیب، ج۴،ص ۲۵۹)۔

ایسے کذّاب، مفتری، متروک الحدیث کی روایت پیش کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کہنے والوں کو کچھ تو شرم کرنی چاہئے تھی۔ان حضرات کو اپنے نام کے ثبوت میں ایک روایت ملی وہ بھی اتنی ضعیف بلکہ موضوع!۔ اہلحدیث حضرات جو ضعیف حدیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے ان کا ایسی واہیات روایت سے استدلال کرنا سمجھ سے باہر ہے۔

ابوہارون العبدی کے علاوہ اس روایت میں دو اور راوی محمد بن ذکوان الازدی اور یحییٰ بن المتوکل الباہلی بھی ضعیف ہیں۔

(۳) قرآن وحدیث میں ''اہلحدیث'' کا نام

گزشتہ صفحات میں پیش کردہ حقائق کے بعد اہل حدیث کے اس دعوے کی حقیقت بخوبی واضح ہوگئی کہ ان کا نام قرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔ ان کے دعوے کے بالکل برعکس قرآن وحدیث میں ''اہلحدیث'' نام کا کہیں وجود نہیں۔

(۴) طائفہ منصورہ

اہلحدیث کا دعویٰ کہ احادیث میں جس ''طائفہ منصورہ'' کی خبر دی گئی ہے اس سے جماعت اہلحدیث مراد ہے۔اس دعوے پر بحث کرنے سے پہلے ہم وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں ''طائفہ منصورہ'' کی خبر دی گئی ہے۔

عن المغيرة بن شعبةؓ عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال "لا تزال طائفة من امتى ظاهرين حتى ياتى امر اللّٰه و هم ظاهرون" ۔متفق

علیه۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ غالب ہوں گے۔(صحیح بخاری ۷۳۱۱،صحیح مسلم ۴۹۵۱)۔

اس حدیث کی تشریح میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں و هم اهل العلم ۔ وہ ''اہل علم'' ہیں۔(صحیح بخاری)۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ان لم يكونوا اهل الحديث فلا ادری من هم ۔ اگر وہ اہلحدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۳۰۶)۔

امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں هم اصحاب الحديث ۔وہ اصحاب الحدیث ہیں۔(فتح الباری بحوالہ ترمذی)۔

قال النووی فی التهذيب حمله العلماء او جمهورهم على حملة العلم (فيض القدير، ج ٦، ص ٥١٤)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں علماء یا جمہور علماء نے اس کو اہل علم پر محمول کیا ہے۔(فیض القدیر، ج٦، ص ۵۱۴)۔

اس سلسلے میں پہلی عرض تو یہ ہے کہ حدیث میں تو اس طائفہ کا نام نہیں بتایا گیا۔ البتہ ائمہ کرامؒ نے اس کی تشریح میں مختلف نام لئے ہیں۔ امام بخاریؒ اور جمہور علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد ''اہل علم'' ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا ''اہلِ حدیث''، اور امام علی بن مدینیؒ نے فرمایا کہ اس سے ''اصحاب الحدیث'' مراد ہیں۔

ائمہ کرام نے طائفہ منصورہ کا ایک نام نہیں بتایا بلکہ مختلف نام لئے ہیں۔ یعنی اہل علم، اہلحدیث، اصحاب الحدیث، حملۃ العلم (یعنی علم کے حاملین)۔ ان ناموں میں اگرچہ معنی کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں لیکن ناموں کا مختلف ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے اہل علم یا اہل حدیث یا اصحاب الحدیث یا مختصر لفظوں میں محدثین کرامؒ مراد ہیں۔

سلف کی تحریروں میں اہلحدیث سے مراد محدثین کرامؒ ہیں

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ سلف صالحین کی تحریروں میں جہاں بھی ''اہلِ حدیث'' کا لفظ آیا ہے وہ محدثین کرامؒ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ کسی فرقے کے لئے نہیں۔ کیونکہ فرقے میں تو جاہل اور ان پڑھ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ فرقے کے سارے لوگ اہل علم نہیں ہوتے۔ پھر ان کو اہل علم یا اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کیسے کہا جا سکتا ہے؟۔

علامہ محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ لکھتے ہیں

'' عرض ہے کہ لفظ اہلحدیث فن حدیث کے خدام پر ہی بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اہلحدیث اور محدث مرادف ہیں۔ والمحدث من يشتغل بالسنةالنبوية (شرح نخبه لابن حجر)''۔ (مقالات حدیث ص ۵۲۶)۔

علامہ اسمٰعیل صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے کہ متقدمین کی تحریروں میں اگر کہیں اہلحدیث کا لفظ آیا ہے تو اس سے محدثین کرامؒ مراد ہوتے ہیں۔ نہ کہ موجودہ اہلحدیث فرقہ۔

اہل حدیث کے ایک اور مستند عالم، علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ''بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ اہلحدیث سے ہوا ہے اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مرجع ہر لقب کا یہی ہے''۔ (تاریخ اہلحدیث، ص ۱۲۸)۔

پانچویں گواہی

علی زئی صاحب کے ممدوح عبداللہ دامانوی صاحب بھی کئی مواقع پر اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ سلف صالحین کی تحریروں میں جہاں کہیں بھی

اہلحدیث کا لفظ آیا ہے اس سے محدثین کی جماعت مراد ہے۔ وہ اپنے کتابچہ ''الفرقۃ الجدیدہ'' میں لکھتے ہیں۔

''محدثین کی جماعت کو اہل الحدیث کہا جاتا ہے''۔ (ص ۷)۔

''آج تک کسی مسلم عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ ''اہل الحدیث'' سے مراد محدثین کی جماعت ہے''۔ (ص ۷)۔

امام مسلم نے بھی محدثین کو اہل الحدیث کہا''۔ (ص ۷ حاشیہ)۔

ایسی مثالیں اور بھی بہت ساری دی جاسکتی ہیں لیکن حرفِ آخر کے طور پر ہم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی صرف ایک تحریر نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے یہ بات بالکل واضح ہوجائے گی کہ متقدمین کی تحریروں میں جہاں بھی اہلحدیث یا اصحاب الحدیث کا نام آتا ہے اس سے کوئی فرقہ نہیں بلکہ محدثین کرامؒ مراد ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

و اما الخطا فلا يعصم من الاقرار عليه الا نبیّ و اهل الحديث يعلمون ان مثل الزهری و الثوری و مالك و نحوهم من اقل الناس غلطاً فی اشياء خفيفة لا تقدح فی مقصود الحديث و الغالب عليهم الحفظ و الضبط (منهاج السنة : ۱۱۲/٤ ۔ **نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری، ۱٦٦)**

یعنی غلطی سے معصوم بجز نبی کے اور کوئی نہیں، اور اہلحدیث جانتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے تسامحات تو امام زہری، سفیان ثوری اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے بھی ہوگئے، لیکن ایسی لغزشیں مقصد حدیث کے لئے باعث قدح نہیں ہیں، کیونکہ حفظ وضبط حدیث میں وہ پختہ ہیں۔ (نصرۃ الباری ص ۱٦٦، بحوالہ منہاج السنۃ)۔

قارئین کرام مندرجہ بالا عبارت غور سے پڑھیں۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''اہلحدیث جانتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے تسامحات تو امام زہری، سفیان ثوری اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم سے بھی ہوگئے''۔ امام ابن تیمیہؒ کی اس عبارت میں ''اہلحدیث'' سے کون مراد ہیں؟۔ ظاہر ہے اس سے آجکل کا اہلحدیث فرقہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اہلحدیث فرقے میں تو بہت سے جاہل اور ان پڑھ بھی شامل ہیں جنہوں نے امام زہریؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا نام بھی کبھی نہ سنا ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ متقدمین کے اقوال میں جہاں کہیں بھی اہلحدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہاں اس سے محدثین کرامؒ مراد ہوتے ہیں۔ اہلحدیث فرقہ مراد نہیں ہوتا جس کا اُس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری،

علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی اور علامہ اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ جو اہلحدیث کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں ان کی مندرجہ بالا تحریریں اس بات پر گواہ ہیں۔

الحق ما شهدت به الاعداء

(چھٹی گواہی)

حافظ زبیر علی زئی مسلمین کے سخت مخالف تھے اور اہلحدیث نام کا بڑے زور شور سے دفاع کرتے تھے۔لیکن آخر کار ان کے قلم سے بھی حق بات نکل ہی گئی۔اور یہ فرقہ اہلحدیث ہی کی پانچویں گواہی ہوگئی۔وہ لکھتے ہیں

''ان ائمہ مسلمین کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اصحاب الحدیث: اہل العلم، اہلِ حدیث (یعنی محدثین) ہیں اور اسی پر اجماع ہے''۔(اہلِ حدیث ایک صفاتی نام ص ۶۰)۔

الحمدللہ۔ہم بھی یہی بات کہتے ہیں۔

ساتویں گواہی

ایک اور اہل حدیث عالم عبدالرحمٰن ثاقب رقم طراز ہیں۔

''علامہ عراقی لکھتے ہیں ''چوتھی صدی ہجری تک کے مسلمان خواہ وہ ناخواندہ تھے یا خواندہ، عالم تھے یا جاہل، فرقہ بندی اور گروہ بندی سے مامون و محفوظ تھے۔صرف قرآن وحدیث پر عمل پیرا تھے۔اس وقت تقلید شخصی کا وجود نہ تھا۔سب لوگ مسلمان (مسلم۔سلیمان) ہی کہلاتے تھے''۔(تذکرہ اکابرین اہل حدیث، ص۹۵)۔

اہلحدیث کون ہے؟

زبیر علی زئی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

سرفراز خان صفدر گکھڑوی نے لکھا ہے '' اس سے آشکارا ہوگیا کہ ہر وہ شخص اہلحدیث ہے جس نے تحصیل اور طلب حدیث کا اہتمام کیا ہو اور حدیث کے لئے سعی اور کاوش کی ہو، عام اس سے کہ وہ حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی حتی کہ شیعہ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اہلحدیث ہے''۔اس عبارت میں خان صاحب نے محدثین کرام کو اہلحدیث کہا ہے لیکن انہوں نے شیعہ وغیرہ کو بھی اہلحدیث قرار دیا

ہے جو کہ دلائل کی روشنی میں باطل بلکہ ابطل الاباطیل ہے۔(اہل حدیث ایک صفاتی نام ص ۹)۔

صفدر گکھڑوی کی مندرجہ بالا عبارت علی زئی صاحب نے نقل کی ہے اور شیعوں کے متعلق بات چھوڑ کر ان کی باقی باتوں سے اتفاق کیا ہے۔ یہ عبارت تو خود علی زئی کے موقف کے خلاف ہے۔اس عبارت کے مطابق تو صرف وہ شخص اہلحدیث ہے جس نے ''تحصیل وطلب حدیث کا اہتمام کیا ہو اور حدیث کے لئے سعی و کاوش کی ہو''۔جبکہ علی زئی تو اس جاہل، ان پڑھ شخص کو بھی اہلحدیث کہتے ہیں جو فرقہ اہلحدیث میں شامل ہو اور اس کے لئے انہوں نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی ہے ''محدثین کے عوام یعنی حدیث پر عمل کرنے والے''۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص۹)۔

دوسری بات جو اس عبارت سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ اہلحدیث میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی یعنی کہ تمام مقلدین بھی شامل ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ اہلحدیث نام آپ نے دوسرے لوگوں سے امتیاز کے لئے رکھا ہے اور دوسری طرف اس نام میں آپ تمام مقلدین کو بھی اس میں شامل سمجھتے ہیں۔تو پھر امتیاز والی بات کہاں رہی؟۔

اور اگر آپ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ کو اہلحدیث سے خارج کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ انہیں منکرین حدیث سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تو اہلحدیث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرے۔ آپ نے خود ہی امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ''ہمارے نزدیک اہلحدیث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرے''۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص۱۴)۔تو اگر آپ حنبلی، شافعی وغیرہ کو اہلحدیث میں داخل نہیں سمجھتے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ انہیں منکرین حدیث یا دوسرے لفظوں میں غیر مسلم یا کافر سمجھتے ہیں۔تو پھر دوسروں کو تکفیریت کا الزام دینے والے، آپ خود کیا ہوئے؟۔

''محدثین کے عوام'' کی نئی اصطلاح

اہل حدیث فرقے کا وجود زمانۂ خیر القرون میں ثابت نہ کر سکے تو علی زئی صاحب نے ایک اور چال چلی۔اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی ''محدثین کے عوام''۔اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس خود ساختہ اصطلاح کی دلیل انہوں نے کتنی زبردست دی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

''احمد علی لاہوری نے فرمایا اہل حدیث نہ قادری ہیں اور نہ حنفی مگر وہ ہماری مسجد میں ۴۰ سال سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کو حق پر سمجھتا ہوں (ملفوظات طیبات)۔اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اہل حدیث سے مراد صرف محدثین کرام نہیں بلکہ ان کے عوام بھی اہلحدیث ہیں''۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۱۶)۔

آپ نے ملاحظہ کیا علی زئی صاحب نے ''محدثین کے عوام'' کی اصطلاح کو ثابت کرنے کے لئے کتنی زبردست دلیل دی ہے!

یہ کیسا تضاد ہے کہ جو صاحب بڑے بڑے ائمہ کے قول کو حجت نہیں مانتے وہ ایک معمولی حنفی عالم کی بات کو بطور دلیل پیش کررہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

جید علماء اہلحدیث کے متعلق علی زئی کی رائے

محمد حسن بٹالوی کو کون نہیں جانتا۔ وہ اولین اہلحدیث میں سے تھے اور فرقہ اہلحدیث کے بہت بڑے محسن اور مبلغ تھے۔ان کے متعلق علی زئی لکھتے ہیں

''بٹالوی صاحب رحمہ اللہ اہل حدیث عالم تھے لیکن اکابر میں سے نہیں تھے بلکہ ایک عام عالم تھے۔ان کی کتاب ''الاقتصاد'' مردود کتابوں میں سے ہے''

(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۴۶)۔

''وحید الزماں صاحب ہوں یا نواب صدیق حسن خان صاحب،نور الحسن ہو یا بٹالوی صاحب ہوں ان میں سے کوئی بھی اہلحدیث کے اکابر میں سے نہیں''۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۴۵)۔

ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت میں نواب صدیق حسن خان کا جو حصہ ہے اس سے کوئی احمق ہی انکار کرسکتا ہے۔انہوں نے احادیث کی کتابیں چھپوائیں،ان کے اردو تراجم کروائے۔حدیث کی کتابیں مفت تقسیم فرمائیں۔خود بھی بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں۔اللہ کی شان ہے کہ ان کے متعلق علی زئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اہلحدیث کے اکابر میں سے نہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب فرقہ اہل حدیث میں سے تھے ہی نہیں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں انہوں نے اپنے آپ کو کبھی اس فرقے کی طرف منسوب نہیں کیا۔

بہرحال بقول علی زئی اگر نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اہلحدیث کے اکابر میں سے نہیں تو پھر کیا زبیر علی زئی اور دامانوی صاحب جن کا نام علی زئی صاحب بڑی عزت سے لیتے ہیں اہلحدیث کے اکابر میں سے ہیں ؟۔ان کا نام

اس طرح لکھتے ہیں ''جناب محترم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ''۔ چلو علی زئی صاحب نے کسی کو تو اتنی عزت دی ورنہ وہ تو اتنے زبان دراز ہیں کہ انہوں نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ جو سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور سیدنا امام شافعیؒ کے استاد تھے ان تک کی شان میں بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''محمد بن الحسن الشیبانی بھی جرابوں پر مسح کا قائل تھا''۔ (ھدیۃ المسلمین ص ۱۹)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

'' محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (کذاب) نے اخبرنا داود۔۔۔کی سند فٹ کر رکھی ہے۔ دیکھئے موطا الشیبانی الکذاب (نصر الباری ص ۹۵)۔ اسی کتاب کے ص ۱۰۲ اور ص ۱۰۶ پر بھی موصوف نے امام محمد کے خلاف بڑی دریدہ دہنی کی ہے۔

کتاب ''مسئلہ فاتحہ خلف الامام'' میں تو متعدد مقامات پر امام محمدؒ کے خلاف انتہائی قابل اعتراض زبان استعمال کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''یہ شخص جسے ''امام محمد'' لکھا ہوا ہے محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے جو کہ مشہور کذاب ہے''۔ (مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص ۱۴۱)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''اس کا راوی محمد بن الحسن الشیبانی کذاب ہے'' (حوالہ سابق، ص ۱۳۰)۔

امام محمدؒ کا کیا مقام ہے۔

قال الذھبی فی میزان الاعتدال محمد بن الحسن الشیبانی ابو عبد اللّٰہ احد الفقھاء لینہ النسائی وغیرہ من قبل حفظہ و کان من بحور العلم و الفقہ قویاً فی مالك انتھیٰ و قال عبد اللّٰہ بن علی المدینی عن ابیہ فی حق محمد بن الحسن صدوق انتھیٰ وعن ابی رجاء عن محمویہ قال کنا نعدہ من الابدال

حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں محمد بن حسن شیبانی ابوعبداللہ فقہاء میں سے ہیں۔ امام نسائیؒ وغیرہ نے ان کے حافظے کی وجہ سے ان کو کمزور کہا ہے۔ وہ علم اور فقہ کے سمندروں میں سے تھے۔ اور امام مالکؒ سے روایت کرنے میں قوی تھے۔ اور امام ابن مدینیؒ نے ان کے حق میں فرمایا وہ سچے تھے۔ اور ابورجاء کہتے ہیں کہ محمویہ ان کو ابدال میں شمار کرتے تھے (مقدمہ موطا امام محمد)۔

امام یحییٰ بن معینؒ نے اگر امام محمدؒ کو کذاب کہا ہے تو امام علی بن مدینیؒ نے ان کو سچا کہا ہے۔ جب ائمۂ جرح وتعدیل میں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں کسی ایک امام کی جرح پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا کرنا انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دینا ہے۔ میرے خیال میں امام مالکؒ اور صاحب مغازی محمد بن اسحٰق بن یسار کا معاملہ علی زئی صاحب کے علم میں نہ ہوگا تبھی انہوں نے امام محمدؒ کے بارے میں ایسی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ ائمۂ جرح وتعدیل میں بعض اوقات راویوں کی ثقاہت کے بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر جن لوگوں کو اللہ نے فہم وفراست اور صحیح قوتِ فیصلہ سے نوازا ہے وہ ایسے راویوں کے بارے میں صحیح نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں۔

نیز یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مشہور ائمہ کے اوپر کوئی جرح مقبول نہیں۔ خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''محقق علماء جیسے حافظ ذہبیؒ، اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امت کے ائمہ کبار کے بارے میں کوئی جرح مقبول نہیں۔ غور کرو کہ ابراہیم نخعیؒ پر شعبیؒ نے کلام کیا ہے۔ ربیعؒ، ابوالزنادؒ اور اعمشؒ پر ابن شہاب زہریؒ نے کلام کیا ہے۔ امام مالکؒ نے محمد بن اسحاقؒ پر اور ابن ابی ذئبؒ نے خود امام مالکؒ پر جرح کی ہے۔ یحییٰ بن معینؒ کی امام شافعیؒ پر تنقید معلوم ہے۔ امام احمدؒ پر کرابیسیؒ نے جرح کی ہے۔ (راہِ اعتدال ص ۱۰۵)۔

علی زئی صاحب کی علمی خیانتیں

(۱) علی زئی لکھتے ہیں۔

''طائفہ منصورہ کی تشریح میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں یعنی اهل الحدیث یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔ (مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب)''۔ (اہل حدیث ایک صفاتی نام ص ۲۰ و ۴۸ و ۵۷)۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ''طائفہ منصورہ'' کی تشریح سیدنا امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح میں بیان فرمادی ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اور ایک بار پھر نقل کر دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں۔

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم " لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق یقاتلون " و هم اهل العلم (کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة۔

یہ باب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کہ ''میری امت میں ایک طائفہ ہمیشہ غالب رہے گا حق پر قتال کرتا رہے گا'' اور وہ اہل علم ہیں (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، باب ۱۰)۔

سیدنا امام بخاریؒ کی وہ تشریح جو خود آپ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے اُس تشریح کو چھوڑ کر خطیب بغدادی کی ایک غیر معروف کتاب سے امام بخاریؒ کی تشریح نقل کرنا ضرور کسی بدنیتی کی غمازی کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک امام بخاریؒ کی وہی تشریح معتبر ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

یہاں ایک مثال بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک (حنفی عالم) انوار خورشید نے فقہ مالکی کی مشہور کتاب ''المدوّنہ'' کے حوالے سے تحریر کیا کہ سیدنا امام مالکؒ رفع الیدین کے قائل نہ تھے۔ اس کے جواب میں علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔ ''امام مالکؒ کا حوالہ موطا سے نہیں بلکہ سحنون کی کتاب ''المدونۃ الکبریٰ'' سے رفع الیدین کی مخالفت میں نقل کیا ہے حالانکہ موطا امام مالک میں امام مالکؒ رفع الیدین کی حدیث لائے ہیں''۔ (نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین ص ۲۲۸)۔

جناب آپ نے بھی تو یہی حرکت کی جس پر آپ نے انوار خورشید صاحب پر اعتراض کیا تھا۔ آپ نے بھی تو امام بخاریؒ کا حوالہ صحیح بخاری کو چھوڑ کر دوسری کتاب سے نقل کیا ہے۔ تو کیا ہم بھی اسی طرح یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ ''امام بخاریؒ کا حوالہ صحیح بخاری سے نہیں بلکہ خطیب بغدادی کی کتاب مسألۃ الاحتجاج بالشافعی سے نقل کیا گیا ہے حالانکہ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ اس کی تشریح فرما چکے ہیں''۔

(۲) علی زئی نے سیدنا امام احمدؒ کا بھی ایک قول نقل کیا ہے۔

" صاحب الحديث عندنا من يستعمل الحديث"۔ پھر اس کا ترجمہ کیا ہے '' ہمارے نزدیک صاحب الحدیث وہ شخص ہے جو حدیث پر عمل کرتا ہے''۔ (اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۵۶ و ۱۲۵)۔ اول تو ''یستعمل'' کا ترجمہ ''عمل کرنا'' ہی محل نظر ہے۔ اگر امام احمدؒ کا مطلب وہ ہوتا جو علی زئی زبردستی ان کے ذمہ ڈالنا چاہتے ہیں تو امام احمدؒ '' يستعمل بالحديث '' کے بجائے " يعمل بالحديث " کے الفاظ استعمال فرماتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ '' يستعمل الحديث '' کے جامع الفاظ فرمائے جن الفاظ میں حدیث کو پڑھنا، پڑھانا، حدیث کو یاد کرنا، حدیث کی خدمت کرنا اور حدیث پر عمل کرنا سبھی کچھ شامل ہے۔

علی زئی صاحب آگے جو کچھ لکھتے ہیں وہ تو بہت ہی مضحکہ خیز ہے۔ وہ

لکھتے ہیں ''قولِ مذکور میں صاحب الحدیث سے مراد اہل الحدیث ہے''۔
(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۶۰)۔اس کے متعلق میں اور کیا کہوں بجز اس کے کہ ''اسی کو کہتے ہیں خواب میں چھیچھڑے نظر آنا''۔

(۳) علی زئی ایک جگہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

و نحن لا نعنی باھل الحدیث المقتصرین علی سماعه او کتابته او روایته بل نعنی بھم کل من کان احق بحفظه و معرفته و فھمه ظاھراً و باطناً و اتباعه ظاھراً و باطناً۔ اورہم اہلحدیث سے مراد صرف سامعین حدیث، کاتبین حدیث یا راویان حدیث ہی نہیں لیتے بلکہ ہم ان سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اسے کماحقہ یاد رکھتا ہے، ظاہری و باطنی معرفت وفہم رکھتا ہے اور باطنی وظاہری اتباع کرتا ہے۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۱۲۵۔۱۲۶)۔

یہ قول نقل کرنے کے بعد علی زئی لکھتے ہیں۔

''حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ قول سے بھی اہلحدیث کی دو قسمیں ثابت ہیں۔

۱۔عاملین بالحدیث محدثین کرام

۲۔حدیث پر عمل کرنے والے عوام''۔

(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۱۲۶)۔

قارئین غور فرمائیں کہ علی زئی کو اپنی خود ساختہ غلط اصطلاحات ''محدثین کے عوام'' یا ''حدیث پر عمل کرنے والے عوام'' کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے تو اہل حدیث کی تین صفات بیان فرمائی ہیں جو تمام اہلحدیث کو شامل ہیں۔اس میں عوام اور خواص کی کوئی تخصیص نہیں۔اور وہ صفات درج ذیل ہیں۔

۱۔جو اسے کماحقہ یاد رکھتا ہے۔

۲۔ظاہری و باطنی معرفت وفہم رکھتا ہے۔

۳۔باطنی وظاہری اتباع کرتا ہے۔

لیکن علی زئی صاحب نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے قول کے دو ٹکڑے کر دیئے۔جبکہ ہر ذی عقل بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کا قول اس باطل تقسیم کا ہرگز متحمل نہیں۔اگر اس طرح اہلحدیث کی تقسیم ہو سکتی ہے تو کل کوئی علی زئی صاحب جیسی سمجھ رکھنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس قول سے اہلحدیث کی تین قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔

فرقہ اہلحدیث کی حقیقت

علامہ خالد محمود صاحب لکھتے ہیں ۔

''اہلحدیث کا عنوان دو اصطلاحوں میں مختلف معانی کا حامل ہے۔(۱) اہلحدیث باصطلاح قدیم (۲) اہلحدیث باصطلاح جدید۔۔۔اصطلاح قدیم میں اس سے مراد وہ لوگ تھے جو حدیث روایت کرنے، پڑھانے، اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنے اور اس کی شرح میں مشتغل رہتے تھے۔انہیں محدثین بھی کہا جاتا تھا۔اور وہ واقعی اس فن کے اہل سمجھے جاتے تھے، سو اہل علم کی اصطلاح قدیم میں اہل حدیث سے مراد حدیث کے اہل لوگ تھے۔ اہل ادب، اہل حدیث، اہل تفسیر (اہل لغت) سب اسی طرح کی اصطلاحیں ہیں۔۔۔

حافظ محمد ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں۔و من المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عنى به و انقطع فى طلبه ۰۰۰۰ فهؤلاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا

(الروض الباسم ج ۱، ص ۱۲۲)

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ اہل حدیث اس طبقے کا نام ہے جو اس فن کے درپے ہو، اس کی طلب میں منہمک رہے۔ ایسے سب لوگ اہل حدیث ہیں خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں اس فن کے اعتبار سے اہلحدیث کہلاتے تھے۔ علامہ محمد ابراہیم صاحب میر بھی لکھتے ہیں:

بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ اہلحدیث سے ہوا ہے اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے۔ مرجع ہر لقب کا یہی ہے۔ (تاریخ اہلحدیث ص ۱۲۸)۔

اصطلاح جدید میں اہل حدیث سے مراد اہل علم کا کوئی طبقہ نہیں، بلکہ ایک خاص فقہی مسلک ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کا قائل نہیں۔ اہل حدیث کی یہ اصطلاح بہت

بعد کی ہے۔قرونِ وسطیٰ میں یہ کسی فقہی مسلک کا نام نہیں تھا۔ اصطلاح جدید میں اس سے مراد جماعت اہلحدیث ہے۔اس میں پڑھے ہوئے اور ان پڑھ دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔

آج کے عنوان میں ''اہلحدیث'' کا لفظ اسی جدید اصطلاح میں ہے اور اس سے مراد جماعت اہلحدیث ہے۔انہیں غیر مقلدین بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرات براہ راست حدیث سے انتساب کے مدعی ہیں۔سو یہاں اہلحدیث سے مراد حدیث کے ماننے والے نہیں جیسا کہ اس کی لفظی دلالت ہے۔کیونکہ حدیث کو تو سب مسلمان اپنے لئے حجت مانتے ہیں اور سب فرقے اس سے تمسک کے مدعی ہیں۔ جو حدیث کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔سو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ حدیث کو ماننے والا ہو اور باقی مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے اور ہیں وہ بھی مسلمان۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خود ایک بڑی غلطی ہوگی۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست!

حجیت حدیث کی بحث میں ہم کہہ آئے ہیں کہ جو شخص حدیث ماننے کا قائل نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔پس یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہاں ''اہلحدیث'' سے مراد ''حدیث کے ماننے والے نہیں لئے جاسکتے بلکہ وہ ایک خاص فرقہ ہے جو فقہی مسائل میں کسی امام کی پیروی کا قائل نہیں اور فروعات میں براہ راست حدیث سے انتساب کا مدعی ہے۔

عوامی سطح پر اگر اہلحدیث کے معنی ''حدیث کے ماننے والے'' کئے جائیں تو اس سے منکرین حدیث کو بہت قوت ملے گی اور وہ برملا کہیں گے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ جو بر صغیر پاک و ہند میں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، حدیث ماننے کا قائل ہے۔باقی سب مسلمان خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ان کے ہاں حدیث حجت نہیں اور اسے ماننا ضروری نہیں۔حدیث اگر سب مسلمانوں کے ہاں حجت سمجھی جاتی اور

اس کا ماننا سب مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہوتا تو ایک فرقے کا نام اہلحدیث کیوں ہوتا؟۔جواباً گزارش ہے کہ مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کو"اہلحدیث" موسوم کرنا پہلے دور سے بہت بعد کی اور ایک جدید اصطلاح ہے۔قرون وسطیٰ میں اس نام سے کوئی فقہی مسلک یا فرقہ معروف نہ تھا۔اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا اسی طرح صحیح نہیں جس طرح منکرین حدیث کا اپنے آپ کو اہل قرآن کہنا صحیح نہیں۔کیونکہ قرآن کریم کو تو سبھی مسلمان مانتے ہیں۔اس میں بھی کسی ایک کی کیا تخصیص؟۔ قرآن وحدیث کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا"
۔(آثارالحدیث، جلد دوم، ص۳۵۴)۔

اہلحدیث ایک فرقہ کی صورت میں

علامہ خالد محمود صاحب مزید لکھتے ہیں

"ابتداء میں اس جماعت کے لوگ کہیں اہلحدیث کہیں محمدی اور کہیں موحّد کہلاتے تھے۔جماعت کسی ایک نام سے متعارف نہ تھی۔ان کے مخالفین انہیں وہابی یا غیرمقلد کے نام سے موسوم کرتے تھے۔محمد حسین بٹالوی صاحب نے انگریزی حکومت کو درخواست دی کہ ان کے ہم خیال لوگوں کو سرکاری طور پر اہلحدیث کا نام دیا جائے۔اس کے بعد اس اصطلاح جدید میں اہلحدیث سامنے آئے اور ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے ایک مستقل مکتب فکر کی بنیاد پڑ گئی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے باہر اس نام سے (اہلحدیث با اصطلاح جدید) اب تک کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔ہندوستان کے مشہور عالم دین محمد شاہ صاحب شاہجہاں پوری لکھتے ہیں"پچھلے زمانے میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیرمقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے(الارشاد الیٰ سبیل الرشاد)۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت تک جماعت کسی

ایک نام سے موسوم نہ تھی۔محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوششوں سے یہ جماعت اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نام سے موسوم ہوئی۔عبدالمجید صاحب سوہدروی لکھتے ہیں ’’مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی۔لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا‘‘۔سر چارلس ایچی سن صاحب جو اس وقت پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے آپ کے خیر خواہ تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ ہند کو اس طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو منظور کرایا اور پھر محمد حسین صاحب نے سیکرٹری گورنمنٹ کو جو درخواست دی اس کے آخری الفاظ یہ تھے:۔استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں نافذ کیا جائے‘‘۔(آثار الحدیث، ج ۲، ص ۳۶۶)۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اہل حدیث ابتدا میں ایک فرقہ نہیں تھا بلکہ ایک تحریک تھی جس کا مقصد لوگوں کو تقلید شخصی سے نکال کر کتاب وسنت کی اتباع کی طرف بلانا تھا۔ان کا اپنا علیحدہ تشخص نہیں تھا۔ان کی علیحدہ مسجدیں نہیں تھیں۔شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ احناف کے ساتھ ہی انہی کی مساجد میں نماز پڑھتے تھے۔لیکن رفتہ رفتہ یہ تحریک جمود کا شکار ہوگئی اور اہل حدیث نے ایک فرقے کی شکل اختیار کر لی۔انہوں نے اپنی مساجد علیحدہ بنا لیں اور مقلدین کی مخالفت میں شدت اختیار کر لی۔مقلدین کے خلاف بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور تقاریر میں بھی مقلدین کی سخت مخالفت کی گئی۔

علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

’’کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی خارجیت، دیوبندیت،قادیانیت،غیر مقلدیت سب اس وقت کی پیداوار ہے جبکہ انگریز بہادر نے لال قلعہ پر مسیحی پرچم لہرایا۔

فرقہ غیر مقلدین جو آج اپنے کو اہلحدیث کہتا ہے یہ بھی اسی وقت کی پیداوار ہے۔چنانچہ کافی دنوں تک جماعتی طور

پر یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ اس نئے فرقے کا نام کیا ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ نیا نام نئی جماعت کے لئے تلاش کیا جاتا ہے۔ رحمانی صاحب! اگر میری باتوں پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو زحمت فرما کر ایک بار پھر اپنی تاریخ پیدائش کا جائزہ لیجئے۔ اور یہ فرمائیے کہ ابتداء آپکی جماعت کا نام کیا تھا؟

لیجئے میں آپ کی اس زحمت کو کسی حد تک آسان کئے دیتا ہوں کہ پہلے آپ لوگ ''محمدی'' تھے پھر بعد میں ''اہل حدیث'' ہو گئے، نہیں جانتا کہ مستقبل میں آپ لوگ اہلحدیث ہی اپنا نام رکھیں گے یا اہل......!'' (خون کے آنسو ص ۲۷۸)

۔

اہل حدیث اور اہل الحدیث

اردو اسلامی انسائیکلو پیڈیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے ''اہلِ حدیث'' اور ''اہل الحدیث'' میں فرق کیا ہے۔ ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ''اہل الحدیث'' اور ''اصحاب الحدیث'' سے محدثین کرامؒ مراد ہیں جبکہ ''اہل حدیث'' سے مراد برصغیر پاک و ہند کا نوزائیدہ (غیر مقلدین کا) فرقہ مراد ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

'' **اہلِ حدیث**۔ اس خاص نام یعنی اہلِ حدیث (نہ کہ اہل الحدیث) کی ابتدا تقریباً دو صدی قبل ہوئی۔ مگر اہلحدیث علماء اپنا سلسلہ قدیم اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث سے ملاتے ہیں۔۔۔۔

بطور ایک منظّم و معیّن و مخصوص گروہ اہلحدیث کا لقب یا اصطلاح اُس زمانے میں (خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں) اختیار کی گئی جب بعض مخالف جماعتوں نے اس جماعت کو بعض مشترک عقائد کی بنا پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب کر کے وہابی کہنا شروع کیا'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد دوم، ص ۵۸۰)۔

(۵) صفاتی نام

اہلحدیث ایک صفاتی نام

اہل حدیث کا کہنا کہ یہ ہمارا صفاتی نام ہے تو پھر لازمی طور پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نام کس نے رکھا۔ قرآن وحدیث میں تو اس نام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ پھر یہ نام کہاں سے آ گیا؟۔ آپ کا تو دعویٰ ہے کہ آپ کے پاس اپنے ہر مسئلے کی دلیل قرآن وحدیث سے موجود ہے تو پہلے اپنے نام کا ہی ثبوت پیش کر دیجئے۔ آپ کے تو نام کا ہی قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں تو باقی مسائل تو بعد کی بات ہے۔

''ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم'' کی تردید کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔

'' اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ''اللہ'' ہے اور اس کے بہت سے صفاتی نام ہیں۔ مثلاً رب، الرحمٰن، الرحیم، العلیم ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے ان صفاتی ناموں کو بھی ''نام'' ہی کہا گیا ہے''۔

''ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے ''اسماء'' یعنی نام ہیں: مثلاً احمد، الماحی، الحاشر، العاقب، وغیرہ''۔

''قرآن وحدیث کے ان دلائل سے معلوم ہوا کہ صفاتی نام بھی نام ہی ہوتا ہے''۔ (اہلِ حدیث ایک صفاتی نام ص ۶۵)۔

دوسرا سوال یہ کہ اگر آپ کے بقول صفاتی نام بھی نام ہی ہوتا ہے تو کیا صفاتی نام ذاتی نام کی جگہ لے سکتا ہے؟۔ اگر کوئی غیر مسلم اسلام لائے تو کیا وہ اسلام لانے کے لئے اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله کے بجائے اشهد ان لا اله الا العليم و اشهد ان الحاشر رسول الله پڑھ سکتا ہے؟۔ کیا " لا اله الا الرب ،الماحی رسول الله " کلمہ طیبہ لا الہ الا الله محمد رسول الله کی جگہ لے سکتا ہے؟۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

علی زئی نے مسلمین کے اور بھی بہت سے صفاتی نام لکھے ہیں۔ مثلاً المومنون، حزب اللہ، اولیاء اللہ، المہاجرین، الانصار، السابقون الاولون، ربانیین، الفقراء، الصالحین، الشہداء، الصدیقون، امۃ محمد، الغرباء طائفہ، حواریون، اصحاب، الخلیفہ، اھل القرآن، اہل اللہ، معشر قریش وغیرہ وغیرہ۔ (اہلحدیث

ایک صفاتی نام ص ۶۳ و ۶۴)۔

ماشاءاللہ۔ مسلمین کے نام تو آپ نے بہت سارے گنوادیئے لیکن حیرت ہے کہ آپ ان میں سے کسی بھی نام سے اپنے کو پکارنا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے کو ایک ایسے نام سے پکارتے ہیں جس نام کا قرآن وحدیث میں کہیں وجود نہیں۔ پھر کس منہ سے آپ دعویٰ کرتے ہیں اتباع قرآن وحدیث کا؟۔

ان کے اس طرز استدلال سے مجھے مقلدین کی یاد آجاتی ہے۔ مقلدین سے جب چار اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی دلیل مانگی جاتی ہے تو ان کی ایک دلیل یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الیٰ ابی بکرؓ و عمرؓ

تم اقتداء کرنا ان کی جو میرے بعد ہیں۔ اور آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسند امام احمد ج ۶، رقم ۲۲۷۶۵، ترمذی ۳۶۶۳، ابن ماجہ ۹۷)۔

دلیل ان سے مانگی جاتی ہے چار اماموں کی تقلید کی اور جواب ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو کہتے ہیں سوال از آسماں جواب از ریسماں۔ ہمارا سوال کچھ ہے اور ان کا جواب کچھ اور۔

آپ نے یہ مثل تو سنی ہوگی کہ ایک بھوکے سے سورج اور چاند کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا۔

ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

(نظیر اکبرآبادی)

اسی طرح جب اہلحدیث سے ''اہل حدیث'' نام کا ثبوت مانگا گیا تو بجائے اس کے وہ اہلحدیث نام کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کرتے انہوں نے ماشاءاللہ اتنے سارے نام گنوادیئے۔ مگر ان میں ''اہلحدیث'' نام شامل نہیں۔ ہم نے تو ان سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ تمہارا نام اہلحدیث کس نے رکھا تو ان کا جواب ہے کہ اللہ نے ہمارے نام مہاجرین، انصار، صالحین، غرباء وغیرہ وغیرہ رکھے ہیں۔ گویا اس طرح انہوں نے بزبان حال یہ اعتراف کرلیا کہ ان کے پاس ''اہلحدیث'' نام کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر ان کے پاس اہلحدیث نام کا ثبوت ہوتا تو انہیں اتنے سارے نام پیش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ ان سے صرف ایک ہی نام کا ثبوت درکار تھا بس اس کا ثبوت دے دیتے۔ یہی کافی

تھا۔لیکن ان کی بے بسی یہی تھی کہ اس نام کا ثبوت کہاں سے پیش کریں۔اس نام کا ثبوت تو قرآن وحدیث میں کہیں ہے ہی نہیں۔

علی زئی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''مسلمانوں کے بہت سے نام اور القاب ہیں۔مثلاً مہاجرین، انصار، صحابہ، وتابعین وغیرہ۔ایک صحیح حدیث میں آیا ہے فادعوا بدعوی اللّٰہ الذی سماکم المسلمین المؤمنین عباد اللّٰہ ۔پس پکارو اللہ کی پکار کیساتھ جس نے تمہارے نام مسلمین، مومنین (اور) عباداللہ رکھے ہیں''۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص۱۹)۔

علی زئی صاحب نے جو نام گنوائے ہیں ان میں سے کسی نام کا اطلاق پوری امت پر نہیں ہوسکتا۔مثلاً مہاجرین وانصار کے نام لے لیجئے۔اگر یہ مسلمانوں کے نام ہیں تو کیا آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو انصار کہہ سکتے ہیں؟۔کیونکہ بقول آپ کے یہ مسلمانوں کا نام ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مسلم تھے۔اور کیا آپ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت ابو طلحہؓ کو مہاجر کہہ سکتے ہیں؟۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا ذاتی نام وہی ہوسکتا ہے جس کا اطلاق کسی ایک طبقے پر نہیں بلکہ تمام مسلمین پر ہوسکے تاکہ مسلمین میں یکجہتی قائم رہے اور ہر قسم کے اختلاف وانتشار اور گروہی تعصب کا سد باب ہوجائے۔

لیکن اس کے برعکس علی زئی صاحب اور دامانوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یہ سب نام مسلمین کے نام ہیں لہٰذا ان کو ان ناموں سے پکارو۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث قابل غور ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین کے ایک شخص کا کسی انصاری کے ساتھ کچھ جھگڑا ہوگیا۔انصاری شخص نے انصار کو آواز دی اے انصار اور مہاجر شخص نے مہاجرین کو آواز دی اے مہاجرین۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپؐ نے فرمایا ما بال دعوی جاھلیة؟ یہ جاہلیت کے زمانے کی پکار کیسی؟۔جب آپ کو سب بات بتائی گئی تو آپؐ نے فرمایا " دعوھا فانھا خبیثه [منتنة] "۔اس پکار کو چھوڑ دو۔بے شک یہ پکار بڑی خبیث اور بدبودار ہے۔(صحیح بخاری ۴۹۰۵ و۳۵۱۸، صحیح مسلم ۶۵۸۲ و۶۵۸۳)۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''ہماری بحث صفاتی نام سے نہیں۔صفاتی نام ذاتی نام نہیں بن سکتے۔ ہمارا دعویٰ اچھی طرح سن لیجئے اور وہ یہ ہے:۔کسی صفاتی نام کو فرقہ وارانہ امتیازی

نام کی حیثیت دینا نئے فرقے کو جنم دینا ہے۔ ہم تو فرقہ وارانہ امتیازی ناموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ عالم کو عالم کہا جاسکتا ہے لیکن وہ اس کا ذاتی وامتیازی نام نہیں بن سکتا۔'' (الفرقۃ القدیمہ ص ۸)۔

عبداللہ دامانوی صاحب نے بھی جماعت المسلمین کے خلاف ایک کتابچہ لکھا تھا ''الفرقۃ الجدیدۃ''۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فادعوا بدعوی اللہ الذی سماکم المسلمین المؤمنین عباد اللہ۔ پس پکارو اس اللہ کی پکار کے ساتھ جس نے تمہارا نام مسلمین۔ مومنین۔ عباد اللہ رکھا ہے'' (الفرقۃ الجدیدہ ص ۱۵)۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

'' یہ ترجمہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جبکہ قرآن مجید میں صرف هُوَ سَمَّا كُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج۔۷۸) ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی ''هُوَ سَمّاكم المؤمنينَ'' یا ''هو سماكم عباد الله'' نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان ناموں سے اللہ تعالیٰ نے پکارا ہے، یہ مسلمین کے صفاتی نام ہیں تو بحث صفاتی نام کی نہیں ہے۔ ذاتی نام کی بحث ہے۔ معاملے کو الجھا کیوں رہے ہیں۔ مزید برآں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفاتی نام یا القاب بھی وہی ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ الغرض آپ کا نام اس لحاظ سے بھی غلط ہوا کہ کیونکہ یہ نام نہ اللہ تعالیٰ نے رکھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ آپ کو چاہئے کہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے مذہبی نام کو کالعدم کردیں۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ آپ کی''۔ (الجماعۃ القدیمہ ص ۸، جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۱۱)۔

یہی عبداللہ دامانوی صاحب اپنے ایک اور پمفلٹ میں لکھتے ہیں۔

''اس آیت (یعنی هُوَ سَمَّا كُمُ الْمُسْلِمِيْنَ) سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے۔ (پمفلٹ مسعود احمد بی ایس سی کی حقائق سے چشم پوشی ص ۲)۔

قارئین کرام قرآن مجید کے سارے مستند ترجمے دیکھ لیجئے۔ اس آیت کے ترجمے میں کہیں بھی آپ کو دامانوی صاحب کا اضافہ کردہ لفظ ''بھی'' نہیں ملے گا۔ اتنی جرات صرف دامانوی صاحب جیسا متعصب اور ہٹ دھرم شخص ہی کر سکتا تھا۔ پھر مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ موصوف اپنے اسی پمفلٹ کے اگلے ہی صفحے پر لکھتے ہیں ''اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ہمارا نام مسلم ہی

ہے‘‘۔ یہ کیسا تضاد ہے!

علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔

’’سلف صالحین کے آثار سے پچاس حوالے پیش خدمت ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلحدیث کا لقب اور صفاتی نام بالکل صحیح ہے‘‘۔(اہلحدیث ایک صفاتی نام ص ۲۸)۔

میں کہتا ہوں کہ علی زئی صاحب اہلحدیث نام صحیح ہونے کے بارے میں صرف ایک آیت یا صرف ایک حدیث پیش کر دیتے تو کافی ہوتا اور ان کو سلف صالحین کے پچاس حوالے تلاش کرنے اور نقل کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ لیکن پھر بات وہی آتی ہے کہ اہلحدیث نام کا نہ تو قرآن مجید میں کوئی وجود ہے اور نہ احادیث کے ذخیرے میں کہیں یہ نام ملتا ہے۔ پھر اس نام کا ثبوت لائیں کہاں سے؟۔ ہائے رے بے بسی!

ہم تو کہتے ہیں کہ سلف صالحین کی تحریروں میں جہاں کہیں بھی اہلِ حدیث کا نام آیا ہے اس سے محدثین کرامؒ کی جماعت مراد ہے نہ کہ موجودہ زمانے کا اہلحدیث فرقہ جس کا سلف صالحین کے زمانے میں کہیں وجود ہی نہیں تھا۔

(۶) امتیازی نام

جب اہلحدیث کہتے ہیں کہ یہ نام ہم نے دوسرے فرقوں سے امتیاز کے لئے رکھا ہے تو ایسا کہنے سے ان کے سارے سابقہ دعوے خود بخود غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے سے ہیں۔ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا اور اگر ان کی جماعت واقعی صحابہؓ کرامؓ کے زمانے سے ہوتی تو پھر امتیاز کی ضرورت انہیں نہ ہوتی۔ بلکہ امتیاز کی ضرورت ان فرقوں کو ہوتی جو ان کی جماعت سے علیحدہ ہوتے۔ لیکن یہاں تو معاملہ الٹ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ دعویٰ کہ یہ صحابہؓ کرامؓ کے زمانے سے ہیں بالکل غلط ہے۔ اس کے برعکس اس کا مطلب تو صاف طور پر یہ ہے کہ یہ لوگ خود مسلمین کی جماعت سے علیحدہ ہوئے اسی لئے ان کو امتیازی نام کی ضرورت ہوئی۔

(۷) کیا ''حدیث'' سے قرآن وحدیث دونوں مراد ہیں؟

اب اہل حدیث کے اس دعوے کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں کہ ان کا نام بہت جامع ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو بھی حدیث کہا جاتا ہے لہٰذا ان کے نام 'اہلحدیث' کا مطلب ہے قرآن وحدیث دونوں پر عمل کرنے والا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ قرآن مجید کو حدیث بالکل نہیں کہا جاتا۔ اہلحدیث حضرات کی اطلاع کے لئے ہم ذیل میں ''حدیث'' کی تعریف نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

''الحدیث النبوی عند الاطلاق ینصرف الی ما حُدّث به عنه بعد النبوّةِ من قوله و فعله و اقراره ---و قد یدخل فیها بعض اخباره قبل النبوة و بعض سیرته قبل النبوّةِ مثل تحَنُّثِه بغار حراء و مثل حسن سیرته''۔ لفظ ''حدیث نبوی'' اگر بغیر کسی قید کے بولا جائے تو اس سے وہ باتیں مراد ہوں گی جو نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئیں۔ خواہ وہ آپؐ کا قول ہو یا فعل یا تقریر۔۔۔اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کے بعض واقعات اور آپؐ کی سیرت کے بعض اخبار بھی داخل ہیں۔ مثلاً غارِ حراء میں آپؐ کا عبادت کرنا اور آپؐ کی حسنِ سیرت۔۔ (علمِ حدیث اور اس کا ارتقاء، ص۱۴ بحوالہ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام، ج۱۸، ص ۶ تا ۱۰)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔ لکھتے ہیں۔

المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یُضاف الی النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم و کأنه ارید به مقابلة القرآن لانه قدیم ۔ عرفِ شرعی میں حدیث وہ بات ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔ گویا کہ یہ لفظ قرآن کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ قدیم ہے۔ (علمِ حدیث اور اس کا ارتقاء ص۱۲ وعلوم الحدیث ڈاکٹر صبحی صالح ص۱۹، بحوالہ تدیب الراوی)۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں۔

و الحدیث---اصطلاحاً ما اُضیف الی النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم قولاً له او فعلاً او تقریراً او صفةً حتی الحرکات و السکنات فی الیقظة و المنام ۔ (شرعی) اصطلاح میں حدیث اس چیز کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، خواہ وہ آپؐ کا قول ہو یا فعل یا تقریر یا کوئی صفت حتی کہ جاگنے اور سونے میں آپؐ کی حرکات وسکنات بھی (اس میں داخل

ہیں)۔(فتح المغیث، ج۱، ص ۱۰)۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں

هو علم يعرف به اقوالُ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم و افعاله و احواله ۔ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال معلوم کئے جائیں۔(محاضراتِ حدیث ص ۱۹)۔

ملا علی قاری حدیث کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

نقل ما صدر و ظهر عن النبىّ صلى اللّٰه عليه و سلم قولاً و فعلاً اَو تقريراً اَو وصفاً اَو نعتاً خلقياً ۔ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی یا ظاہر ہوئی، قولاً اور فعلاً یا تقریراً یا وصفاً یا نعتاً خلقیاً وہ حدیث ہے۔(شرح شرح نُخبۃ الفکر)۔

ابوالبقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی لکھتے ہیں۔

الحديث اسم من تحديث الاخبارثم سمى به قول او فعل او تقرير نسب الى النبى عليه الصلوٰة و السلام۔ حدیث اسم ہے تحدیث سے جس کے معنی ہیں خبر اور اطلاع دینا۔ پھر ہر اس قول، فعل یا تقریر کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو یہی نام دیا گیا۔(علمِ حدیث اور اس کا ارتقاء، ص ۱۳ بحوالہ قواعد التحدیث، علوم الحدیث و مصطلحہ، وکلیات ابی البقاء)۔

علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں۔

قال الكرمانى والمراد بالحديث فى عرف الشرع ما يُضاف الى النبىّ صلى اللّٰه عليه و سلم كأنه لوحظ فيه مقابلة القرآن لأنه قديم و هذا حديث۔ علامہ کرمانیؒ لکھتے ہیں ”عرفِ شرع میں حدیث سے مراد وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جائے گویا اس لفظ (حدیث) میں قرآن سے مقابلے کا لحاظ رکھا گیا ہے، کیونکہ قرآن قدیم ہے اور یہ (یعنی اقوال و افعالِ رسولؐ) حادث ہیں۔(فیض القدیر، ج۱، ص ۲۶)۔

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں۔

”حضورؐ کی تعلیمات (قولی، فعلی اور تقریری) معرض بیان میں ہوں تو حدیث ہیں اور معرض عمل میں ہوں تو سنت کہلاتے ہیں“۔

”عربی میں لفظ حدیث قدیم کے مقابلے میں بھی ہے۔ قدیم پرانے کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے میں قرآن پاک کلام، الٰہی ہے جو اللہ کی صفت ہے اور کلام قدیم ہے۔ یہ مخلوق نہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حدیث ہے قدیم نہیں۔ آپؐ بھی اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپؐ کی ذات حادث

ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ قدیم کا کلام قدیم ہوگا اور ذاتِ حادث کے کلام کو حدیث
کہیں گے۔ قرآن پاک کا غیر مخلوق ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ سو
ضروری تھا کہ علمِ اسلامی کا دوسرا سرچشمہ حدیث کہلائے تا کہ کلامِ خالق اور کلامِ
مخلوق میں اصولی فرق عنوان میں بھی باقی رہے''۔ (آثار الحدیث، ج ۱ ص ۳۵)

۔ مندرجہ بالا دو اقوال کی روشنی میں تو قرآن مجید کو حدیث کہنا صحیح نہیں۔

خود زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔

''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی متلو (وحی جلی) ہے جبکہ حدیث نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کا فعل وفرمان''۔ (تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات، ج ۳ ص ۱۸)۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔

''حدیث کی مختصر ترین اور جامع ترین تعریف یہ ہے جو ایک بڑے
محدث نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کُلُّ ما اُضیف الی النبیّ علیه الصلوٰة و
السلام فھو حدیث۔ ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے
نسبت رکھتی ہے وہ حدیث ہے''۔ (محاضراتِ حدیث ص ۲۰)۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''شرعی اصطلاح میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل
اور تقریر کو کہتے ہیں'' (اصولِ حدیث ص ۵)۔

اوپر ہم نے متعدد علماء وائمۂ فن کے اقوال نقل کئے ہیں جن کے
مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وتقریرات کو حدیث کہا جاتا
ہے۔ کسی ایک امام نے یا عالم نے یہ نہیں کہا کہ قرآن مجید کو بھی حدیث کہتے ہیں۔
اس کے برعکس آپ جو اپنے آپ کو سلف صالحین کے مسلک و منہج پر ہونے کا
دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ سلف صالحین میں سے کسی ایک کا قول تو ایسا پیش کر دیجئے
جس نے کہا ہو کہ ''حدیث'' قرآن مجید کو بھی کہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے نہ تو آپ
ایسا کوئی قول پیش کر سکیں گے اور نہ ہی اپنی ہٹ دھرمی چھوڑیں گے۔

یہاں میں زبیر علی زئی کے ہی الفاظ میں (تھوڑا سا ردوبدل کر کے)
کہوں گا کہ

''ہمارے علم کے مطابق فرقہ اہلحدیث سے پہلے امتِ مسلمہ میں
(زمانہ خیر القرون ہو، زمانہ تدوین حدیث ہو یا زمانہ شروح احادیث) کسی عالم
نے بھی یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ حدیث سے قرآن مجید بھی مراد ہے''۔ (ص ۶۲)

کیا قرآن مجید میں قرآن کو حدیث کہا گیا ہے؟

اہلحدیث کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں قرآن مجید کو حدیث کہا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں ان کے دوسرے دعووں کی طرح یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی لکھتے ہیں۔

''**قرآن کریم میں لفظ حدیث کے استعمالات**

وہ کلمات جن میں لفظ حدیث کے بنیادی حروف یعنی (ح۔د۔ث) موجود ہیں قرآن کریم میں ۳۶ مرتبہ ذکر ہوئے ہیں۔ جبکہ لفظ ''حدیث'' اٹھارہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح لفظ ''حدیثاً'' پانچ مرتبہ اور ''احادیث'' بھی پانچ مرتبہ مذکور ہے۔

جہاں تک لفظِ حدیث کا تعلق ہے تو یہ قرآن کریم میں پانچ معانی پر دلالت کرتا ہے جس کی تفصیل اور مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) حدیث بمعنی اخبار و آثار، مثلاً ارشادِ ربانی ہے۔

﴿أَ تُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۔ البقرة ٧٦﴾

(۲) **حدیث بمعنی قول:** ﴿ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً۔ النساء ٨٧﴾

(۳) **حدیث بمعنی کلام:** مثلاً ﴿ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ۔ الطور ٣٤﴾۔

(۴) **حدیث بمعنی قصہٴ عبرت آموز۔** مثلاً ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ الزمر ٢٣﴾

(۵) **حدیث بمعنی عبرت:** مثلاً ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ۔ سبا ١٩﴾ (علم حدیث اور اس کا ارتقاء۔ ص۱۰۔۱۱)۔

اب ذیل میں ہم وہ آیات درج کرتے ہیں جن میں لفظ ''حدیث'' سے اہلحدیث حضرات ''قرآن مجید'' مراد لیتے ہیں یا لے سکتے ہیں اور ان آیات کے سامنے یہ بھی تشریح کی گئی ہے کہ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں۔

(۱) اَللّٰه نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (الزمر ٢٣)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو صرف ''حدیث'' نہیں کہا بلکہ ''احسن الحدیث'' کہا ہے۔ حدیث میں بھی قرآن مجید کو حدیث نہیں

بلکہ ''خیرالحدیث'' کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم ۲۰۰۵)ایک اور حدیث میں
قرآن مجید کو ''اصدق الحدیث'' کہا گیا ہے۔(نسائی ۱۵۷۹)۔پس معلوم ہوا
کہ قرآن مجید کو صرف حدیث نہیں کہا جا سکتا بلکہ یا تو احسن الحدیث کہا جا سکتا ہے یا
خیرالحدیث یا اصدق الحدیث۔

یہ اہلحدیث کے استدلال کا جواب ہے۔ورنہ ہم تو یہ کہتے ہیں
کہ حدیث کے لغوی معنی بات کے ہیں اور یہاں حدیث کا لفظ لغوی معنی میں
استعمال ہوا ہے۔احسن الحدیث یعنی سب سے اچھی بات،اصدق الحدیث یعنی
سب سے سچی بات۔ اسی طرح قرآن مجید میں فضول باتوں یا گانے بجانے
کے واسطے ﴿ لهو الحديث (لقمان ٦)﴾ آیا ہے یعنی لہو اور فضول بات۔
بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقامات پر حدیث کا لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے اور
لغت میں حدیث کے معنی صرف بات کے ہیں خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔اب
اگر حدیث کا لفظ لغوی معنی میں استعمال کیا جائے گا تو قرآن مجید کو حدیث نہیں بلکہ
احسن الحدیث،خیرالحدیث وغیرہ کہا جائے گا اور اگر حدیث کا لفظ شرعی اصطلاح
میں استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اقوال وافعال وتقریرات مراد ہوں گے۔قرآن مجید ہرگز مراد نہ ہوگا۔اس بات کا
ثبوت اپنی زندگی میں ہم اور آپ سب ہی روزمرہ دیتے رہتے ہیں۔مثلاً آپ اپنی
تحریروں اور تقریروں میں کہتے ہیں''قرآن وحدیث''۔کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ
قرآن علیحدہ چیز ہے اور حدیث علیحدہ۔اگر بقول آپ کے قرآن مجید بھی حدیث
ہے تو آپ کو قرآن وحدیث کہنے کی کیا ضرورت ہے۔صرف حدیث کہہ
دیجئے۔اس میں آپ کے بقول قرآن مجید خود بخود شامل ہو جائے گا۔اسی طرح ہم
بچپن سے اہلحدیث علماء کی تقریریں سنتے آئے ہیں اور اب بھی سنتے رہتے ہیں
۔وہ اپنی تقریروں میں کہتے ہیں''اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے''۔کسی سے یہ
نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ حدیث میں فرماتا ہے۔اسی طرح اگر کہیں قرآن مجید رکھا ہوا
ہے تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ قرآن مجید ہے،یہ نہ کہیں گے کہ یہ حدیث کی کتاب
ہے۔اسی طرح اگر آپ کسی کتب فروش کے پاس قرآن مجید لینے جائیں گے تو اس
سے یہ نہیں کہیں گے کہ مجھے حدیث کی کتاب چاہئے بلکہ یہی کہیں گے کہ مجھے
قرآن مجید چاہئے۔کیونکہ آپ خود بھی اپنے دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ
قرآن مجید کو حدیث نہیں کہا جاتا۔مگر صرف جماعت المسلمین کے ساتھ کج بحثی اور
ہٹ دھرمی کرنے کے لئے آپ قرآن مجید کو بھی حدیث کہہ دیتے ہیں۔

(۲)۔فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (الاعراف ١٨٥)

(۳)۔فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ (المرسلت ٥٠)

''پھر وہ کس حدیث پر اس (قرآن) کے بعد ایمان لائیں گے؟''۔

(الاعراف۱۷۵ و المرسلات ۵۰)۔

ان آیات میں قرآن مجید کو حدیث نہیں کہا گیا بلکہ اس چیز کو حدیث کہا گیا ہے جس پر وہ لوگ قرآن مجید کو چھوڑ کر ایمان لائیں گے۔

(۴)۔ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَ اللّٰہِ و آیَاتِہٖ یُؤۡمِنُوۡن (الجاثیة ٦)

''پس وہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟''۔(الجاثیہ٦)۔اس آیت میں بھی جس چیز پر وہ لوگ ایمان لائیں گے اس چیز کو حدیث کہا گیا ہے۔قرآن مجید کو نہیں

(۵)۔ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ (الطور ٣٤)

پس چاہئے کہ وہ لے آئیں کوئی حدیث اس (قرآن) جیسی۔

(الطّور۳۴)۔اس آیت میں بھی قرآن مجید کو حدیث نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس چیز کو حدیث کہا گیا ہے جس کے لانے کا ان لوگوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

نیز یہ بات بھی مدنظر رہے کہ مندرجہ بالا سب آیات میں حدیث کا لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(٦)۔فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی آثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا (الکھف ٦)۔

(۷)۔ اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِیۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ (النجم ٥٩)

(۸)۔ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ (الواقعة ١٨)

(۹)۔ فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ (القلم ٤٤)

مندرجہ بالا چاروں آیات میں حدیث سے قرآن مجید مراد لینے کے لئے اسمِ اشارہ ''ھذا'' لایا گیا ہے اور " ھذا الحدیث" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔اگر " ھذا" کا لفظ نہ ہوتا تو اس سے قرآن مجید مراد نہیں ہوسکتا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ صرف ''حدیث'' کے لفظ سے قرآن مجید مراد نہیں ہو سکتا جب تک ''احسن الحدیث''، ''خیر الحدیث'' ''اصدق الحدیث'' یا اس کی طرف اشارہ کر کے'' ھٰذا الحدیث'' نہ کہا جائے۔

اہل حدیث یا اہل قرآن

(۱) حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللّٰہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن رواہ احمد و الترمذی و ابو داود و النسائی وابن ماجۃ و ابن خزیمۃ والحاکم و عبد

الرزاق و البیھقی و البغوی فی شرح السنة

بے شک اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتا ہے، پس تم وتر پڑھا کرو اے اہل قرآن (مسند امام احمد ۸۷۹ و ۱۲۱۸، ترمذی ۴۵۳، ابوداؤد ۱۴۱۶، نسائی ۱۶۷۶، ابن ماجہ ۱۱۶۹، صحیح ابن خزیمہ ۱۰۶۷، مستدرک حاکم ۱۱۵۹، مصنف عبدالرزاق ۴۵۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴۶۸/۲، شرح السنہ للبغوی ۱۰۲/۴)۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۲۹)۔

(۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''انَّ لِلّٰہِ اَھلینَ من النَّاسِ''۔ قالوا یا رسولَ اللّٰہِ من ھُم؟۔ قال'' ھم اَھلُ القرآن [ھم] اھلُ اللّٰہِ و خاصَّته''۔ رواہ احمد و ابن ماجة و الدارمی والحاکم و النسائی فی الکبری

''بے شک لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ والے ہیں''۔ صحابۂ کرامؓ نے کہا یارسول اللہ، وہ کون لوگ ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا'' وہ اہلِ قرآن (قرآن والے) ہیں۔ وہ اللہ والے ہیں اور اس کے خواص ہیں''۔ (مسند امام احمدؒ ۱۱۸۷۰، ۱۱۸۸۳، ابن ماجہ ۲۱۵، دارمی، مستدرک حاکم ۲۰۹۰)۔ اسے امام حاکمؒ اور بوصیری نے صحیح کہا (حاکم)۔ حافظ منذریؒ نے کہا و ھو اسناد صحیح۔ یہ صحیح سند ہے۔ (الترغیب والترہیب ۲۱۲۱) حافظ ہیثمیؒ نے بھی کہا اسنادہ صحیح۔ اس کی اسناد صحیح ہے (حاشیہ ابن ماجہ)۔ حافظ سیوطیؒ نے بھی اسے صحیح کہا (الجامع الصغیر ۲۳۷/۴)۔

مندرجہ بالا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمین کو ''اہل قرآن'' کہا ہے جس کا مطلب ہوا ''قرآن پر عمل کرنے والے''۔ اگر اہل حدیث کی منطق کو صحیح سمجھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''اہلِ قرآن'' کے بجائے ''اہل حدیث'' کہنا چاہئے تھا تاکہ بقول اہلحدیث حضرات اس میں قرآن و حدیث دونوں شامل ہو جاتے کیونکہ اہلِ حدیث کے مطابق حدیث کے لفظ میں قرآن و حدیث دونوں شامل ہیں۔ حالانکہ تجربہ شاہد ہے کہ اگر کہیں قرآن مجید رکھا ہو تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ حدیث کی کتاب رکھی ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اہلحدیث بھی اس طرح نہیں کہتا۔ اسی طرح جب اہلحدیث اپنی تحریر و تقریر میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے۔ کسی قرآنی آیت کے متعلق کبھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ حدیث میں فرماتا ہے۔ گویا اپنے عمل سے یہ خود ہی اپنے اس دعوے کی نفی کر دیتے ہیں کہ ''حدیث'' میں

قرآن بھی شامل ہے۔

اوپردرج شدہ احادیث سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فرقہ اہلحدیث کا وجود نہ تھا۔ ورنہ اگر اس زمانے میں اس فرقے کا وجود ہوتا تو اس فرقے میں سے کوئی تو بولتا کہ ''اہل قرآن'' کے نام کے بجائے ''اہل حدیث'' کا نام زیادہ موزوں ہے کیونکہ یہ نام زیادہ جامع ہے اور قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ''اہل قرآن'' نام کا بھی ثبوت احادیث سے مل جاتا ہے لیکن نہیں ملتا تو ''اہلحدیث'' نام کا ثبوت۔ اس کے باوجود بھی ان کے دعوے بہت بڑے بڑے ہیں۔

اہل سنت والجماعت

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ''حدیث'' کے لفظ میں قرآن مجید اور حدیث دونوں شامل ہیں تو یہ لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم کو صرف قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ قرآن وحدیث کے علاوہ بھی ایک اور چیز پر عمل کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے خلفائے راشدین کی سنت۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين ، تمسكوا بها و عضُّوا عليها بالنواجذ۔۔۔ رواه احمد و الترمذیُّ و ابو داود و ابن ماجة و الدارمی و ابن حبان و الحاكم و البيهقی و الطبرانی و الطحاوی و ابو نعيم

'' تم میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دانتوں سے مضبوطی سے دبا لینا ''۔(مسند امام احمد ۱۶۶۹۵، ترمذی ۲۶۷۶، ابوداؤد ۴۶۰۷، ابن ماجہ ۴۲، دارمی ۹۵، ابن حبان ۵، حاکم ۳۳۸، بیہقی ۱۶۶۹۰، طبرانی ۴۶۰۷، طحاوی، ابونعیم)۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ، امام حاکمؒ، امام ابن عبدالبرؒ، حافظ ذہبیؒ اور حافظ سیوطیؒ نے صحیح کہا ہے

معلوم ہوا کہ ہدایت پر قائم رہنے کے لئے قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں۔ فعلی المؤمن اتباع السنةِ و الجماعةِ، فالسنةُ ما سنَّه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم و الجماعة مااتفق علیه اصحابُ رسولِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ۔

مومن پر سنت اور جماعت کی پیروی لازم ہے۔ سنت تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور جماعت وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا۔(غُنیۃ الطالبین)۔

احادیث میں بھی قیامت کے روز نجات پانے والے لوگوں کو ''جماعت'' کہا گیا ہے۔ دیکھئے کتاب ہذا صفحات ۱۱۷ تا ۱۲۰۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

ان المراد بالوصف المذکور اهل السنة و الجماعة ۔وصفِ مذکور سے ''اہلِ سنت والجماعت'' مراد ہیں۔(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۳۲۸، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنه، باب و کذلك جعلناکم امة وسطا)

معلوم ہوا کہ اہلحدیث نام جامع نام نہیں جیسا دعویٰ کیا گیا تھا بلکہ یہ ایک ناقص نام ہے۔ اگر انہیں جامع نام رکھنے کا ہی شوق تھا تو پھر انہیں چاہئے تھا کہ اپنا نام ''اہلحدیث'' رکھنے کے بجائے ''اہل سنت والجماعت'' کی طرح ''''اہل حدیث والجماعۃ'' رکھتے۔

اہل حدیث حضرات سے میرا سوال ہے کہ کیا ایک مومن کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے جامع و کامل نام کو چھوڑ کر اپنے لئے اپنا خود ساختہ نام پسند کرے وہ بھی اس صورت میں کہ اس کا اپنا رکھا ہوا نام اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے اور اللہ کے پسندیدہ نام کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کمتر اور ناقص ہو؟۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ

مسلمانوں کے تمام فرقوں سے ہماری گزارش ہے

آؤ اس نام کی طرف

(۱) جس نام کو ہم اور آپ سب مانتے ہیں

(۲) جو نام ہمارا اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے

(۳) جو نام کسی فرقے کی نشاندہی نہیں کرتا

(۴) جو نام پوری امت کو شامل ہے

(۵) جو نام پوری امت کے لئے قابل قبول ہے

(٦) جس نام پر سب کو جمع کیا جا سکتا ہے

(۷) جو نام امتِ مسلمہ کے اتحاد اور یکجہتی کا ضامن ہے

(۸) جو نام فرقہ بندی کو نیست و نابود کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

باب ششم

مجدد عصر

ہر صدی میں مجدد

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ "ان اللّٰہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" رواہ ابوداود و الحاکم والبیھقی فی معرفۃ السنن والآثا روفی المدخل والطبرانی فی الاوسط والبزا ر وابن عدی فی الکامل وأبونعیم والخطیب فی تاریخ بغداد وابو عمروالدانی فی الفتن والھروی فی ذم الکلام۔ قال الزین العراقی سندہ صحیح وقال السخاوی سندہ صحیح ورجالہ کلھم ثقات رجال مسلم و کذا صححہ الحاکم (المقاصد الحسنۃ ص ۱۳۷) والسیوطی فی الجامع الصغیر (فیض القدیر ج ۲، ص ۳۵۸، رقم ۱۸۴۵، کشف الخفاء رقم ۷۴۰، مجموعۃالفتاویٰ لابی الحسنات عبد الحی اللکھنوی ص ۱۱۶)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے ''رأس'' پر ایک شخص کو بھیجے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا'' (ابوداؤد ۴۲۹۱، مستدرک حاکم ۸۶۳۹، طبرانی اوسط، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، المدخل للبیہقی، بزار، کامل ابن عدی، ابونعیم، تاریخ بغداد للخطیب، الفتن لابی عمرو الدانی، ذم الکلام للھروی)۔

اسے امام احمدؒ، امام حاکمؒ، حافظ عراقیؒ، حافظ سخاویؒ اور حافظ سیوطیؒ نے صحیح کہا ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۱۳۷، الجامع الصغیر، فیض القدیر ج ۲ ص ۳۵۸ رقم ۱۸۴۵، کشف الخفاء رقم ۷۴۰، مجموعۃ الفتاویٰ لابی الحسنات عبدالحی اللکھنوی ص ۱۱۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ رقم ۵۹۹)

قال السیوطی فی مرقاۃ الصعود و کذا العلقمی فی شرح الجامع اتفق الحفاظ علیٰ تصحیحہٖ۔ سیوطی اور علقمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت پر حفاظ کا اتفاق ہے۔ (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۵۴)

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

وقد اعتمد الائمة هذا الحدیث فروینافی المدخل للبیهقی باسنادہٖ الی الامام احمد أنه قال بعد ذکرہ ایاہ فکان فی المائة الاولیٰ عمروفی الثانی الشافعی (المقاصد الحسنة ص ۱۳۷)۔ ائمہ نے اس حدیث پراعتماد کیا ہے۔پس امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ امام احمدؒ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور دوسری صدی کے مجدد حضرت امام شافعیؒ تھے (المقاصد الحسنہ ،ص ۱۳۷)۔

رأسِ کُلِّ مِائۃِ سَنَۃٍ

اس حدیث میں ہر صدی کے ''رأس'' سے کیا مراد ہے۔اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: ''رأسِ مائۃ سے باتفاقِ محدثین آخر صدی مراد ہے۔'' (مجموعۃ الفتاویٰ)

صاحب تنقیح لکھتے ہیں **قال فی مجمع البحار توفاہ علیٰ رأس ستّین أی اٰخرہٖ** . (تنقیح الرواۃ) ج ۱ ، ص ۵۴) . مجمع البحار میں ہے اگر یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کی وفات ساٹھ (۶۰) کے راس میں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ساٹھ کے آخر میں ہوئی۔

اس کے برعکس علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں **أی اول ورأس الشیٔ اعلاہ ورأس الشهر أولهٗ** (**فیض القدیر** ج ۱ ،ص ۱۴) یعنی ''رأس'' سے ''اول'' مراد ہے اور کسی چیز کا رأس اس کا سب سے اونچا حصہ ہوتا ہے اور مہینے کے راس سے مراد ہے مہینے کا اول۔

ان اقوال کے پیش نظر ''راس'' کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔اس سے اول یا آخر کچھ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

تجدیدِ دین سے کیا مراد ہے

علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں

یجدد لهاد ینهاأی یبین السنة من البدعة ویکثرالعلم و یکسر اهل البدعة ویذ لهم ۔یعنی دین کو نیا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممیّز کرے گا،علم کو زیادہ کرے گا،اہل بدعت کا توڑ کرے گا اور ان کو کمزور کرے گا (فیض القدیر،ج ۲،ص ۳۵۷)۔

قال العلقمی معنی التجدیداحیاء مااندرس من العمل من الکتاب والسنة والأمربمقتضاهما۔ علقمی کہتے ہیں ''تجدید'' کا معنی یہ ہے کہ

کتاب وسنت کی جن باتوں پر عمل متروک ہوگیا ہے ان کو زندہ کرے اور ان کے مقتضٰی کے مطابق حکم کرے (حاشیہ فیض القدیر، ج ۲، ص ۳۵۷)۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث بھی قابلِ غور ہیں:

عن جابربن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ " من سنَّ فی الاسلام سنَّةً حسنةً فله أجرها وأجرمن عمل بهابعده من غيرأن ينقص من اجورهم شیء ... " (رواه مسلم)۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کو جاری کیا تو اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو بھی اس طریقے پر عمل کرے گا ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔'' (صحیح مسلم، ۲۳۵۱ و ۶۸۰۰)۔

عن ابی مسعود الانصاریؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ " من دلَّ علیٰ خیرٍ فله مثل اَجرِ فاعلِهٖ" (رواه مسلم) ۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''جس نے کسی نیکی کا راستہ دکھایا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس نیکی پر عمل کرنے والے کو ملے گا'' (صحیح مسلم ۴۸۹۹)۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ "من دعاالیٰ هُدًی كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لاينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الیٰ ضلالةٍ كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه لاينقص ذلك من آثامهم شيئا"۔ (رواه مسلم) ''جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان لوگوں کے مثل اجر ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر ان لوگوں کے گناہ کے مثل گناہ ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی''۔ (صحیح مسلم ۶۸۰۴)

عن واثلة بن الاسقعؓ عن النبی ﷺ قال "من سنَّ سنَّةً حسنةً فله أجرها ماعُمِل بها فی حياتهٖ وبعد مماتهٖ حَتّٰی تُترك ومن سنَّ سنَّةً سَيِّئَةً فعليه اثمها حَتّٰی تُترك ومن مات مرابطًا جری عليه عملُ المرابط حَتّٰی يبعث يوم القيامة " (رواه الطبرانی فی الكبير) قال المنذری باسناد لابأس بهٖ وقال الهيثمی رجاله موثقون (الترغيب و الترهيب، رقم ۹۷، مجمع الزوائد، ج ۱، رقم ۷۷۲)۔ حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری

کیا اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا جب تک اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اس طریقے پر عمل ہوتا رہے گا یہاں تک کہ (اس پر عمل) چھوڑ دیا جائے اور جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا گناہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور جو شخص (اپنی فوج اور اپنی سرحدوں کی) نگہبانی کرتا ہوا مَرا تو اسے قیامت تک نگہبانی کا ثواب ملتا رہے گا''۔(طبرانی کبیر) حافظ منذریؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں اور حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (الترغیب والترھیب' رقم ۹۷، مجمع الزوائد' ج ا' رقم ۲۷۷)۔

اس کی تائید صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

عن عبد اللّٰهؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ " لَاتُقتَل نفسٌ ظُلمًا اِلَّا كان على ابن آدم الاوَّلِ كِفُلٌ من دمها لِاَنَّه اَوَّلُ من سَنَّ الْقَتْلَ " (متفق عليه)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص مظلوم قتل کیا جاتا ہے تو آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) پر (بھی) اس کے خون (ناحق کے عذاب) کا ایک حصہ (لکھا جاتا) ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل جاری کیا''۔ (صحیح بخاری ۳۳۳۵، صحیح مسلم ۴۳۷۹)۔

مجدد کی علامات وشروط

o علوم ظاہری و باطنی کا عالم ہو۔

o اس کی تدریس، تالیف، تذکیر سے عام فائدہ ہو۔

o سنن کے قائم رکھنے میں اور بدعات کے مٹانے میں کوشاں ہو اور

o ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں اس کے علم کی عالم میں شہرت ہوئی ہو۔'' (مجموعۃ الفتاویٰ، ص ۱۱۶)۔

کیا ایک صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

انه لا يلزم أن يكون في رأس كل مائة سنة واحد فقط بل يكون الامر فيه كما ذكر في الطائفة وهو متجه فان اجتماع

الصفات المحتاج الیٰ تجدیدھا لا ینحصر فی نوع من انواع الخیر ولا یلزم أن جمیع خصال الخیر کلھا فی شخص واحد الا أن یدعی ذلک فی عمر بن عبد العزیز فانہ کان القائم بالأمر علیٰ رأس المائۃ الاولیٰ باتصافہٖ بجمیع صفات الخیر وتقدمہٗ فیھا ومن ثم أطلق أحمد أنھم کانوا یحملون الحدیث عنہ و أما من جاء بعدہ فالشافعی و ان کان متصفاً بالصفات الجمیلۃالا أنَّہٗ لم یکن القائم بأمر الجھاد والحکم بالعدل (فتح الباری ج ۱۳' ص ۳۰۸)

بے شک یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہو بلکہ اس بارے میں معاملہ وہی ہے جیسا طائفہ (منصورہ) کے بارے میں ذکر کیا گیا۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ خیر کی تمام خصلتیں ایک شخص میں (موجود) ہوں۔ہاں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے (کہ ان میں خیر کی تمام خصلتیں موجود تھیں) اور پہلی صدی کے شروع میں تمام صفات خیر سے متصف ہونے اور ان میں تقدم رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ قائم بالامر (یعنی حکمران) بھی تھے۔اسی لئے امام احمدؒ نے فرمایا کہ (محدثینؒ) ان کی روایات قبول کرتے تھے۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے مثلاً امام شافعیؒ تو اگرچہ وہ تمام اچھی صفات سے متصف تھے لیکن وہ جہاد اور عدل قائم کرنے کے مجاز نہیں تھے (یعنی وہ خلیفہ یا حکمران نہیں تھے)۔(فتح الباری' ج ۳۰۸)۔

علامہ عبدالرؤف مناویؒ لکھتے ہیں۔

فقد یکون المجدد أکثر من واحد، قال الذھبی من ھنا للجمع لا للمفرد فنقول مثلاً علیٰ رأس الثلاثمائۃ ابن شریح فی الفقہ والأشعری فی الاصول والنسائی فی الحدیث وعلی الستمائۃ مثلاً الفخر الرازی فی الکلام والحافظ عبد الغنی فی الحدیث وھکذا

مجدد (ایک صدی میں) ایک سے زیادہ بھی ہوتے ہیں۔حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں مَنْ کا لفظ جمع کے لئے ہے واحد کے لئے نہیں۔مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ تیسری صدی کے شروع میں فقہ میں ابن شریح، اصول میں اشعری، حدیث میں نسائی اور مثلاً چھٹی صدی میں کلام میں امام فخر الدین رازی، حدیث میں حافظ عبدالغنی اور اسی طرح۔(فیض القدیر۔ج اول' ص ۱۴)۔

اسمائے مجددین

مجدد کے لئے جو شرائط حدیث میں بیان کی گئی ہیں ان کی روشنی میں علماء نے مختلف صدیوں میں مختلف ائمہ کو مجددین میں شمار کیا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے پہلی صدی کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو فرمایا ہے اور دوسری صدی کا مجدد حضرت امام شافعیؒ کو اور ان دونوں کے مجدد ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعد کے مجددین کے تعین میں اتفاق بھی ہے اور اختلاف بھی۔

امام حاکمؒ نے مستدرک میں اپنے زمانے تک مندرجہ ذیل مجددین کے نام نقل کئے ہیں:

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

(۲) حضرت امام شافعیؒ

(۳) ابوالعباس بن شریح

(۴) سھل محمد

حافظ سیوطیؒ نے ''تحفۃ المھتدین باسماء المجددین'' میں اور علامہ ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں مجددین کے مندرجہ ذیل نام لکھے ہیں:

	حافظ سیوطیؒ	علامہ عبدالحی لکھنویؒ
(۱)	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱-۱۰۱ھ)
(۲)	حضرت امام شافعیؒ	حضرت امام شافعیؒ (۱۵۰-۲۰۴ھ)
(۳)	ابن سریجؒ	ابوالعباس ابن شریح (م۳۰۶ھ)
		ابوالحسن اشعری (۲۶۰-۳۲۴ھ)
		محمد بن جریر طبری (۳۱۰-۴۰۳ھ)
(۴)	سھل الصعلوکی، باقلانی، ابوحامد الاسفرائنیؒ	ابوبکر بن الباقلانی (م۴۰۳ھ) ابوالطیب سھل الصعلوکی
(۵)	امام غزالیؒ (۴۵۰-۵۰۵ھ)	امام غزالیؒ
(۶)	امام رازیؒ، امام رافعیؒ، حافظ عبدالغنیؒ	امام رازیؒ (۶۰۶ھ)

(۷)	امام تقی الدین ابن دقیق العیدؒ	امام تقی الدین ابن دقیق العیدؒ (۶۲۵-۷۰۲ھ)
(۸)	امام زین الدین عراقیؒ، امام سراج الدین بُلقینی	امام زین الدین عراقیؒ سراج الدین بُلقینیؒ (۷۲۵-۸۰۶ھ)، امام شمس الدین الجزری (م۸۳۳ھ)
(۹)	نواں مجدد حافظ سیوطیؒ نے خود اپنے آپ کو شمار کیا ہے۔	جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹-۹۱۱ھ)، شمس الدین سخاویؒ (۸۳۱-۹۰۲ھ)، شہاب الدین رملی، ملا علی قاری (م۱۰۱۴ھ)

اسی سے ملتی جلتی فہرست حافظ سخاویؒ اور علامہ عبدالرؤف مناوی نے نقل کی ہے۔ (المقاصد الحسنہ، رقم ۲۳۸، فیض القدیر، ج۱ص۱۴)۔

مندرجہ بالا فہرستوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ اور امام تقی الدین ابن دقیق العیدؒ بالاتفاق اور بلا مقابلہ اپنے وقت کے تنہا مجدد تھے۔ بعض صدیوں میں ایک سے زیادہ مجدد بھی گنائے گئے ہیں۔ بہرحال یہ سب اندازے ہیں اور اس کا حتمی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ مجدد کون ہے۔

میرے نزدیک ان فہرستوں میں بعض بہت بڑی فروگزاشتیں ہیں۔ مثلاً تیسری صدی میں جو نام گنوائے گئے ہیں ان میں سے کسی کا کوئی خاص قابلِ ذکر کارنامہ نہیں۔ ان کے مقابلے میں سیدنا امام احمد بن محمد بن حنبلؒ اور سیدنا امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کے کارنامے بہت وقیع اور عظیم الشان ہیں۔ اسی طرح ساتویں صدی میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا اسم گرامی نہ ہونا انتہائی قابل تعجب ہے۔ ساتویں صدی میں ان سے زیادہ اور کون اس منصب کا اہل اور سزاوار ہوسکتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے ائمہ کے ناموں کو نظر انداز کر کے صعلوکی، باقلانی وغیرہ جیسے غیر معروف لوگوں کے ناموں کو اس فہرست میں شامل

کیا گیا ہے۔

دسویں صدی کا مجدد بالعموم حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ کو مانا جاتا ہے جنہوں نے شاہ جہانگیر کے عہد میں توحید کا علم بلند کیے رکھا۔

اوپر کی فہرستیں دسویں صدی ہجری تک ہیں۔ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں صدیوں کا ان میں ذکر نہیں۔ علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو بارہویں صدی کا مجدد لکھا ہے۔ (تاریخ اہلحدیث ص ۴۶۳)۔
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور محمد بن عبد الوہاب (۱۱۱۵۔۱۲۰۶ھ) کا تعلق بھی بارہویں صدی سے ہے۔

تیرہویں صدی میں قاضی محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ)، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ (۱۲۲۰۔۱۳۲۰) اور نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ) نمایاں ہیں۔

چودھویں صدی کا مجدد

چودھویں صدی کے مجدد کا سہرا بغیر کسی مقابلے کے **شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۲۔۱۴۱۷)** کے سر ہی سجتا ہے۔ اس لئے کہ اس صدی میں نہ کوئی ان کا ہمسر ہے نہ مد مقابل۔ اس صدی میں دوسرے مصلحین نے اگر کوئی کام کیا تو وہ فروعی اور معمول کی نوعیت سے زیادہ نہیں جبکہ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو کام سرانجام دیا وہ انقلابی، بہت اہم اور بنیادی نوعیت کا ہے۔

روزمرّہ کی تبلیغی واصلاحی سرگرمیاں، مدارس میں تعلیم وتدریس، مساجد میں امامت اور خطبہ وتقریر، تصنیف وتالیف وتحقیق وغیرہ یہ سب معمول کے کام ہیں۔ یہ تجدیدِ دین کے ذیل میں ہرگز نہیں آتے۔ یہ کام تو کوئی بھی عالم، کوئی بھی مولوی بخوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ ان کے لئے کسی غیر معمولی عزم وحوصلہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس تجدید دین بڑے عزم وحوصلہ کا کام ہے جو ہر کسی کے بس کا نہیں۔ یہ کام صرف ایک مجددِ وقت ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

تجدید دین تو یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنتوں کو زندہ

کیا جائے، دین اسلام پر جو دبیز پردے ڈال دئے گئے ہیں ان کو ہٹا کر دنیا کے سامنے صحیح اور خالص اسلام پیش کیا جائے۔ جو نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں ان کا سد باب کیا جائے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے جا رہے ہیں ان کے تسلی بخش جوابات دئے جائیں۔ صحیح دین کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بلا خوف لومۃ لائم انجام دیا جائے اور اس سلسلے میں کسی قسم کا سیاسی، حکومتی یا مسلکی دباؤ قبول نہ کیا جائے۔ کسی قسم کی مخالفت کو خاطر میں نہ لایا جائے۔ حق کو کسی مصلحت پر قربان نہ کیا جائے یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ اس جہاد میں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے فرقہ پرست مولویوں اور دین کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے روزگار پر زد پڑتی ہے۔ لہٰذا وہ مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید دین کا کام لینا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خوبیاں وافر مقدار میں عطا فرمائی تھیں۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ عزم و حوصلہ اور ہمت و جرأت کا پہاڑ اور صبر و استقامت کا پیکر تھے۔ مایوسی، درماندگی اور عجز و کسل آپ میں نام کو نہ تھا۔ آپ کی پوری زندگی ایک جہدِ مسلسل تھی۔ آپ نے فرقہ بندی کے خلاف منظّم اور مؤثر جہاد فرمایا اور ملت کے اتحاد و اتفاق کے لئے انتھک کوشش کی اور فرقہ پرستوں کی طرف سے سخت مخالفت کے باوجود نہ آپ نے ہمت ہاری، نہ آپ مایوس ہوئے۔ آپ اپنے مقصد کے حصول کے لئے آخر وقت تک پوری تندہی سے سرگرم عمل رہے۔ آپ کی مساعی کے نتائج بڑے دور رس ہیں۔ فرقہ بندی کے خلاف جہاد کے علاوہ آپ نے عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی، شرک و بدعت اور مختلف فتنوں کے خلاف بھی مؤثر جہاد کیا اور متروک سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے بھی انتھک جدوجہد کی۔ ایسی چند سنتوں کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

سنتوں کو غیر ضروری سمجھ کر انہیں چھوڑنے کا رجحان لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس رجحان کے خلاف جہاد کیا اور سنت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

احادیث بیان کرنے میں لوگ احتیاط نہیں کرتے تھے۔ احادیث کے حوالے بیان نہیں کرتے تھے اور ضعیف و موضوع احادیث بیان کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ آپ نے احادیث بیان کرنے میں احتیاط کی تلقین کی۔ آپ نے اس خیال کی بھی پرزور تردید کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں

تضاد ہوسکتا ہے۔

تاریخ کی بعض جھوٹی روایات کی بنا پر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں صحابۂ کرامؓ کے مقدس معاشرے کے متعلق غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہورہی تھیں۔ آپ نے قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں ایسی تاریخی روایات کا رد فرمایا۔

آپ نے اپنی تقریر و تحریر میں شرک و بدعت کی بیخ کنی فرمائی۔ عقائد کی اصلاح فرمائی اور فرق باطلہ بالخصوص منکرین حدیث و قادیانی حضرات کا مدلل رد فرمایا۔

عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ آپ نے صالح معاشرے کی تشکیل کے لئے افراد کی کردار سازی پر بھی خصوصی توجہ دی۔

نماز ہماری سب سے اہم عبادت ہے۔ لیکن ہماری اکثریت کی نمازیں ظاہری حسن اور خشوع و خضوع سے عاری تھیں۔ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے کے کیا تقاضے ہیں اس سے لوگ ناآشنا تھے۔ شیخ الاسلام نے نماز کے حسن کی طرف توجہ دلائی۔ نماز میں سکون و اطمینان کی اہمیت بتائی حتی کہ حسین نماز جماعت المسلمین کے افراد کی پہچان بن گئی۔

اگلے صفحات میں ہم ہر موضوع کے متعلق علیحدہ علیحدہ ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

باب ہفتم

تجدیدِ دین کے لئے مساعی

(۱) استخفافِ سنت کے خلاف جہاد

لوگوں میں سنت کے استخفاف اور سنت کی تحقیر کا جو رویہ جگہ پکڑ رہا تھا اس کے خلاف آپ نے مؤثر جہاد کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے تقریروں کے علاوہ بے شمار پمفلٹ شائع کئے۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند پمفلٹ نقل کرتے ہیں۔

(پمفلٹ)

ترک سنت گناہ ہے

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ترک سنت گناہ نہیں، یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کالعدم ہو کر رہ گئے ہیں، اس عقیدہ کی بنیاد پر سنتیں چھوڑی جا رہی ہیں اور علی الاعلان یہ کہہ کر اُن کا استخفاف کیا جا رہا ہے کہ ''سنت ہی تو ہے، فرض تو نہیں''۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس باطل عقیدہ کے خلاف جدوجہد کی جائے۔

جماعت المسلمین کا نام بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا جس کا دین بھی وہی دین اسلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمین کے لئے پسند فرمایا تھا۔ لہٰذا جماعت المسلمین کب اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ یہ غلط اور باطل عقیدہ قائم رہے، جماعت المسلمین نے اپنے اجتماعات میں بھی اس باطل عقیدہ کے خلاف بہت کچھ کہا اور اب اس کتابچہ کے ذریعہ اس کا بطلان کر رہی

ہے۔ذیل میں اس عقیدہ کے بطلان کے دلائل دیئے جا رہے ہیں۔قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں غور فرمائیں کہ یہ عقیدہ کہ ”ترک سنت گناہ نہیں“ کتنا گمراہ کن ہے۔

۱۔ پہلی دلیل۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب : ۲۱) ۔(اے ایمان والو)تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے(یعنی تم میں سے ہر)اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے)اور روز قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ

۱۔ سنت رسول ﷺ بہترین نمونۂ زندگی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا جائے، جو لوگ سنت پر عمل نہیں کرتے ان کا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان صحیح نہیں، وہ تقاضا ہی کیا ہوا جس کا پورا کرنا ضروری نہ ہو۔

۳۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بہترین نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کو چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنا ضروری نہیں تو پھر اس اسوۂ حسنہ کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو نمونہ بنانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

۲۔ دوسری دلیل:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ

الزَّكوٰةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ه اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ (الاعراف ۱۵۶ـ۱۵۷)

میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، مگر میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، یعنی ان لوگوں کے لئے جو رسول کی پیروی کرتے ہیں۔

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ کی وسیع رحمت بھی رسول ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اگر اتباع رسول نہیں تو رحمت کی اُمید خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ آیات عام ہیں اور ہر سنت کو شامل ہیں۔ کسی آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ صرف فرائض میں اتباع رسول لازمی ہے کیونکہ جو چیز ویسے ہی فرض ہو اُس میں اتباع رسول کی شرط کیسے لگائی جاسکتی ہے۔

۳۔ تیسری دلیل۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ه (الاعراف ۱۵۸) رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت نصیب ہو۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کو ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اب جو شخص بھی ہدایت کا طالب ہو اُسے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنی چاہیے۔

اتباع، قدم بہ قدم چلنے کو کہتے ہیں لہٰذا تمام افعال میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی لازمی ہے۔ جب بغیر سنت پر عمل کئے ہدایت مل نہیں سکتی تو پھر ترک سنت کے گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی فرض ہوگئی اور جو چیز فرض ہو اس کا ترک گناہ نہیں تو اور کیا ہوگا۔

لازمی چیزوں کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے براہ راست لازمی ہو۔

۲۔ دوسری وہ جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے واسطے سے لازمی ہو۔

پہلی قسم کو اصطلاحاً فرض کہتے ہیں، دوسری کو اصطلاحاً سنت کہتے ہیں۔ لازمی دونوں ہیں۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ پہلی قسم تو لازمی ہے اور دوسری قسم اختیاری۔ جب دونوں کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو دونوں ہی لازمی ہوئیں۔ ایک کو لازمی کہنا اور دوسری کو اختیاری کہنا صحیح نہیں۔ اگر دوسری قسم لازمی نہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل لازمی نہیں اور یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے لہٰذا سنت کی پیروی لازمی اور شرط ہدایت ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥. (سورة النور ٦٣)۔ جولوگ رسول کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں یا کسی دردناک عذاب میں گرفتار نہ ہوجائیں۔

امر ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی حکم کے بھی ہیں اور کام (یعنی فعل) کے بھی۔ لہٰذا آیت بالا کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فعل کی خلاف ورزی کرنا دردناک عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یعنی نہ صرف حکم رسول بلکہ سنت رسول کی خلاف ورزی بھی باعث عذاب ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)۔ اے رسول ﷺ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (اگر میری پیروی کروگے) تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضا رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة : ۱۶۵)۔ ایمان والے اللہ سے بڑی شدت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرے اور اللہ سے شدید محبت نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔اس کا دعویٰ ایمان فریب نفس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ایمان اور حب الٰہی لازم وملزوم ہیں۔حب الٰہی کے لئے جو چیز لازمی ہے وہ ہے اتباع رسول۔گویا ایمان کی شرط حب الٰہی ہے اور حبّ الٰہی کی شرط اتباع رسول ہے۔دوسرے لفظوں میں بغیر اتباع رسول حب الٰہی کا وجود موہوم ہے اور بغیر حب الٰہی کے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔نتیجہ ظاہر ہے کہ اتباع رسول شرط ایمان ہے۔ اللہ کسی بندے سے اس وقت تک محبت نہیں کرتا جب تک وہ اتباع رسول نہ کرے اور جب تک اللہ محبت نہ کرے نجات ناممکن ہے۔لہٰذا نجات کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کی پیروی پر ہے۔یعنی سنت پر عمل کرنے ہی سے نجات مل سکتی ہے ورنہ نہیں اور جس چیز پر نجات کا انحصار ہو وہ چیز لازمی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی اور جو چیز لازمی ہوگی اس کا ترک گناہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

۶۔ چھٹی دلیل:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (الزخرف۔۶۱) (اے رسول کہہ دیجئے) میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اتباع سنت ہی سیدھا راستہ ہے۔سنت چھوڑ کر کوئی شخص کس طرح سیدھے راستے پر رہ سکتا ہے اور سیدھے راستہ کو چھوڑنا یقیناً گناہ ہے لہٰذا ترک سنت یقیناً گناہ ہے۔

۷۔ ساتویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

من رغب عن سنتي فليس مني (صحيح بخاری و صحيح مسلم)

جو شخص میری سنت سے منہ موڑے اور اسے چھوڑ دے وہ مجھ سے نہیں۔

(نوٹ:. **رغب عنه = اعرض عنه و تركه (المنجد) اعرض عنه و لم يرده وزهدفيه و تركه (محيط المحيط)**

آپ ﷺ نے یہ بات اُس وقت فرمائی تھی جب تین آدمیوں میں

سے دونے سنت سے کچھ زیادہ کام کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ایک آدمی نے نکاح کی سنت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کو سنت سے نفرت نہیں تھی بلکہ صرف اس لئے انہوں نے سنت کو ترک کرنا چاہا تھا کہ کچھ زیادہ عمل کر کے نجات کے لئے راہ ہموار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیک نیتی کے باوجود انہیں ترکِ سنت کی اجازت نہیں دی اور مذکورہ بالا سخت الفاظ میں انہیں تنبیہ کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نہ سنت سے زائد کوئی کام کرنا چاہئے نہ سنت سے کم اور جو شخص ایسا کرے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکِ سنت جائز ہے؟۔

۸۔ آٹھویں دلیل:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں

ان كان رسول اللّه صلى الله عليه و سلم ليدع العمل و هو يحب أن يعمل به خشية أن يعمل به الناس فيفرض عليهم رواه البخارى ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے حالانکہ ان پر عمل کرنا آپؐ کو محبوب ہوتا تھا، صرف اس ڈر سے کہ لوگ بھی عمل کریں گے پھر وہ ان پر فرض ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو چھوڑنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ عمل امت پر لازمی نہ ہو جائے اور یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ کسی عمل کو آپؐ کا ہمیشہ کرنا اس کے لازمی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر آپؐ اس کو لازمی کرنا نہ چاہتے تو اس کو کبھی کبھی چھوڑ دیتے تھے، لہٰذا جس سنت کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں چھوڑا وہ لازمی ہے، اس کا ترک جائز نہیں۔

۹۔ نویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ نے تین رات نماز تراویح باجماعت ادا کی۔ چوتھی رات کو بھی صحابہ کرامؓ مسجد میں جمع ہو گئے لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہیں لائے۔ صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

انه لم يخف على مكانكم ولكنى خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها. (صحيح بخارى. ۲۰۱۲) ۔مجھ پر تمہارا یہاں جمع ہونا پوشیدہ نہیں تھا لیکن (میں نے اس لئے نماز نہ پڑھائی کہ) مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہوجاؤ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر نماز تراویح باجماعت آپ ﷺ مسلسل ادا کرتے رہتے تو تراویح باجماعت فرض ہوجاتی ۔ تین رات پڑھانے کے بعد چھوڑ دینے کی وجہ وہی ہے جو آٹھویں دلیل کے ضمن میں اوپر بیان ہوئی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ سنت جو آپ نے کبھی نہیں چھوڑی لازمی ہے اور اس کا ترک جائز نہیں۔

۱۰۔ دسویں دلیل:۔

عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔

كان النبى صلى الله عليه وسلم يصليهما ولا يصليهما فى المسجدمخافة أن يثقل علىٰ امته وكان .... يحب ما يخفف عنهم (صحيح بخارى ۵۹۰)۔یہ دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے لیکن ان کو مسجد میں کبھی نہیں پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں امت پر بوجھ نہ ہوجائے اور آپ ﷺ اپنی امت پر تخفیف کو پسند فرماتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عمل کو رسول اللہ ﷺ پوشیدہ طور پر کریں، امت پر اسکو ظاہر نہ کریں تو وہ عمل لازمی نہیں ہوتا اور بوجھ نہیں بنتا لیکن جس عمل کو ظاہر کریں تو اسکا مقصد یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے امت پر اس کا لازم کرنا چاہا۔

اس حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث سے ثابت ہوا کہ فرض نماز سے پہلے اور بعد میں جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ظاہر بھی کیا اور ترک بھی کبھی نہیں کیا لازمی ہیں۔ان کا درجہ نفل جیسا نہیں کہ چاہے پڑھو چاہے چھوڑ دو۔

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس عمل کو آپ ﷺ ظاہر کریں اور ہمیشہ کریں وہ لازمی ہے۔اس کا ترک جائز نہیں ۔ترک کرنے والے کا رسول

اللہ ﷺ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

۱۱۔ گیارہویں دلیل۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صلو اقبل صلوٰ ۃ المغرب صلوا قبل صلوٰۃ المغرب صلوا قبل صلوۃ المغرب ۔ نمازمغرب سے پہلے نماز پڑھو۔نمازمغرب سے پہلے نماز پڑھو۔نمازمغرب سے پہلے نماز پڑھو۔

تین دفعہ یہ جملہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لمن شآء کراھیة ان یتخذھا الناس سنة (صحیح بخاری ۱۱۸۳)

جو شخص پڑھنا چاہے، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس کو سنت بنالیں۔

حدیث بالا سے دو نتیجے برآمد ہوئے:۔

۱۔ آپ ﷺ نے نماز مغرب سے پہلے نماز کا حکم دیا۔کیونکہ حکم رسول فرض ہوتا ہے لہٰذا آپ نے اس کی فرضیت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ ''جو چاہے پڑھ لے'' گر آپ ﷺ یہ الفاظ نہ فرماتے تو اس کا پڑھنا فرض ہوتا۔اس جملہ نے اس کے وجوب کو ساقط کر دیا اور اب مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت پڑھنا محض مستحب رہ گیا لازمی نہیں رہا۔

۲۔ حدیث مذکور کے آخری جملہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر آپ ﷺ ''جو چاہے پڑھ لے'' نہ فرماتے تو لوگ اس کو سنت سمجھ لیتے۔

ان دونوں نتیجوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کو نتیجہ اول میں لازمی کہا گیا ہے اسی کو نتیجہ دوم میں سنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی سنت لازمی ہے اور ہر لازمی چیز کا ترک کرنا گناہ ہوتا ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اگر سنت کے معنی یہی ہوتے جو آجکل لئے جا رہے ہیں یعنی وہ فعل جس کا کرنا اچھا اور ترک گناہ نہیں تو پھر سنت کے مقام سے ہٹانے کے لئے ''جو چاہے پڑھ لے'' کہنے کی کیا ضرورت تھی،نتیجہ ظاہر ہے کہ سنت کا مفہوم عہد رسالت میں کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے۔

۱۲۔ بارہویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:۔

ستة لعنتُهُم وَ لعنهم اللّٰه و كل نبى مجاب المكذب بقدر اللّٰه .... والتارك لسنتى ۔ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ (وہ چھ آدمی یہ ہیں)

(۱) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۶) اور میری سنت کا چھوڑنے والا (ترمذی ۲۱۵۴، حاکم ۱۰۹ و ۳۹۹۶، ابن حبان ۵۷۴۹، طبرانی کبیر وغیرہ)۔

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ تارک سنت ملعون ہے۔ لہٰذا ترک سنت گناہ ہے۔

۱۳۔ تیرہویں دلیل:

رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ میں فرمایا کہ: آج سب سے پہلا کام جس سے ہم ابتداء کریں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں۔ پھر واپس (گھر) جائیں پھر قربانی کریں۔ اس کے بعد فرمایا۔

فمن فعل ذلك فقد اصاب سنتنا و من ذبح قبل ان يصلى فانها لحم عجّله لا هله ليس من النسك فى شئ فليذبح اخرى مكانها (صحيح بخارى ۹۶۸)

جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو وہ صرف ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل وعیال کے لئے جلدی (حاصل) کر لیا۔ قربانی میں بالکل شمار نہیں ہوگا۔ اُسے اس کے بدلہ اب دوسری قربانی کرنی چاہیے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ پہلے نماز عید ادا کرنی چاہیے پھر قربانی کرنی چاہیے۔ ان دونوں کاموں کی یہ ترتیب سنت ہے۔ اگر اس ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو وہ قربانی کالعدم ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ترتیب کی سنت چھوڑ دینے سے پورا فعل بیکار ہو گیا۔ اگر سنت کی پیروی لازمی نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ

فعل بیکار نہ ہوتا۔ کیونکہ اس فعل کی قبولیت کا دارومدار ہی سنت کی پیروی پر ہے۔ لہٰذا سنت کے لازمی ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی کام فرض ہے تو اس کی ادائیگی کا طریقہ (یعنی سنت) بھی فرض ہے۔ اگر اس فرض کو اس طریقہ سے (یعنی سنت کے مطابق) ادا نہیں کیا تو وہ فرض ادا نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر نماز فرض ہے تو اس کا طریقہ بھی فرض ہے۔ اس کو اسی طرح ادا کرنا ہوگا جس طرح سنت ہے۔ یہ نہیں کہ نماز تو فرض ہے لیکن اس کا طریقہ فرض نہیں۔ جو چاہے جس طریقہ سے پڑھ لے۔

۱۴۔ چودھویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو (اس سے پہلے) آپ نے کبھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

عمدا صنعته یا عمر (صحیح مسلم ۶۴۲) اے عمر میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کام کو آپؐ امت پر لازم کرنا نہیں چاہتے تھے اسے ہمیشہ نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے اور جس کام کو لازم کرنا چاہتے تھے اسے کبھی ترک نہیں کرتے تھے، یعنی وہ فعل جس کو آپؐ نے ہمیشہ کیا لازمی ہے۔

۱۵۔ پندرھویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ رمضان کے مہینہ میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ روزہ سے تھے۔ لیکن (سفر میں) روزہ رکھنے سے کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگایا پھر اس کو بلند کیا تاکہ تمام لوگ دیکھ لیں، پھر اس کو پی لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے کہا گیا کہ بعض لوگوں نے اب بھی افطار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **اولٰئک العصاة اولٰئک العصاة**۔ وہ لوگ نافرمان ہیں۔ وہ لوگ نافرمان ہیں۔ (صحیح مسلم ۲۶۱۰)۔

سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جتنے روزے سفر میں رہ جائیں

سفر ختم ہو جانے کے بعد انہیں رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ افطار کر دیا۔ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کے اس فعل کی پیروی نہیں کی بلکہ روزہ کو جاری رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ کے کسی بھی فعل کی پیروی نہیں کرتا وہ گنہگار رہے۔ یعنی سنت لازمی چیز ہے اور ترک سنت گناہ ہے۔

۱۶۔ سولھویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:۔

من أكل طيبا وعمل فى سنة و امن الناس بوائقه دخل الجنة رواه الحاكم وسنده صحيح (المستدرک جزء ۴، ص ۱۰۴)۔ جس نے پاک چیزیں کھائیں، سنت پر عمل کیا اور جس کی ایذا رسانیوں سے لوگ محفوظ رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس حدیث میں تین باتوں کا بیان ہے۔

۱۔ حلال کھانا۔

۲۔ سنت پر عمل کرنا۔

۳۔ لوگوں کو ایذا نہ پہنچانا۔

مندرجہ بالا تینوں باتوں کا حکم یکساں ہونا ضروری ہے ورنہ لازم آئے گا کہ دو لازمی کاموں کے درمیان ایک نفل کام کو شامل کر دیا اور یہ بعید از عقل ہے۔

۱۷۔ سترہویں دلیل:۔

رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھایا۔ پھر آپ کے پاس وضو کے لئے پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے وضو نہیں کیا اور فرمایا۔

لو فعلته فعل ذلک الناس بعدی (رواہ احمد عن مغیرة، ۱۷۷۵۴ رواته ثقات . بلوغ ۱۰۵/۲، وسنده صحیح)۔ اگر میں وضو کروں تو پھر میرے بعد لوگوں کو بھی ایسا کرنا ہوگا (یعنی پھر وہ وضو ترک نہیں کر سکیں گے)۔

اب تک ہم نے قرآن و حدیث سے اٹھارہ دلائل دے کر یہ ثابت کیا کہ سنت کی پیروی لازمی ہے۔ ترک سنت جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ ان دلائل اور ان

جیسے اور دلائل کی موجودگی میں بعض علماء نے یہ فتویٰ کیسے دے دیا کہ ترک سنت جائز ہے، گناہ نہیں ۔ اس فتوے کا اثر یہ ہوا کہ سنت کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ سنتوں پر عمل ترک ہوتا چلا گیا۔ اسلامی ضابطہ حیات عملاً مٹتا چلا گیا۔ مسلم دوسروں کے طرز معاشرت کو اختیار کرتے چلے گئے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہوتے چلے گئے ۔ ایمان میں کمزوری پیدا ہوئی۔ اسلامی ضابطوں پر غیر اسلامی ضابطوں اور رسوم کو ترجیح دی جانے لگی ۔ کافرانہ تہذیب سے ساز باز ہونے لگی اور وہ بالکل اس حدیث کا مصداق بن گئے ۔

من تشبه بقوم فهو منهم (ابو داود ۴۰۳۱ و سنده صحيح)

جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔

کسی دوسری قوم کی نقالی آدمی اس وقت کرتا ہے جب اس کو اپنی چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک شخص جب کسی دوسری قوم کی نقالی کرتا ہے تو گویا اس کو اسلامی چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ وہ کافرانہ رسم کو اسلامی رسم پر ترجیح دیتا ہے۔ تو گویا عقیدتاً اور عملاً غیر اسلامی چیز کو بہتر سمجھتا ہے اور یہ علامت کفر کی ہے۔ ایمان کی نہیں۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ حدیث پاک **خير الهدى هدى محمد (صلى الله عليه وسلم)** سب سے بہتر طریقہ محمد (ﷺ) کا طریقہ ہے (صحیح مسلم ۲۰۰۵) پر ایمان رکھے اور آیۃ کریمہ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے) پر سختی سے عمل کرے۔

الغرض قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ سنت لازمی ہے اور ترک سنت گناہ ہے۔ (ماخوذ از پمفلٹ)۔

(پمفلٹ)

سنت اور صحابہ کرامؓ

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا سنت کے متعلق کیا عقیدہ تھا، کیا وہ سنت کو معمولی درجہ دے کر ترک کر دیا کرتے تھے یا وہ سنت کو لازمی اور ترک سنت کو گناہ سمجھتے تھے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

قد سنَّ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الطواف بينهما فليس لاحد ان يترك الطواف بينهما۔ (صحیح بخاری ۱۶۴۳ و صحیح مسلم ۳۰۸۲)۔

صفاء و مروہ کے مابین دوڑنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لہٰذا کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان دوڑنے کو ترک کرے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک ترک سنت جائز نہیں۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لست تاركا شيئا كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعمل به الا عملت به فاني اخشى ان تركت شيئا من امره ان ازيغ (صحيح بخاری ۳۰۹۳، صحيح مسلم ۴۵۸۲)۔ میں کسی ایسے فعل کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں جو فعل رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے بلکہ میں تو اسی فعل پر عمل کروں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں آپؐ کے کسی فعل کو چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤنگا۔

ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترک سنت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

اعمل فيها بما عمل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ... فواللّٰه الذى باذنه تقوم السمآء والارض لااقضى فيها قضاء غير ذلك حتى تقوم الساعة متفق عليه۔ میں اس معاملہ میں وہی عمل کروں

گا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔۔۔اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں قیامت تک میں اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ نہیں کرسکتا۔ (صحیح بخاری ۴۰۳۳ و صحیح مسلم ۴۵۷۷)۔

ثابت ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی ترک سنت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۴) ابن سمط کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا (یعنی قصر کرتے ہوئے دیکھا)۔میں نے اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

انما افعل کما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفعل

(**نسائی . سندہ صحیح**) ۔اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ میں تو ویسا ہی کرتا ہوں جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

(۵) حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

لو لا انی رایت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم استلمک ما استلمتک (صحیح بخاری ۱۶۰۵ ، صحیح مسلم ۳۰۶۷)۔

اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت کے مطابق بوسہ لیا۔اگر بوسہ نہ لینا سنت ہوتا تو وہ اس سنت پر عمل کرتے۔

(۶) طواف کعبہ کرتے وقت تین چکروں میں دوڑا جاتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب اس دوڑنے سے کیا فائدہ ہے۔یہ تو ہم نے اس لئے کیا تھا کہ مشرکین پر اپنی قوت کا اظہار کریں اور اب مشرکین کو اللہ نے ہلاک کر دیا (اب اپنی قوت کا مظاہرہ کیا معنی رکھتا ہے)۔یہ کہہ کر فرمایا

شیءٌ صنعہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلا نحب ان نترکہ

۔(بہرحال) یہ ایک کام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا۔لہٰذا ہم اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے (صحیح بخاری ۱۶۰۵)۔

ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سنت کو بھی نہیں چھوڑتے تھے جس کا مقصد باقی نہ رہا ہو۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ولکن سنة فلا تدعوه (مسند احمد) وتر سنت ہے لہذا اسے نہ چھوڑو۔

(۸) ایک یمنی شخص نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور بوسہ دیتے تھے۔اس نے کہا کہ اگر ہجوم زیادہ ہوجائے اور میں مغلوب ہوجاؤں (تو کیا کروں)؟۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اِجعل اَرَاَیتَ بالیمن (صحیح بخاری ۱۶۱۱)

یہ اپنی اگر مگر یمن میں رکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی عذر کی بناء پر بھی ترک سنت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

لو ترکتم سنة نبیکم لضللتم (صحیح مسلم ۱۴۸۸)

اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ کعبہ کے خزانہ میں جتنا سونا چاندی ہے سب کو تقسیم کر دیں۔ایک شخص نے کہا آپ کے دونوں ساتھیوں (یعنی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے تو ایسا نہیں کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

هما المرآن اقتدی بهما (صحیح بخاری ۱۵۹۴)

ان ہی دونوں کی میں بھی پیروی کروں گا۔

(۱۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مقابلہ میں فرماتے ہیں:۔

ما کنت لادع سنة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لقول احد (صحیح بخاری ۱۵۶۳)۔میں کسی کے کہنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہادی غلطی کی بناء پر ایک خلاف سنت

کام کا حکم دے دیا۔ موجودہ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حکم کے مقابلہ میں سنت کو چھوڑ دیتے کیونکہ امیر کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت کی پیروی امیر کی اطاعت پر فوقیت رکھتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو شوہر یا ماں باپ یا حاکم کے کہنے سے سنت چھوڑ دیتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ شوہر یا ماں باپ یا حاکم کی اطاعت فرض ہے۔ لہٰذا فرض کے مقابلہ میں سنت ترک کر دینی چاہیے۔ کاش وہ غور کرتے کہ سنت دین ہے۔ دین میں اطاعت صرف اللہ اور رسول کی ہوتی ہے۔ شوہر، ماں باپ، حاکم کی اطاعت کے حدود ودوائر دوسرے ہیں۔ دین کے معاملات میں ان کی اطاعت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر وہ دین کے مطابق حکم دیں یا دنیوی معاملات کے متعلق کوئی حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت فرض ہے ورنہ ان کی اطاعت فرض تو کجا شرک فی الدین کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ترک سنت گناہ ہے اور گناہ میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اطاعت تو صرف معروف کاموں میں ہے۔" (صحیح بخاری ۷۲۵۷)۔ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (حلال) نہیں۔ (شرح السنۃ، سندہٗ صحیح)۔

(۱۲) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ عبد الرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، فرمایا

"انظرو اا الیٰ هذاا الخبیث یخطب قاعداوقال اللّٰه تعالیٰ" وَ اِذَا رَأَوُا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًاانْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَائِماً". (صحیح مسلم ۲۰۰۱)۔ اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے (حالانکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے) جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ ترک سنت دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ترک سنت جائز نہیں۔ اگر سنت کا ترک جائز ہوتا تو خفگی کا کیا موقع تھا۔ جائز کام پر خفگی نہیں ہوا کرتی۔

(۱۳) حضرت عمارہ بن رؤیبہؓ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے

دیکھ کرفرمایا

قَبَّح اللّٰه هاتين اليدين رايتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما يزيد على ان يقول بيده هكذا .. ۔اللہ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ صرف ایک ہاتھ اٹھا کر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔(صحیح مسلم ۲۰۱۶)۔

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کررہا ہے تو فرمایا ابعثها قياما مقيدة سنة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم (صحیح بخاری ۱۷۱۳، صحیح مسلم ۳۱۹۳)

اس کا ایک پیر باندھ کر کھڑا کر (پھر نحر کر)، یہ ہے محمد ﷺ کی سنت۔

(۱۵) حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہیں کررہا ہے۔فرمایا:

ما صليت ، لومت مت على غير سنة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم (صحیح بخاری ۳۸۹) ۔تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو اسی حالت میں مرجاتا تو تیری موت محمد ﷺ کی سنت پر نہیں ہوتی۔

غرضیکہ صحابہ کرامؓ سنت کو لازمی سمجھتے تھے۔اس کے چھوڑنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ترک سنت پر سختی سے پیش آتے تھے۔ ہمارے لئے بھی سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ہم ان کی روش پر چلیں۔ان کے عقیدہ کے مطابق عقیدہ رکھیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ** (التوبة ۱۰۰) ۔جن لوگوں نے ان (مہاجرین وانصار) کی (جو ایمان لانے میں سبقت کرنے والے تھے) اچھی طرح سے پیروی کی تو اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔کیا ہمارا بھی وہی عمل ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ ہرگز نہیں۔ ہمارے اور ان کے عقیدہ وعمل میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہوگیا۔آیئے ہم سب مل کر سنت پر عمل کریں اور اس کے ترک کو گناہ سمجھیں۔جو شخص سنت چھوڑے اسے اس فعل شنیع سے باز رکھیں۔

(۲) قول اور فعل میں تضاد

لوگوں کا عموماً یہ عقیدہ تھا اور بہت سوں کا اب بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل میں تضاد ہو سکتا ہے۔ آپؐ جو کچھ دوسروں کو نصیحت فرماتے تھے خود اس کے خلاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ اتنا بے بنیاد، مضحکہ خیز اور ہتک آمیز عقیدہ تھا اور ہے کہ اس سے ایمان اور اسلام تو کجا شرافت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ قصر نبوت گر پڑتا ہے۔ اسلامی ضابطے چیستاں بن کر رہ جاتے ہیں۔ کوئی شریف آدمی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے متعلق قول و فعل میں تضاد کا یقین تو کجا گمان بھی کریں۔ اگر کسی سے ایسی بات سرزد بھی ہو جائے تو اسے ظاہر کرتے ہوئے شرماتا ہے لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ایسی ناپسندیدہ بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔

الغرض ایسے غلط اصولوں کے ماتحت بیسیوں احکام کو اس لئے پس پشت ڈالا جا رہا ہے کہ فعل رسول ﷺ ان احکام کے خلاف پایا جاتا ہے لہٰذا یہ احکام لازمی نہیں۔ اگر لازمی ہوتے تو خود رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف عمل کیوں کرتے گویا وہ فعل رسول ﷺ کو حکم رسول ﷺ کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عقیدہ کتنا مہلک ہے۔ اب ہم اس عقیدہ کے بطلان کے دلائل بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (البقرة . ۴۴)۔ کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (الٰہی) کو بھی پڑھتے رہتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں (کہ یہ کتنی بری بات ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف. ۲ و ۳) اے ایمان والو، ایسی

بات کیوں کہتے ہو جس کو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت خفگی کی بات ہے کہ وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی خفگی کا موجب ہے کہ قول و فعل میں تضاد ہو، کہے کچھ اور کرے کچھ، جب یہ بات کسی مومن کے لئے جائز نہیں تو پھر نبی کے لئے جس کی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی نبی ایسا کام کر سکتا ہے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ اگر کسی مدعی نبوت کے قول و فعل میں تضاد ہو تو اس کی نبوت کی عمارت خود دھڑام سے آ گرے گی۔ کسی تردید کی ضرورت نہیں۔ کون ایسے شخص کو نبی مان سکتا ہے جو دوسروں کو کسی کام سے منع کرے، اس کے کرنے پر دھمکائے اور پھر خود وہی کام کرے۔ ایمان والوں کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ نبی جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:۔

وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھٰکُمْ عَنْہُ (ھود۔ ۸۸) ۔ میں تو یہ ارادہ بھی نہیں کرتا کہ کسی کام سے تم کو منع کروں، پھر خود وہی کام کروں۔

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا اصلی مقصد یہی ہے کہ یہ بات نبی کی شان کے منافی ہے کہ جو کہے وہ خود نہ کرے۔ اس کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ جو کہے اس پر عمل کر کے دکھائے۔ سوچئے اگر کوئی غیر مسلم ہم سے کہے کہ آپ کے نبی کے قول و فعل میں تضاد تھا لہٰذا وہ اپنی لائی ہوئی کتاب کی روشنی میں نبی نہیں ہو سکتے تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اس کا اگر کوئی حل ہے تو یہی ہے کہ پہلے ہم اس عقیدہ کا انکار کریں کہ نبی کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسی مثال پیش کرے جس میں رسول اللہ ﷺ کا فعل آپ کے کسی قول کے خلاف ہو تو ہم صاف کہہ دیں کہ یہ فعل قول سے پہلے واقع ہوا۔ لہٰذا منسوخ ہے۔ ہم قرآنی اصول کی روشنی میں یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ یہ فعل بعد میں واقع ہوا ہے۔

الغرض مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ

اپنے حکم کیخلاف عمل کرتے تھے انتہائی گمراہ کن ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ اور امت کے حالات میں یکسانیت ہو اور رسول اللہ ﷺ اپنے حکم کے خلاف کام کریں۔ ہاں اگر آپ کے اور امت کے حالات میں یکسانیت نہ ہو تو ان مخصوص حالات میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فعل جو آپ ﷺ کے حکم کے خلاف ہو آپ ﷺ کی خصوصیت ہوگا۔

اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔

مردار ہر شخص کے لئے حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص مضطر ہو جائے تو از روئے قرآن مجید اس مضطر کے لئے بقدر ضرورت مردار رکھانا جائز ہے۔ جس کے لئے حرام ہے وہ مضطر نہیں اور جس کے لئے حلال ہے وہ مضطر ہے۔ دونوں کی حالتوں میں فرق ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ حرام چیز کا کھانا خاص طور پر صرف مضطر کے لئے حلال ہے اور یہ اس کی خصوصیت ہے۔ دوسرا شخص جو اس خصوصیت یعنی اضطراری کیفیت کا حامل نہ ہو حرام چیز نہیں کھا سکتا۔ بالکل اسی طرح اگر رسول اللہ ﷺ اور امت کے حالات میں فرق ہو تو اس فرق کی بنیاد پر حکم شریعت میں بھی فرق ہوگا۔ اس صورت میں وہ فعل جو حکم کے خلاف ہوگا صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہوگی اور اس قسم کی مثالیں دو چار سے زیادہ نہیں۔ ان دو چار مثالوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے وہی کیا جس کا حکم آپ ﷺ نے امت کو دیا۔ اب ہم چند مثالیں ایسی بیان کرتے ہیں جو آپ کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لا تواصلوا (صحیح بخاری) ۔ وصال نہ کرو یعنی بغیر افطار کے مسلسل روزے نہ رکھو۔

صحابہ نے عرض کیا **انک تواصل** آپ تو وصال کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لست کاحد منکم انی اطعم واسقی وفی روایۃ ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقین ۔

میں تم میں سے کسی ایک کے مثل نہیں ہوں، مجھے میرا رب رات کو کھلا پلا

دیتا ہے۔(صحیح بخاری ۱۹۶۵وصحیح مسلم۲۵۶۶)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اور امت کی حالت میں فرق تھا، لہٰذا حکم میں بھی فرق ہوگیا اور وہ فرق یہ تھا کہ امت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ رات کے وقت کھلاتا پلاتا نہیں، رسول اللہ ﷺ کو کھلاتا پلاتا تھا اور یہی وہ فرق تھا جس کی بناء پر آپ نے اپنے حکم کے خلاف عمل کیا۔

اس ممانعت اور خصوصیت کے باوجود بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اس حکم امتناعی پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فلما ابوا ان ینتھوا عن الوصال واصل بھم یوما ثم یوما ثم راوا الھلال فقال لوتا خرلزدتکم کالتنکیل لھم حین ابوا ان ینتھوا

(صحیح بخاری ، کتاب الصیام ،باب التنکیل لمن اکثر الوصال حدیث ۱۹۶۵ و صحیح مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الوصال فی الصوم' جزء اول ص ۴۴۵، حدیث ۲۵۶۶) ۔

جب لوگ وصال سے باز نہیں رہے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وصال کیا، پھر ایک دن اور وصال کیا، پھر چاند نظر آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاند دکھائی نہ دیتا تو میں اور وصال کرتا گویا ان کے نہ ماننے پر آپ انہیں سزا دیتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسے فعل کے معاملہ میں جو قول کے خلاف ہو امت کو قول پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر ایسی صورت میں کوئی شخص فعل پر عمل کرتا ہے تو وہ گویا رسول اللہ ﷺ کی خفگی مول لیتا ہے اور اب آپ کے انتقال کے بعد گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ اس وقت لوگوں نے فعل کی اتباع میں روزے رکھے تو حکم کی اہمیت ظاہر ہوگئی اور ظاہری تضاد کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اگر عہد رسالت میں یہ واقعہ پیش نہ آتا تو آجکل کے لوگ یہی سمجھتے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی حکم امتناعی پر عمل کرے تو اچھا ہے اور اس کے مخالف فعل پر عمل کرے تو بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ بہت سے معاملات میں ہو رہا ہے اور اس مثال کے باوجود

ان لوگوں نے اپنے عمل اور عقیدہ کی ابھی تک اصلاح نہیں کی ہے۔

(۲) امت کے لوگوں کو حکم ہے کہ سو جائیں تو اٹھ کر نماز پڑھنے سے پہلے وضو کریں لیکن رسول اللہ ﷺ سو جاتے تھے اور پھر اٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے تازہ وضو نہیں کرتے تھے۔اس کی وجہ وہ فرق ہے جو دونوں کی حالتوں میں پایا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:۔

ان عینی تنا مان ولا ینام قلبی (صحیح بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ جزء ۲ ، صفحہ ۶۷ و صحیح مسلم باب صلاۃ اللیل)

میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری ۱۱۴۷، صحیح مسلم ۱۷۲۳)۔

دل کا نہ سونا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی لہٰذا سونے کے بعد وضو نہ کرنا آپ کی خصوصیت ہوئی۔کسی دوسرے کے لئے آپ کے فعل کی اقتداء میں سونے کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وضو نہ کرنا جائز نہیں۔

صحابہ کو حج تمتع کا حکم دینا اور خود حج قران کرنا، امت کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کرنا اور خود چار سے زیادہ بیویاں رکھنا بھی حالات کے اختلاف کی بنیاد پر تھا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:۔

رسول اللہ ﷺ اپنے قول کے خلاف عمل نہیں کرتے۔اگر آپ ﷺ کا کوئی فعل آپ ﷺ کے قول کے خلاف کسی حدیث میں مروی ہو تو وہ قول سے پہلے واقع ہوا ہوگا لہٰذا منسوخ ہوگا، یا وہ فعل مخصوص حالات کی بناء پر آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا۔امت کو بہرحال قول پر عمل کرنا ہوگا نہ کہ اس کے مخالف فعل پر۔

(۳) احادیث بیان کرنے میں احتیاط

حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار رواہ البخاری ۔جو میرے اوپر ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔(صحیح بخاری۱۰۹)۔

اتنی سخت وعید کے باوجود ہمارے اکثر و بیشتر علماء کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے میں کوئی احتیاط نہیں کرتے۔ بے حوالہ احادیث بیان کرتے ہیں اور یہ بھی پرواہ نہیں کرتے کہ جو حدیث وہ بیان کررہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ بے شمار ضعیف اور موضوع احادیث بلا تکلف بیان کرتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں بھی احادیث بغیر حوالے کے بیان کرتے ہیں اور ضعیف روایات کے ضعف کو ظاہر نہیں کرتے اور بعض لوگ تو ایسا بھی کرتے ہیں کہ کوئی حدیث صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کردیتے ہیں جبکہ وہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہوتی۔

احادیث بیان کرنا بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔اس لئے شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ۔

۱۔ کوئی شخص بلا حوالہ کوئی حدیث بیان نہیں کرے گا۔ ہر حدیث کا حوالہ ضرور دے گا۔

۲۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کے علاوہ کسی اور کتاب کی حدیث بیان کرے گا تو اس کی صحت بھی بیان کرے گا۔

۳۔ کوئی ضعیف روایت بیان نہ کرے گا اور اگر کرے گا تو اس کا ضعف ضرور بیان کرے گا۔

شیخ الاسلامؒ نے یہ ہدایات اپنی جماعت کے افراد کو دی تھیں لیکن ان کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی بہت نمایاں ہوا۔اب اکثر علماء حوالے کے ساتھ احادیث بیان کرنے لگے ہیں اور جو کتابیں اب شائع ہورہی ہیں ان میں بھی تحقیق اور تخریج کا اہتمام کیا جاتا ہے اور حدیث کی صحت یا ضعف بھی بیان کیا جاتا ہے۔علماء کے

رویہ میں اس تبدیلی کا سہرا شیخ الاسلامؒ کے سر ہی جاتا ہے۔

ضعیف احادیث کا بیان کرنا

میں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ ضعیف احادیث منبروں سے علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں اور جو لوگ علم حدیث کے دعویدار تھے ان کا دامن بھی اس بارے میں کچھ صاف نہ تھا۔ جماعت غرباء اہلحدیث کا تو یہ دعویٰ تھا کہ صحاح ستہ میں کوئی حدیث ضعیف ہے ہی نہیں اور ضعیف حدیث کو قابل حجت نہ سمجھنے پر وہ جماعت المسلمین کا بہت مذاق اڑاتے تھے۔ ان کے ایک امام صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں کہا کہ یہ لوگ کمزور کی بات نہیں مانتے طاقتور کی بات مانتے ہیں۔ دوسرے فرقے والوں (یعنی مقلدین) کا حال اس سے بھی زیادہ خراب تھا۔

چند ضعیف احادیث جو عام بیان کی جاتی ہیں

ذیل میں چند ضعیف احادیث نقل کی جاتی ہیں جو اہلحدیث اور احناف کے منبروں سے عام بیان کی جاتی تھیں اور رسالوں اور کتابوں میں بھی نقل کی جاتی تھیں (اور اکثر اب بھی کی جاتی ہیں)۔

۱۔ **من احیا لیلۃ الفطر و لیلۃ الاضحی لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب** ۔جس نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات شب بیداری کی اس کا دل نہیں مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے۔ (طبرانی) یہ روایت موضوع ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، رقم ۵۲۰)

۲۔ **اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم** ۔میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ امام بزارؒ کہتے ہیں یہ کلام رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اور امام ابن حزمؒ کہتے ہیں یہ حدیث جھوٹی، گھڑی ہوئی اور باطل ہے (تحفۃ الاخیار للعلامہ عبدالحی

لکھنوی)۔ اس روایت کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے طیب الریاحین شرح منہاج المسلمین، جلد اول، ص ۳۴۴۔۳۴۵

۳۔ **علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل** ۔میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہے۔حافظ سخاوی لکھتے ہیں قال شیخنا و من قبله الدمیری و الزرکشی انه **لااصل له** ۔حافظ ابن حجرؒ، دمیری اور زرکشی فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں (المقاصد الحسنہ، رقم ۷۰۲)۔

۴۔ **الفقر فخری** ۔فقر میرا فخر ہے۔حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں **قال شیخنا هو باطل** موضوع ۔ہمارے شیخ (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ) نے کہا یہ باطل اور موضوع ہے۔(المقاصد الحسنہ رقم ۷۴۵)۔

۵۔ **اختلاف امتی رحمة** ۔میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ **لا اصل له**۔اس کی کوئی اصل نہیں۔

۶۔ **لا تقومو اکما یقوم الاعاجم یعظم بعضه بعضا رواه أحمد وابو داود وابن ماجة** ۔ تم اس طرح مت کھڑے ہوؤ جیسے عجم کے لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔(مسند امام احمد ۲۱۶۷۷، ابوداؤد ۵۲۳۰، ابن ماجہ ۳۸۳۶)۔اس میں ایک راوی ابو غالب ضعیف ہے اور ایک اور راوی ابو العدبس مجہول ہے۔(طیب الریاحین، ج ۱، ص ۳۸۹۔۳۹۰)۔

۷۔ **عن سلمان الفارسیؓ قال خطبنا رسول الله ﷺ اخر یوم من شعبان فقال یایها الناس قداظلکم شهر عظیم شهر مبارک شهر فیه لیلة خیر من الف شهر، جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواه ومن ادی فریضة فیه کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواه وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنه و شهر المواساة وشهر یزادفیه رزق المومن .... وهو شهر اوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخرهٔ عتق من النار.**

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے

آخری دن خطبہ دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو تم پر ایک عظیم اور مبارک مہینے نے سایہ کیا ہے۔اس مہینے میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ نے اس مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی رات کا قیام (تراویح) نفل کیا ہے۔جو اس مہینے میں کوئی نیکی کا کام کرتا ہے وہ اس جیسا ہے جو کسی اور مہینے میں کوئی فریضہ ادا کرے اور جو اس مہینے میں کوئی فرض ادا کرتا ہے وہ اس جیسا ہے جو کسی اور مہینے میں ستر (۷۰) فرض ادا کرے۔اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ ہمدردی کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔۔۔اور اس مہینے کا پہلا (عشرہ) رحمت ہے۔اس کا درمیانی (عشرہ) مغفرت ہے اور اس کا آخری (عشرہ) جہنم سے آزادی کا ہے۔۔۔(ابن خزیمہ، شعب الایمان للبیہقی)۔اس میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان سخت ضعیف ہے۔

۸۔ **عن زید بن ارقمؓ قال قلت او قالوا یارسول اللّٰہ ما هذه الاضاحی؟ قال سنة ابیکم ابراهیم، قالوا مالنا منها؟ قال بکل شعرة حسنة قالو فالصوف؟ قال بکل شعرة من الصوف حسنة رواه احمد و ابن ماجة والحاکم والبیهقی** ۔حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا ''یہ قربانیاں کیا ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔'' صحابہؓ نے پوچھا ہمارے لئے ان میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر بال پہ ایک نیکی۔'' انہوں نے پوچھا اور اون؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:۔''اون کے ہر بال پہ ایک نیکی۔'' (مسند امام احمدؒ ۱۸۷۹۷، ابن ماجہ ۳۱۲۷، حاکم ۳۵۱۸)۔

اس کی سند میں ایک راوی ابوداؤد ہے۔اس کا نام نفیع بن الحارث ہے۔ وہ نابینا تھا۔وہ متروک الحدیث ہے اور اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے۔اس میں ایک اور راوی عائذ اللہ بن عبداللہ المجاشعی ہے جس کو امام ابو حاتمؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔

۹۔ **عظموا ضحایا کم فانها علی السبیل مطایا کم**

اپنی قربانی کے جانوروں کو بڑا (موٹا) کرو۔بے شک یہ پل صراط پر

تمہاری سواریاں ہوں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے (سلسلة الاحادیث الضعیفة رقم۷۴)۔

۱۰۔ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید رواه البیهقی والطبرانی وابن عدی**

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو پکڑے رکھا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (بیہقی، طبرانی، ابن عدی)

اس روایت میں ایک راوی حسن بن قتیبہ ہے جس کو امام دارقطنیؒ نے متروک الحدیث کہا، امام ابو حاتمؒ نے ضعیف کہا، امام ازدیؒ نے واھی الحدیث کہا اور حافظ ذہبیؒ نے ہالک کہا۔

۱۱۔ **عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مر بمجلسین فی مسجده فقال کلا هما علی خیر واحدهما افضل من صاحبه اما هؤلاء فیدعون اللّٰہ ویرغبون الیه ان شاء اعطاهم وان شاء منعهم واما هولاء فیتعلمون الفقه والعلم ویعلمون الجاهل فهم افضل، انما بعثت معلما رواه ابن ماجة و الدارمی** ۔حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر اپنی مسجد کی دو مجلسوں پر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دونوں خیر پر ہیں اور ان میں سے ایک مجلس والے دوسری مجلس والوں سے افضل ہیں۔ پہلی مجلس کے لوگ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔ اللہ چاہے تو ان کو دے یا اگر چاہے تو ان کو کچھ نہ دے اور یہ دوسری مجلس کے لوگ یہ فقہ اور علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں پس یہ لوگ افضل ہیں۔ اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (ابن ماجہ ۲۲۹، دارمی ۳۴۹)۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں تین راوی داؤد بن زبرقان، بکر بن خنیس اور عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ضعیف ہیں جبکہ دارمی کی روایت میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم اور عبدالرحمٰن بن رافع ضعیف ہیں۔

۱۲۔ العلم علمان علم الادیان و علم الابدان قال فی الخلاصة موضوع۔ علم دو ہی ہیں۔ دین کا علم اور ابدان کا علم۔ یہ روایت موضوع ہے۔ (کشف الخفاء، رقم ۱۷۶۵)۔

۱۳۔ ان کے علاوہ سورہ توبہ کی آیت ۷۵ " و منھم من عاھد اللّٰہ " کی تفسیر میں ثعلبہ نامی شخص کا واقعہ عام بیان کیا جاتا ہے جو بالکل ضعیف ہے۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں لیکن مندرجہ بالا چند مثالیں یہ بتانے کے لئے بہت کافی ہیں کہ ہمارے علماء کی طرف سے احادیث کے بیان میں کس قدر بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ اُس زمانے کی تصنیفات دیکھ لیں۔ ان میں حوالہ جات بہت کم دیئے جاتے تھے اور اگر حوالہ دے بھی دیا جاتا تھا تو اس کی سند کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا تھا۔ جماعت المسلمین نے اس سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا اور اپنی تقاریر میں بھی اور اپنی تصنیفات میں بھی حوالے بیان کرنے کا اور روایات کی صحت وضعف بیان کرنے کا رواج ڈالا۔ اور اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی اس طریق کو اپنایا اور اس طرح پاکستان میں تحقیق وتخریج کا رواج عام ہوا۔

(۴) تاریخ پرستی کے خلاف جہاد

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں اُٹھیں۔ متعدد قسم کے زہر پھیلائے گئے۔ دشمنانِ اسلام نے مختلف لبادے اوڑھے۔ اسلام سے باہر رہ کر بھی کام کیا اور اندر رہ کر منافق کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ان سازشوں میں سے ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ وہ معاشرہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیض صحبت سے قائم فرمایا تھا، جس معاشرہ کی تیاری اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی، جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں، اُس معاشرہ یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسی زہر افشانی کی گئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ قرن ثانی اور قرن ثالث کے اکابر کے اوپر بھی اسی قسم کے الزامات لگائے گئے۔ خود ساختہ اور من گھڑت واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اس طرح

پیش کیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر کے خلاف بدظنی کا شکار ہو گئے ۔اور پھر ان تمام زہرافشانیوں، افتراء پردازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمو دیا گیا کہ جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔موجودہ زمانہ میں بھی اسلام سے بے زار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان من گھڑت واقعات کو HISTORICAL FACTS کے نام سے متعارف کرایا گیا اور یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ سے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔الغرض تاریخ پرستی عام ہوگئی۔اس سازش کی زد میں بڑے بڑے آ گئے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہرافشانی کرنے لگے۔

اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں:۔

ا۔ انکار حدیث کے لئے فضا سازگار ہوگئی۔جو حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکراتی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔حالانکہ کہاں تاریخ اور کہاں حدیث۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حدیث کی جانچ کے لئے بیسیوں فن استعمال کئے گئے۔ راویان حدیث کی جانچ پڑتال کی گئی۔ان کی ثقاہت، کردار، حفظ واتقان کو پرکھا گیا۔سند کو دیکھا گیا کہ متصل ہے یا منقطع۔غرض یہ کہ انتہائی حزم واحتیاط کیساتھ حدیث کو مدوّن کیا گیا اور صحیح اور غلط میں خط امتیاز کھینچا گیا۔اس کے برخلاف تاریخ اسلام کے ابتدائی مؤلفین میں سے اکثر غیر مستند، جھوٹے بلکہ دشمن اسلام تھے۔ پھر نہ انہوں نے کوئی سند بیان کی۔نہ راوی کو پرکھا۔نہ صادق وکاذب، فاسق ومتقی میں فرق کیا، جو سنا لکھ لیا، جو چاہا گھڑ دیا۔ بعد آنے والے مؤرخین کے لئے ان ابتدائی مؤلفین کی کتابیں ماخذ بن گئیں۔دوسرے دور کی ان کتبِ تاریخ میں بغیر تحقیق و تنقید ہر قسم کے رطب و یابس کو بھر دیا گیا۔واقعات کی سندیں بیان نہیں کی گئیں ۔اگر بیان کی بھی گئیں تو ان کی صحت وضعف کو بیان نہیں کیا گیا۔یوں کہنا چاہئے کہ مؤرخین نے جو واقعات محققین کے لئے جمع کئے تھے وہ بغیر تحقیق کے مستند سمجھے جانے لگے۔ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کی تکذیب کرتے لیکن ہوا اس کے برعکس۔نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد

اٹھ گیا اور اس طرح اسلام کو مسخ کرنے کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

۲۔ جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں۔قرآن مجید بازیچہ اطفال بن کر رہ گیا۔

۳۔ خلافت راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔اسی کے ساتھ ساتھ ملوکیت کو انتہائی غیر شرعی اور کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا۔جس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیا دار ،مکار اور خوشامدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہر اگل رہا ہے۔کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔آپس میں تلواریں چل رہی ہیں۔ دنیا کی دوڑ میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا۔مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ثابت یہ کرنا تھا کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا۔وہ افراد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ تھے وہ ہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو بعد والوں کا کیا کہنا۔نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذلک اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے ۔اس فتنے کا مقصد یہ تھا کہ نبوّت کی عمارت کو متزلزل کر دیا جائے اور اسلام کے خلاف بدگمانیاں پیدا کی جائیں۔

۴۔ یہ ہیں وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے اور جنھوں نے ہزار ہا آدمیوں کے ایمان کو متزلزل کیا۔ ہماری تاریخ دشمنوں نے لکھی اور ہم نے ہاتھوں ہاتھ لی ۔ نہ تحقیق کی اور نہ تدقیق۔موجودہ تاریخ کو پڑھ کر ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں ۔اس خونی تاریخ کو ہم اپنی تاریخ سمجھتے ہیں ۔ہمیں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اس تاریخ کی صحت سے انکار کر دیں۔

(ماخوذ از مقدمہ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین)۔

اس فتنے کا توڑ کرنے کے لئے اور مسلمین کو ان کی صحیح تاریخ سے واقف کرانے کے لئے شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کی ایک کتاب تالیف کی جس میں صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد سے لے کر خلفائے اسلام تک کے حالات و واقعات کو

بڑے مربوط انداز میں جمع کیا گیا ہے۔اس تاریخ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ کسی ایک واقعہ پر بھی غلط ہونے کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صحت واعتماد کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہے۔

اسلامی تاریخ کے سلسلے میں ہمیں تعجب ہے کہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ سچے واقعات کو چھوڑ کر کتب تاریخ کے جھوٹے واقعات کیسے مقبول عام ہوئے جب کہ کتب تاریخ میں کسی واقعہ کے ثبوت میں سند کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔اگر سند بیان بھی کی گئی تو صحت اسناد کا التزام نہیں کیا گیا۔نہ اسناد کی جانچ پڑتال ہوئی۔تاریخی بیانات ناقابل قبول ہونے چاہیے تھے لیکن وائے افسوس کہ اہل علم اور عوام نے ان کو بلاتحقیق قبول کیا اور ان پر یقین بھی کرتے رہے۔طرفہ یہ کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں تاریخ کی جھوٹی روایات کو بڑی سادگی سے قبول کیا جاتا رہا۔حیرت ہے کہ جو باتیں سچی تھیں وہ پس پشت ڈال دی گئیں اور ان کے مقابلہ میں ان باتوں کو قبولیت عام حاصل ہوئی جو بے سند اور جھوٹی تھیں۔

اس طرح بیشتر من گھڑت قصے تاریخ اسلام کی زینت بن کر تاریخی حقیقت بن گئے۔سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تاریخوں میں مورخین نے ان روایات کو بھی جمع کر دیا جن کو دشمنان اسلام نے گھڑ کر صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کی سازش کی تھی۔اس طرح نہ صرف جماعت صحابہ نشانہ سب وشتم بنی بلکہ اسلام کی عمارت کی بنیادیں ہل گئیں۔صحابہ کرامؓ کے حالات اور واقعات اس طرح لکھے گئے جن کو پڑھ کر بعد میں آنے والی نسلیں ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو گئیں۔آہ!اس جماعت صحابہؓ کو جس کو رسول مقدس ﷺ نے تربیت دی تھی اور جس کو ساری امت کے لئے رہنما بنایا تھا آج بہت سے کم علم حضرات اس جماعت کو دھوکہ باز اور دنیادار سمجھ رہے ہیں۔افسوس، صحابہ کرامؓ کی جماعت جس نے اپنے خون سے باغ اسلام کو سینچا تھا آج وہ بدنام ہے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بڑی سادہ، پرخلوص اور پاکیزہ تھیں جن کو دشمنان اسلام نے اپنی مخصوص طرز کی رنگ آمیزی سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ان کی مدافعت کرنا ہر دردمند مسلم کا فریضہ ہے۔

مذکورہ بالا تاریخ اسلام کی ترتیب میں شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر یہ بھی ایک اہم مقصد تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ قرآن وحدیث صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ان کے صحیح حالات وواقعات کیا ہیں اور یہ کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں جن سے تاریخ کے اکثر اوراق سیاہ ہیں۔ ایسی کتاب کی اس دور پرفتن میں بے حد ضرورت تھی جس کو شیخ الاسلامؒ نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے بخوبی پورا کیا۔ یہ تاریخ ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ اگر چہ یہ ایک مختصر تاریخ ہے لیکن بڑی جامع اور ٹھوس ہے۔

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین کی تصنیف شیخ الاسلامؒ کا ایسا کارنامہ ہے جس کو ہر ایک نے سراہا۔ معروف صحافی اور کالم نگار جناب اوریا مقبول جان اپنے کالم ''حرفِ راز'' میں لکھتے ہیں۔

''اللہ مسعود احمد بی ایس سی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنہوں نے ''تاریخ الاسلام والمسلمین'' لکھی جو قرآن اور حدیث کی روایتوں پر مبنی ہے۔ یہ انتہائی اہم کام تھا جو مرحوم نے کیا اور یہ ان کی جماعت المسلمین کی ویب سائٹ پر موجود ہے''۔ (روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد مورخہ ۴ ستمبر ۲۰۱۵)۔

(۵) نماز کے آداب

۱۔ نماز کے لئے مناسب لباس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱)

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لیا کرو (صحیح مسلم ۵۳۰۱)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورتیں خانہ کعبہ کا طواف ننگی ہو کر کرتی تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم ۷۵۵۱)۔

آیت کا شان نزول اگر چہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولهـذه الآية ومـاورد فى معناها من السنة يستحب التجمل عند الـصلاة ولاسيمايوم الجمعةويوم العيد والطيب لانه من الزينة والسواك لانه من تمام ذلك۔

اس آیت سے اور اس مضمون کی جو احادیث ہیں ان سے نماز کے لئے خصوصًا جمعہ کے دن اور عید کے دن تجمل (زیبائش) مستحب ہے اور خوشبو لگانا کیونکہ وہ بھی زینت میں سے ہے اور مسواک بھی کیونکہ وہ ان سب باتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

والزينة ما يتزين به الناس من الملبوس، امروا بالتزين عند الحضورالى المساجد والطواف۔ (تفسيرفتح القدير، ج۲، ص۲۰۲)۔
زینت سے مراد وہ لباس ہے جس سے لوگ اپنی آرائش کرتے ہیں۔ انہیں حکم دیا گیا ہے زینت کرنے کا مساجد میں آنے کے وقت اور طواف کے وقت۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

والسنة أن يأخذ الرجل أحسن هيئتهٖ للصلاةَ۔ سنت یہ ہے کہ انسان نماز کے لئے اپنی بہترین ہیئت اختیار کرے (تفسیر کشاف، ج۲، ص۱۰۰)

علامہ نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ آدمی بہتر ہیئت کے ساتھ نماز کے لئے حاضر ہو کیونکہ نماز میں رب سے مناجات ہے تو اس کے لئے زینت کرنا عطر لگانا مستحب ہے۔ (تفسیر نعیمی)۔

علامہ مودودی لکھتے ہیں:

اللہ کی عبادت میں کھڑے ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ آدمی محض اپنا ستر چھپالے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حسب استطاعت وہ اپنا پورا لباس پہنے جس میں ستر پوشی بھی ہو اور زینت بھی۔ (تفہیم القرآن)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

ان رسول اللّٰه ﷺ جمع عليه ثيابه ثم خرج الى الصلاة
رسول اللہ ﷺ نے اپنے کپڑے اپنے اوپر جمع کر (کے پہن) لئے پھر آپ ﷺ نماز کے لئے نکلے۔ (صحیح مسلم، رقم ۸۰۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا صلى احدكم فليلبس ثوبيه فان اللّٰه احق ان تزين له أخرجه

الطبرانی فی الاوسط والبیهقی والطحاوی فی شرح معانی الآثار، قال الهیثمی والسید مسعود أحمد اسناده حسن ۔جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے دو کپڑے پہن لے اس لئے کہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔ (بیہقی بطرق متعددۃ۔ج ۲،ص ۳۰۳، طبرانی کبیر، طحاوی)۔

اس کی سند حسن ہے۔ (منہاج المسلمین۔ص ۱۰۰ و ۱۰۶، ۱۷۰)۔
حافظ ہیثمیؒ بھی لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، رقم ۲۲۲۷)۔

مندرجہ بالا آیت اور احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت انسان اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اور کامل لباس پہنے۔لیکن بعض لوگوں نے اس کے بالکل برعکس طرز عمل اختیار کیا ہوا تھا۔وہ بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کس کے دربار میں حاضر ہو رہے تھے۔ان کی نماز کا کچھ نقشہ منہاج المسلمین میں صفحات ۸۹۔۹۰ پر کھینچا گیا ہے۔

۲۔ عمامہ یا ٹوپی پہننا

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر عمامہ (صافہ، پگڑی) پہنتے تھے حتی کہ بعض اوقات وضو کرتے وقت عمامے پر ہی مسح کر لیتے تھے۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللّٰہ ﷺ دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء (رواه مسلم) رسول اللہ ﷺ (فتح مکہ کے دن) مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اس وقت آپؐ کالا عمامہ پہنے ہوئے تھے (صحیح مسلم ۳۳۱۰)۔

(۲) حضرت عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللّٰہ ﷺ خطب الناس وعلیه عمامة سوداء (رواه مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور آپ کالا عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم ۳۳۱۱)۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

بینما نحن یوما جلوس فی بیتنا فی نحرالظهیرة فقال قائل لأبی بکر هذا رسول الله ﷺ مقبلا متقنعا فی ساعة لم یکن یاتینا فیها رواه البخاری ۔ ہم ایک دن دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ کسی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ سامنے رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں اپنا سر ڈھانپے ہوئے۔ ایسے وقت میں کہ اس وقت آپ ہمارے ہاں کبھی تشریف نہیں لاتے۔ (صحیح بخاری ۵۸۰۷ و ۳۹۰۵)۔

(۴) حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ سے روایت ہے:

رأیت النبی ﷺ یمسح علی عمامته و خفیه (رواه البخاری)

میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ اپنے صافے اور موزوں پر مسح کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ۲۰۵)۔

(۵) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے:

مسح بنا صیته وعلی العمامة وعلی خفیه (رواه مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیشانی، عمامے اور موزوں پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم ۶۳۳)۔

(۶) حضرت بلالؓ سے روایت ہے:

ان رسول الله ﷺ مسح علی الخفین والخمار (رواه مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے موزوں پر اور اپنے سر کی اوڑھنی پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم ۶۳۷)۔

(۷) حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے

انَّ النبیَّ صلی الله علیه و سلم توضَّأَفمسح علی الخفین والخمار، قال الهیثمی رواه الطبرانی فی الصغیر و رجاله موثقون ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنے موزوں اور اوڑھنی پر مسح کیا۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اسے طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد، رقم ۱۳۵۷)۔

(۸) حضرت خزیمہ بن ثابتؓ فرماتے ہیں

ان النبیَّ صلی الله علیه و سلم کان یمسح علی الخُفَّینِ والخمار رواه الطبرانی فی الأوسط وقال الهیثمی اسناده حسن ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں اور اوڑھنی پر مسح کیا کرتے تھے۔ (طبرانی اوسط)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، رقم ۱۳۶۳)۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليا و كان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة و كان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة

آپ ﷺ کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا۔ وہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پہنایا تھا۔ آپ ﷺ وہ عمامہ پہنتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی عمامے کے بغیر صرف ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی ٹوپی کے بغیر عمامہ پہنتے تھے۔ (زاد المعاد، ج۱، ص۸۲)

پس معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ اپنا سر ڈھانپے رہتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ عمامہ (صافہ) پہنتے کبھی خمار (اوڑھنی یا رومال) اور کبھی قلنسوہ (ٹوپی)۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں

و ربما لم تكن العمامة فيشدُّ العِصابة علىٰ رأسه و على جبهته

کبھی جب عمامہ (صافہ) نہیں ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنے سر اور پیشانی پر پٹی باندھ لیتے تھے۔ (احیاء العلوم، ج۳، ص ۹۴)۔

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے:

كان رسول الله ﷺ يكثر د هن را سه وتسريح لحيته ويكثر القناع حتى كأن ثوبه ثوب زيات (رواه الترمذى فى الشمائل والبيهقى فى الشعب والبغوى فى شرح السنة وابن سعد فى الطبقات وأبو الشيخ فى اخلاق النبى ﷺ)

رسول اللہ ﷺ اپنے سر میں بہت تیل ڈالتے تھے۔ ڈاڑھی میں بہت کنگھی کیا کرتے تھے اور سر پر کثرت سے کپڑا اوڑھے رہتے تھے حتی کہ لگتا تھا کہ آپ ﷺ کا کپڑا تیلی کا کپڑا ہے۔ (شمائل ترمذی رقم ۳۳ و ۱۲۷، شعب الایمان للبیہقی، شرح السنہ للبغویؒ، ج۱۲، رقم ۳۱۶۴، ابوالشیخ ص ۱۷۳)

اس حدیث کو بعض لوگوں نے ربیع بن صبیح اور یزید بن ابان کی وجہ سے ضعیف کہا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''امام ابوالولیدؒ کہتے ہیں ماتكلم فيه أحد الاوالربيع فوقه۔ جس کسی نے ربیع پر کلام کیا ہے ربیع اس پر فوقیت رکھتا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔

امام ابن معینؒ فرماتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔

امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں شَیُخٌ صَالِحٌ وہ نیک بزرگ ہیں۔

امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں رَجُلٌ صَالِح وہ نیک مرد ہیں۔

امام شعبہؒ کہتے ہیں الربيع من سادات المسلمين
ربیع مسلمین کے سرداروں میں سے ہیں۔

امام ابن عدیؒ کہتے ہیں له أحاديث صالحة مستقيمة ان کی روایت کردہ احادیث باصلاح اور مستقیم ہیں۔

امام عجلیؒ کہتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔

امام شعبہؒ نے ربیع کو بہت عظمت دی (تہذیب)۔

الغرض ربیع ضعیف نہیں۔

یزید بن ابان بے شک ضعیف ہے لیکن حضرت انسؓ سے اس کی روایتیں ٹھیک ہیں اور یہ روایت حضرت انسؓ سے ہی ہے۔امام ابن عدیؒ کہتے ہیں لـــه أحاديث صالحة عن أنسؓ وغیرہ۔ عبدالرحمٰن اس سے روایت کرتے تھے اور لوگوں نے اس سے روایت کی ہے۔یعنی متروک نہیں ہے (تہذیب)۔حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں ويـرد عـلـيـه حـديـث أنسؓ كان ﷺ يكثر الـقـنـاع۔ گویا حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر سکوت کیا بلکہ اس سے حجت لی۔

الغرض یہ حدیث حسن سے کم نہیں‘‘۔(جماعت المسلمین پر اعتراضات اوران کے جوابات،ص۷۹-۸۰)۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کو حافظ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں دوجگہ نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے اوران دونوں نے اس حدیث سے حجت لی ہے اور حافظ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے حسن کہا ہے۔
(زادالمعاد،ج۱،ص۸۸و۱۷۷، فتح الباری،ج۱۰،ص۲۸۶، الجامع الصغیر،رقم ۷۱۴۰)۔

محمد عبدالعزیز الخالدی لکھتے ہیں:

وقد أخرج الذهبي نحوه من طريق الحسن بن دينار عن قتادة عن أنسؓ

یعنی حافظ ذہبیؒ نے اسی کے مثل حسن بن دینار عن قتادۃ عن انسؓ کی سند سے روایت کیا ہے۔ (حاشیہ شمائل ترمذی،ص۲۰) ۔اس میں ضعیف راوی تو کوئی نہیں البتہ قتادہ مدلس ہیں۔

حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت سہل بن سعدؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔
وہ فرماتے ہیں:

(۱۰) کان رسول اللہ ﷺ یکثر القناع ویکثردھن رأسہ ویسرح لحیتہ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان وضعفہ العراقی وحسنہ السیوطی فی الجامع الصغیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے سر پر کپڑا اوڑھتے تھے، کثرت سے سر میں تیل ڈالتے تھے اور اپنی ڈاڑھی میں کنگھی کرتے تھے۔ (شعب الایمان للبیہقی)۔ اس روایت کو حافظ عراقیؒ نے ضعیف کہا جبکہ حافظ سیوطیؒ نے اسے حسن کہا۔ (الجامع الصغیر، رقم ۱۴۱۷)۔

ان روایات سے قطع نظر، صحیحین کی جو احادیث اوپر نقل کی گئیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اپنا سر ڈھانپے رکھتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ صافہ (عمامہ) پہنتے تھے، کبھی خمار (اوڑھنی) اور کبھی بقول حافظ ابن قیمؒ آپ ﷺ قلنسوہ (ٹوپی) پہنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سر پر کچھ نہ کچھ پہننا ہمیشہ سے اسلامی تہذیب کا حصہ رہا ہے اور صلحاء وشرفاء ہمیشہ اپنے سر پر کچھ نہ کچھ پہنتے رہے ہیں۔ خاص طور پر گھر سے باہر جاتے وقت۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب آپ مکہ معظّمہ جانے کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے پاس ایک گدھا تھا۔ جب آپ اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو گدھے پر آرام فرماتے اور ایک عمامہ (صافہ) تھا جسے آپ سر پر باندھتے تھے۔ (صحیح مسلم ۶۵۱۵)۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:

لاینبغی أن تترك العمائم ولقد اعتممت وما فی وجھی شعرة

عماموں کو چھوڑ دینا مناسب نہیں اور میں نے تو اس وقت سے عمامہ باندھنا شروع کر دیا تھا جب میری ڈاڑھی مونچھ کا ایک بال بھی نہیں نکلا تھا۔ (فیض القدیر، ج ۴، ص ۲۹۷)۔

۳۔ سر کے مختلف پہناوے

سر کے پہناووں نے مختلف زمانوں میں مختلف علاقوں میں مختلف شکل اختیار کی۔ کسی علاقے میں صافہ استعمال ہوتا ہے، کہیں پگڑی، کہیں رومال، کہیں دستار، کہیں عقال اور کہیں ٹوپی۔ پھر ٹوپیاں بھی انواع واقسام کی ہوتی ہیں۔ اونچی باڑھ کی ٹوپی جیسی مرزا غالبؔ پہنتے تھے۔ ترکی ٹوپی (طربوش Fez) جس میں پھندنا لٹکا ہوتا ہے۔ فضل الحسن حسرتؔ موہانی اور نواب زادہ نصراللہ خان یہی ٹوپی پہنتے تھے۔ جناح کیپ جو پاکستان میں عام پہنی جاتی ہے۔ گول ٹوپی جیسے

خان لیاقت علی خان پہنتے تھے۔تنکوں کی سوراخوں والی ٹوپی، مساجد میں عام طور پر یہی ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں۔ کپڑے کی ٹوپی، دوپلّی ٹوپی جیسے اکثر علمائے دیوبند پہنتے ہیں۔شیعہ علماءاور مجتہدین ایک خاص قسم کی ٹوپی پہنتے ہیں۔اسی طرح خوجوں اور بوہریوں کی ٹوپیاں مخصوص قسم کی ہوتی ہیں۔سندھ اور بلوچستان میں پگڑیوں کے ساتھ شیشوں کے کام والی ٹوپیاں پہنی جاتی ہیں۔سرد علاقوں میں مخصوص چترالی ٹوپی پہنی جاتی ہے جو ٹھنڈک سے محفوظ رکھتی ہے۔الغرض مختلف علاقوں میں موسم اور رواج کے مطابق مختلف قسم کی ٹوپیاں پہنی جاتی ہیں۔

ٹوپیاں صرف اسلامی ممالک میں ہی نہیں پہنی جاتیں بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی سر پر کچھ نہ کچھ پہنا جاتا ہے۔مثلاً ہیٹ، فلیٹ ہیٹ ، بیرٹ (Beret)، پی کیپ، ماؤ کیپ، جاپانی کموری (Kammuri) وغیرہ وغیرہ۔ ہندو گاندھی کیپ یا نہرو کیپ پہنتے ہیں۔سکھ پگڑی باندھتے ہیں۔Monks کی ٹوپی Cowl کہلاتی ہے۔پارسی اور ایرانی جو دنبے کی کھال کی ٹوپی پہنتے تھے وہ پاپاخ کہلاتی تھی۔المنجد اور مصباح اللغات کے مطابق ''القاووق'' ایک قسم کی لمبی ٹوپی ہے جو ممالک عجم میں مستعمل ہے۔میکسیکو کے مرد جو ٹوپ پہنتے ہیں وہ sombrero کہلاتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

ٹوپیاں کسی شخص کے مرتبے، مقام اور حیثیت (Rank and Status) کی علامت بھی ہوتی ہیں۔مثلاً بادشاہ اور ملکہ تاج پہنتے ہیں۔ شہزادے چھوٹا تاج (Coronet) پہنتے ہیں۔شہزادیاں جو تاج پہنتی ہیں وہ (Tiara) کہلاتا ہے۔وائس چانسلر اور پروفیسر صاحبان اپنے مخصوص قسم کے سر کے پہناوے (Mortar board) سے پہچانے جاتے ہیں۔سپہ سالار کی ٹوپی عام سپاہیوں کی ٹوپی سے مختلف ہوتی ہے۔سپاہی عام طور پر ٹوپی کو ترچھا کر کے پہنتے ہیں۔بچپن میں ایک نظم پڑھی تھی ''وطن کا سپاہی'' اس کا پہلا شعر اب تک یاد ہے۔

بصد ناز و تمکیں بصد کجکلاہی
وہ آیا وہ آیا وطن کا سپاہی

''کجکلاہ'' اور ''ٹوپی والا'' معشوق کو بھی کہتے ہیں۔مثلاً میر تقی میرؔ کہتے ہیں:

دلّی کے کجکلاہ لڑکوں نے
کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا

ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

بعض لوگوں نے ان اشعار کو کسی اور شاعر کی طرف منسوب کیا ہے لیکن سید احمد دہلوی صاحب نے فرہنگ آصفیہ میں انہیں میر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

بعض ٹوپیاں سر کی حفاظت کے کام آتی ہیں۔ مثلاً خود (مغفر)، ہیلمٹ وغیرہ۔

الغرض ٹوپی کا استعمال دنیا کے ہر علاقے میں اور معاشرے کے ہر طبقے میں کسی نہ کسی صورت میں ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ انسان زمانہ قبل از تاریخ سے کسی نہ کسی قسم کی ٹوپی استعمال کرتا رہا ہے۔

۴۔ ٹوپی کے فوائد و مقاصد

ٹوپی سردیوں میں سر کو یخ بستہ ہواؤں سے بچا کر نزلہ، زکام وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہے اور گرمیوں میں لو سے بچا کر sun stroke وغیرہ سے بچاؤ کا سامان کرتی ہے۔ جب سخت گرمی پڑتی ہے تو طبی ماہرین کی طرف سے عوام الناس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب باہر دھوپ میں نکلیں تو سر کو کسی کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ لیں، چھتری کا استعمال کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بچوں کو سردی کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے عموماً ایک ٹوپی پہنائی جاتی ہے جسے کنٹوپ کہتے ہیں۔

جدید تحقیق کے مطابق دھوپ میں ننگے سر رہنا بالوں کے جھڑنے کا سبب ہوسکتا ہے۔ ''برطانوی ماہرین کا کہنا ہے کہ بالوں کے جھڑنے اور گرنے کے کئی اسباب ہوتے ہیں مگر دھوپ میں ننگے سر رہنا بھی بالوں کے جھڑنے اور گرنے کا ایک سبب ہے۔ ماہرین نے بتایا کہ لڑکیوں کی بالوں کی چمک اور تازگی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تیز دھوپ میں کھلے سر دھوپ میں نہ جائیں ورنہ انہیں بالوں کے جھڑنے اور گرنے کا عارضہ لاحق ہوسکتا ہے''۔ (روزنامہ ایکسپریس۔ اسلام آباد۔ مورخہ ۱۱ فروری ۲۰۱۰ء)۔

ٹوپی زینت کا کام بھی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں شرفاء جب گھر سے نکلتے تھے تو ٹوپی وغیرہ پہن لیتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں۔

نیز جیسا اوپر بیان ہوا بعض ٹوپیوں سے سر کی حفاظت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً مغفر، خود، ہیلمٹ وغیرہ۔

ٹوپی سے انسان کے مرتبے اور مقام کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً تاج یا اکلیل (diadem or crown) سے بادشاہت کا۔ اسی طرح دیگر مختلف ٹوپیوں سے مختلف مراتب (ranks) کا اظہار ہوتا ہے۔ دی نیو یونیورسل

لائبریری انسائیکلوپیڈیا لکھتا ہے۔

From remote times head resses have been symbols of social or professional distinction, whether it be the helmets of warrior chiefs, the coronals of married women, or those worn by medicine men, priests, head men or kings.(vol 7, p.24).

ہماری تہذیب میں ٹوپی کا ایک اور مقصد بھی ہے اور وہ ہے مؤدب ہونے کا اظہار۔ اسی لئے آج بھی تلاوت قرآن کے موقع پر سر کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ اذان کی آواز سن کر مسلم خواتین فوراً اپنے دوپٹوں کو اپنے سر پر لے لیتی ہیں۔ ہمارے قدیم معاشرے میں بزرگوں کے سامنے ننگے سر نہیں جایا جاتا تھا اور ننگے سر ہونے کو بہت معیوب اور بے ادبی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

ابوسلمہ خزاعی کہتے ہیں كان مالك بن أنسؒ اذا أراد أن يحدث توضأ وضوء ه للصلاة و لبس أحسن ثيابه و لبس قلنسوته و مشط لحيته ، فقيل له ذلك فقال " أُوَقّر به حديث النبيّ صلى الله عليه و سلم " (القربة الىٰ رب العالمين لابن بشكوال ص ٨٦)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب حدیثیں بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو وضو کرتے، اپنے سب سے اچھے کپڑے زیب تن فرماتے، اپنی ٹوپی پہنتے اور اپنی ڈاڑھی میں کنگھی کرتے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا ''میں اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عزت کرتا ہوں'' ۔(القربۃ الیٰ رب العالمین لابن بشکوال، ص ٨٦)۔

مولوی محمد حسین آزاد نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ سید انشاءاللہ خان انشآء ایک دن نواب سعادت علی خان کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے رکھ دی تھی۔ منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب کی طبیعت میں چہل آئی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول ماری۔ آپ نے جلدی سے ٹوپی سر پر رکھ لی اور کہا سبحان اللہ۔ بچپن میں بزرگ سمجھایا کرتے تھے وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھاتے ہیں تو شیطان دھولیں مارا کرتا ہے۔ (آبِ حیات، ص ٢٣٥)۔

ڈپٹی نذیر احمد اپنی مشہور اصلاحی کتاب '' توبۃ النصوح'' میں نصوح کے منجھلے بیٹے علیم کا بیان نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ''رومال سر پر سے کھسک گیا تو اس (عورت) نے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں'' ۔اس کے بعد حاشئے میں

لکھتے ہیں کہ ”اس زمانے میں برہنہ سر باہر نکلنا اس قدر خلاف تہذیب سمجھا جاتا تھا کہ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے تھے“۔(توبۃ النصوح، ص ۱۴۲)۔

روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد میں ریاست بھاول پور کے بارے میں ایک مضمون چھپا تھا۔اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

”اسلامی روایات کی علمبردار ریاست بھاول پور میں ننگے سر پھرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ہندو مسلم سب کے لئے لازم تھا کہ وہ بغیر سر ڈھانپے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ترکی ٹوپی درباری لباس (یونیفارم) کا اہم حصہ تھی۔سرخ یا کلیجی رنگ کی بانات کی ترکی ٹوپی پہننے کا رواج عام تھا۔فوجی وردی کے ساتھ خاکی رنگ کی ترکی ٹوپی استعمال کی جاتی تھی جس پر ریاست کا پیلیکن والا سرکاری مونوگرام ہوتا تھا۔ نواب صاحب، شہزادگان اور شاہی خاندان کے افراد بعض اوقات سفید ترکی ٹوپی کا استعمال بھی کرتے تھے۔نواب صاحب کی فوج کے گھڑسوار جاں نثار محافظ دستہ کے سپاہی سیاہ رنگ کی ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔روایات کی پابندی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ پرائم منسٹر کرافٹن اور پرائم منسٹر کرنل ڈرنگ بھی نواب صاحب کے سامنے پیش ہوتے تو ترکی ٹوپی ضرور پہنتے تھے۔کرافٹن کی کار میں ترکی ٹوپی کا ڈبہ ہر وقت موجود ہوتا تھا، وہ جیسے ہی صادق گڑھ پیلیس میں داخل ہوتا ،فلیٹ ہیٹ اتار کر ترکی ٹوپی پہن لیتا“۔(روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد، سنڈے میگزین مورخہ ۱۸ جون ۲۰۱۷)۔

ایک اور کالم نگار حافظ ثناءاللہ لکھتے ہیں

ایک زمانہ تھا جب ہمارے معاشرے میں ننگے سر ہونا عیب تھا۔اب تو بڑے سے بڑا عیب بھی عیب نہیں سمجھا جاتا۔اگلے وقتوں کے بڑے بوڑھے اور بڑی حد تک جوان لوگ بھی پگڑی پہن کر سر ڈھانپتے تھے۔ بڑے بوڑھے سختی سے ڈانٹتے جب کسی بچے یا نوجوان کو ننگے سر دیکھتے۔یا ننگے سر والے بڑے کو دور سے دیکھتے تو فوراً راستہ بدل دیتے۔اب تو مسجدوں میں ننگے سر نماز ادا ہو رہی ہے۔ کوئی پوچھتا ہی نہیں۔مسجد کا پیش امام بھی نہیں۔۔۔۔۔۔قیام پاکستان سے پہلے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی سارے کلاہ لنگی پہنتے تھے، میں نے دلیپ کمار، راج کپور اور ان کے والدین اور ان کے نوجوان کزن کا پشاور کا ایک گروپ فوٹو دیکھا تو وہ سارے پگڑی باندھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔اب خیبر پختونخواہ اور ملحقہ قبائلی علاقوں میں کلاہ، لنگی اور پٹکے کا رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے، نوجوان نسل اب ننگے سر نظر آتی ہے۔۔۔۔۔اے پختونخواوالو اور قبائلیو! تم نے کلاہ لنگی اور پگڑی اتار پھینک دی ہے۔گویا تم نے عزت پھینک دی ہے۔تو تم انگریزوں اور امریکیوں

کے غلام بن کر رہ گئے ہو۔تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو گیا ہے۔تمہارے بڑے اور
مشران پگڑی اور کلاہ لنگی پہنتے تھے تو پروقار تھے، قدآور تھے، بارعب اور دبدبے
والے تھے اور انگریزوں کو مار بھگانے میں کامیاب تھے۔''

(روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد مورخہ ۲۲ مئی ۲۰۱۷ء)

مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے بچپن میں والد صاحب ہمیں ہر سال عید پر
نئی ٹوپیاں دلواتے تھے۔نئی ٹوپی کے بغیر عید کی تیاری مکمل ہی نہیں ہوتی تھی۔
کراچی میں ڈینسو ہال کے علاقے میں ٹوپیوں کی کئی دوکانیں ہوتی تھیں جن کا بہت
اچھا کاروبار تھا۔چاندرات کو یہ دوکانیں ساری رات کھلی رہتی تھیں۔اُس زمانے
میں جرمنی سے ایک ترکی ٹوپی درآمد کی جاتی تھی جو ڈبل شیر گولہ کہلاتی تھی۔وہ تمام
ترکی ٹوپیوں میں سب سے بڑھیا ہوتی تھی۔عرصہ ہوا وہ ٹوپی بند ہو گئی۔یہ ۱۹۵۰ء
کی بات ہے۔جب سے اب تک حالات بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔معلوم نہیں
اب بھی ڈینسو ہال کی وہ دکانیں ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو اب ان کا کاروبار کس حال
میں ہے۔

میں یہ مضمون لکھ رہا تھا اسی دوران اخبار میں کالم نگار تنویر قیصر صاحب
کا ایک مضمون چھپا ''پلیز، پگڑی کی بے حرمتی نہ کیجئے''۔ اس میں سے ایک
مختصر اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''پگڑی مسلمان کی آن بان بھی ہے اور تشخص بھی۔۔۔پگڑی کو ہمارے
ہاں بعض افراد نے اپنی پہچان اس طرح بنالی کہ یہ ان کی ذات اور شخصیت کا حصہ
بن کر رہ گئی۔مثلاً مغربی پاکستان کے مشہور گورنر نواب آف کالا باغ ملک امیر محمد
خان اور ہماری مذہبی سیاست کی ایک محترم شخصیت عبدالستار خان نیازی دونوں
طرے دار پگڑی پہنتے اور دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتے۔۔۔ان سب سے اولیٰ
یہ حقیقت ہے کہ پگڑی اسلام کا ایک واضح نشان ہے۔اس سلسلے میں مجھے مشہور عالم
دین محترم علامہ اظہار بخاری صاحب نے ایک مثال ارسال کی ہے:''علامہ ابن
قیمؒ فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کسی کو شہر کا حاکم
مقرر نہ فرماتے جب تک اسے عمامہ (ٹوپی والی پگڑی) نہ بندھوا لیتے''۔(روزنامہ
ایکسپریس اسلام آباد، مورخہ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء)۔(نوٹ: علامہ ابن قیم کے اس قول
کی بابت مجھے علم نہیں)۔

ٹوپی یا پگڑی عزت کی علامت بھی ہے۔ٹوپی یا پگڑی ہی کی ایک قسم
دستار بھی ہے جو عموماً معزز اور سردار لوگ پہنتے ہیں۔پشتو کا ایک شعر ہے۔

چہ دستار تڑی ہزاروی   ددستار سڑی پہ شماروی

یعنی جو دستار باندھتے ہیں وہ ہزاروں میں ہیں لیکن دستار کے قابل سر صرف چند ہی ہوتے ہیں۔

دستار بندی ایک رسم ہوتی ہے جس میں عموماً کسی سردار، کسی شیخ، کسی پیر، کسی استاد یا کسی سجادہ نشین کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے سر پر پگڑی باندھی جاتی ہے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد ایک عالم کے سر پر جو پگڑی باندھی جاتی ہے وہ دستارِ فضیلت کہلاتی ہے۔ اقبال کوہِ ہمالیہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالم تاب پر

پگڑی باندھنا کسی کو عزت دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ پگڑی اتارنا، پگڑی اچھالنا کسی کی بے عزتی کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے یہ شعر ضرور سنا ہوگا۔

سنبھل کر اس جگہ رکھیئے قدم کو شیخ جی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے، اسے میخانہ کہتے ہیں

اپنی پگڑی کسی کے قدموں میں رکھ دینا اس شخص کو بہت زیادہ عزت دینے کا اظہار ہے۔ یہاں مجھے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نظام الدین اولیاءؒ سماع کے قائل تھے اور قوالی بڑے شوق سے سنتے تھے۔ قاضیٔ شہر ضیاء الدین سنامی گانوں اور قوالی کے سخت مخالف تھے۔ جب قاضی صاحب بیمار ہوئے اور ان کا آخری وقت قریب تھا تو خواجہ نظام الدینؒ اپنے مریدوں کو ساتھ لے کر قاضی صاحب کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ قاضی صاحب کو ان کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ قاضی صاحب نے کہا ان کو اندر نہ بلاؤ۔ میں مرتے وقت کسی بدعتی کی صورت دیکھنی نہیں چاہتا۔ یہ جواب سن کر خواجہ نظام الدینؒ نے کہا کہ قاضی صاحب کو بتاؤ کہ میں بدعت سے توبہ کر کے آیا ہوں۔ قاضی صاحب نے اپنے نوکروں سے کہا کہ میرا عمامہ لے جاؤ اور اسے گھر کے دروازے سے میرے پلنگ تک بچھا دو اور حضرت سے عرض کرو کہ اس عمامے پر پاؤں رکھتے ہوئے میرے پاس تشریف لائیں۔ لیکن خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے وہ عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کہا یہ شریعت کا عمامہ ہے، میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ یہ واقعہ اسی طرح مشہور ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے بھی اسے اپنی کتاب نظامی بنسری میں نقل کیا ہے۔ (نظامی بنسری، ص ۳۰۳)

خواجہ حسن نظامی نے مندرجہ بالا واقعہ لکھ کر اس کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”وہابی اس طرح بیان کرتے ہیں مگر وہابیوں کا یہ بیان بالکل غلط ہے“۔ (نظامی

بنسری ص ۳۲۵)۔

میں کہتا ہوں کہ خواجہ حسن نظامی نے مندرجہ بالا واقعے کی تردید کر کے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی عزت وعظمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اگر وہ یہ تردید نہ کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قاضی صاحب کی عیادت کر کے واپس روانہ ہی ہوئے تھے کہ قاضی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو جب ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ''یک ذات حامیٔ شریعت بود آں ہم نہ ماند''۔ ایک ذات شریعت کی حمایت کرنے والی تھی افسوس وہ بھی نہ رہی۔ (نظامی بنسری، ص ۳۰۴)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہماری قدیم تہذیب میں تو ٹوپی پہننا ادب کی علامت سمجھا جاتا تھا اور قرآن وحدیث پڑھتے وقت، نماز پڑھتے وقت، بزرگوں کی خدمت میں حاضری کے وقت اور گھر سے باہر جانے کے وقت لوگ ٹوپی پہن لیا کرتے تھے لیکن عیسائی تہذیب میں اس کے بالکل برعکس ٹوپی اتارنے کو احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ گرجاؤں میں اپنی مذہبی تقریبات کے دوران عیسائی حضرات اپنے سر نہیں ڈھانپتے۔ کھلے رکھتے ہیں۔ بلکہ سر ڈھانپنے کو برا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ مغربی آداب میں شامل ہے کہ مرد جب کسی گھر میں داخل ہو یا لفٹ میں اگر کوئی خاتون داخل ہو تو مرد اپنا ہیٹ اتار دے۔ کسی کو سلام (greet) کرتے وقت یا الوداع کہتے وقت بھی ہیٹ اتار دیا جاتا ہے۔ البتہ یہودی اپنے عبادت کدے (Synagogue) میں سروس کے دوران ہیٹ پہنے رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے ٹوپی انسان کے رسمی لباس (formal dress) کا حصہ رہی ہے۔ یہ زینت بھی ہے، اس کے طبی فوائد بھی ہیں اور اس کی شرعی ومعاشرتی حیثیت بھی ہے۔

(۵) ننگے سر والے کی گواہی قبول نہیں

ہمارے معاشرے میں ننگے سر رہنا کتنا معیوب سمجھا جاتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک ننگے سر والے کی شہادت قبول نہیں۔ چنانچہ محمد یونس صاحب پالن پوری لکھتے ہیں:۔

’’اسلام بلند اخلاق وکردار کی تعلیم دیتا ہے اور گھٹیا اخلاق و معاشرت سے منع کرتا ہے۔ ننگے سر بازاروں اور گلیوں میں نکلنا اسلام کی نظر میں ایک ایسا عیب ہے جو انسانی مروت وشرافت کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اسلامی عدالت ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کرے گی۔ مسلمانوں میں ننگے سر پھرنے کا رواج انگریزی تہذیب ومعاشرت کی نقالی سے پیدا ہوا ہے ورنہ اسلامی معاشرت میں ننگے سر پھرنے کو عیب تصور کیا جاتا ہے۔‘‘ (بکھرے موتی ص۱۲۳، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد۳ صفحہ۲۲۴، آپ کے مسائل، ج۸، ص۲۲۴)۔

(٦) ننگے سر نماز پڑھنا

جیسے اوپر بیان کیا گیا رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ عام حالات میں بھی سر پر عمامہ یا خمار پہنے رہتے تھے تو بھلا نماز پڑھتے وقت سر ننگا کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ماضی قریب میں بعض لوگوں نے ننگے سر نماز پڑھنے کو ایک غیر ضروری نزاعی مسئلہ بنا دیا۔ پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں جماعت غرباء اہلحدیث کی طرف سے ایک کتابچہ شائع کیا گیا ضرب الفأس علیٰ من کرہ الصلوٰۃ لمکشوف الرأس (یعنی کلہاڑی کا وار اس شخص پر جو ننگے سر نماز پڑھنے کو ناپسند کرتا ہے)۔ پھر پاکستان بننے کے بعد بھی اہلحدیث عالم عبدالقادر حصاری صاحب کے قلم سے ایک کتابچہ اسی نام سے شائع ہوا۔ اس کا جواب عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث ڈیرہ غازی خان نے ۱۵ جولائی ۱۹۶۲ء کو شائع کیا۔ یہ دونوں کتابچے میرے پاس موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے اس موضوع پر اور بھی کتابیں اور رسالے شائع ہوئے ہوں جو میرے علم میں نہیں۔

ننگے سر نماز پڑھنے والوں پر ایک حنفی عالم کا طنز

ایک حنفی عالم محمد پالن حقانی گجراتی لکھتے ہیں۔

’’اہلحدیث صاحبان جو کھلے سر نماز پڑھنے کے عادی بنتے جا رہے ہیں ان کو فقہ اور سہولت دے رہی ہے یعنی بغیر کرتے کے بھی نماز ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔تو اب کرتا بھی نہ پہنئے کیونکہ نماز میں ستر عورت کا چھپانا مرد کے لئے فرض ہے۔۔۔۔۔۔اہل حدیث صاحبان کے عالم صاحبان جب وعظ کرتے ہیں تو اس وقت ان کے سر پر ٹوپی یا عمامہ ضرور ہوتا ہے۔کوئی اہل حدیث عالم کھلے سر وعظ نہیں کرتا تو پھر نماز میں کھلا سر کیوں؟۔نماز کی اہمیت وعظ کی اہمیت سے بہت زیادہ ہے۔۔۔۔بعض اہل حدیث صاحبان کو بازاروں میں کھلے سر گھومتے ہوئے دیکھتے ہیں۔کھلے سر بازاروں میں گھومتے رہنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ عمل ہے نہ حکم ہے۔یہ محترم اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں اور حدیثوں پر عمل نہیں کرتے۔تعجب ہے۔(جماعت اہل حدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف، ص ۱۷۷۔۱۷۸)۔

ننگے سر نماز پڑھنے والوں کے دلائل

جو لوگ ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کے دعوے دار ہیں ان کی اصل دلیل حضرت جابرؓ کی مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

عن محمد بن المنکدر قال صلّى جابر فی ازارٍ [فی ثوب ملتحفًا بہٖ] وثيابه [رداؤه] موضوعة على المشجب، قال له قائل: تصلي في ازارٍ واحدٍ؟ فقال انما صنعت ذلك ليراني احمق مثلك [الجهال مثلكم] [رأيت النبی ﷺ يصلي كذا] [فی ثوب] وأينا كان له ثوبان علىٰ عهد النبي ﷺ (رواه البخاری ورواه مسلم مختصرًا)

محمد بن المنکد رکہتے ہیں حضرت جابرؓ نے تہہ بند میں نماز پڑھی اور ان کی چادر اسٹینڈ پر رکھی ہوئی تھی۔کسی نے ان سے کہا آپ صرف تہہ بند میں نماز پڑھ رہے ہیں؟انہوں نے فرمایا میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم جیسا بے وقوف یا تم جیسے نادان مجھ کو دیکھیں۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔اور ہم میں سے کس کے پاس رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں

دو کپڑے ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۷۰)۔ اسے امام مسلمؒ نے بھی مختصراً روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ۱۱۵۸)۔

اس حدیث سے ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کی دلیل لینا صحیح نہیں اس لئے کہ

(۱) اس روایت کے مطابق تو حضرت جابرؓ نے قمیص یا بنیان بھی نہیں پہنا تھا۔ صرف ایک ازار یعنی تہہ بند میں نماز پڑھی تھی لہذا ان کا سینہ، پیٹ اور پیٹھ بھی ننگی تھی۔ تو اگر اس حدیث سے ننگے سر نماز پڑھنے کی دلیل لی جا سکتی ہے تو کل کوئی اس حدیث سے ننگے دھڑ نماز پڑھنے کی دلیل بھی لے سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو آپ اسے کیسے روکیں گے؟

(۲) اگر یہ کہا جائے کہ حضرت جابرؓ نے ایک ہی کپڑے کو اپنے پورے جسم پر لپیٹ لیا تھا اور ان کا دھڑ ننگا نہیں تھا تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کسی نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ ''آپ صرف تہہ بند (ازار) میں نماز پڑھ رہے ہیں؟'' اور یہ ظاہر ہے کہ تہہ بند سے اوپر کا جسم نہیں ڈھانپا جا سکتا۔ لیکن بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے اپنا اوپر کا جسم چھپا لیا تھا تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنا سر بھی ڈھانپ لیا تھا۔ اس کی مزید تشریح آگے آ رہی ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اس روایت میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا مقصد حضرت جابرؓ نے خود ہی بتا دیا کہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عسرت و تنگدستی کا یہ حال تھا کہ کسی کے پاس دو کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔ میں کہتا ہوں دو کپڑے تو کجا اکثر لوگوں کے پاس اتنا کپڑا بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے ستر کو یا اپنی شرمگاہ کو ہی اچھی طرح چھپا سکیں۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے۔ ان کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب وہ سجدے میں جاتے تو ان کا ستر کھل جاتا۔ قبیلے کی ایک عورت نے کہا ''کیا تم لوگ اپنے قاری کی شرمگاہ ہم سے نہیں چھپا سکتے؟'' تو سب لوگوں نے کپڑا خریدا اور ان کے لئے قمیص بنوا دی۔ عمرو بن سلمہؓ کہتے ہیں مجھے اس قمیص سے اتنی خوشی ہوئی کہ کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری ۴۳۰۲)۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں صحابۂ کرامؓ کی تنگدستی

حضرت عمرو بن سلمہؓ تو خیر اُس وقت چھ یا سات سال کے بچے تھے لیکن اُس زمانے میں بڑے لوگوں کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ان کے پاس بھی اپنا ستر چھپانے کے لئے مناسب کپڑے نہ ہوتے تھے۔حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں

کان الناس یصلون مع النبی ﷺ وھم عاقد و اُ زرھم من الصغر علی رقابھم [کھیئة الصبیان] فقیل للنساء لاترفعن رء وسکن حتی یستوی الرجال جلوسا (متفق علیه)۔لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ وہ اپنے تہہ بند چھوٹے ہونے کی وجہ سے بچوں کی طرح اپنی گردن پر باندھ لیتے تھے۔اور عورتوں سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ تم اس وقت تک (سجدے سے) اپنے سر نہ اٹھایا کرو جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں (تا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی نظر کسی مرد کے ستر پر پڑ جائے)۔(صحیح بخاری ۱۲۱۵،صحیح مسلم ۹۸۷)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں

رأیتُ سبعین من أصحاب الصفة ما منھم رجل علیه رداء ، اِما اِزار و اِما کِساء قد ربطوا فی أعناقھم فمنھا ما یبلغ نصف الساقین و منھا ما یبلغ الکعبین فیجمعه بید ہ کراھیة أن تُری عورتُه رواہ البخاری ۔میں نے اصحابِ صُفّہ میں ستر(۷۰) آدمیوں کو دیکھا ان میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی تھی۔یا تہہ بند ہوتی تھی یا ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔کوئی کپڑا تو آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا تھا اور کوئی ٹخنوں تک۔وہ اپنے ہاتھ سے اس کو اکٹھا رکھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ان کی شرمگاہ نظر نہ آجائے (صحیح بخاری، ۴۴۲)

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ فرماتی ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا:

یا معشر النساء من کان منکن تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا ترفع رأسھا حتی یرفع الرجال رء وسھم کراھیة [مخافة] أن یرین من عورات الرجال (رواہ أحمد و أبوداود)۔اے عورتوں کی جماعت!تم میں سے جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ اس وقت تک اپنا سر نہ اٹھائے جب تک مرد اپنے سر نہ اٹھالیں۔اس ڈر سے کہ کہیں عورتیں مردوں کی شرمگاہوں کو نہ دیکھ لیں۔ (مسند امام احمد۲۶۴۰۷و۲۶۴۱۰، ابوداؤد ۸۵۱)۔ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیسؓ فرماتے ہیں:

أتیت رسول اللہ ﷺ وھو یصلی فقمت عن یسا ره فأخذ نی فأقامنی عن یمینه وعلی ثوب متمزق لایوا رینی فجعلت کلما سجدت امسکته بیدی مخافة أن تنکشف عورتی وخلفی نساء فلما انصرف رسول اللہ ﷺ دعالی بثوب فکسانیه وقال تدرَّع بخلقك ۔ روا ه الطبرانی فی ا لکبیر ورجا له موثقون (مجمع الزوائد ج۲، رقم ۲۲۲۳)۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو پکڑ کر اپنے دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ میں جو کپڑا پہنے ہوئے تھا وہ پھٹا ہوا تھا جو میری ستر پوشی پوری طرح نہیں کرتا تھا تو میں جب بھی سجدے میں جاتا اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتا اس ڈر سے کہ میری شرمگاہ نہ کھل جائے اور میرے پیچھے عورتیں (نماز پڑھ رہی) تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ نے میرے لئے کپڑا منگوایا اور وہ مجھے (بطور تہہ بند) پہنا دیا اور فرمایا کہ جو تمہارا پرانا کپڑا ہے اس سے قمیص کا کام لو۔ (طبرانی کبیر)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد، ج۲، رقم ۲۲۲۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

کنا جلوسا مع رسول اللہ ﷺ اذ جاءہٗ رجل من الانصار فسلم علیه ثم ادبر الانصاری فقال رسول اللہ ﷺ "یا أخا الانصا ر کیف أخی سعد بن عبادة؟" فقال صالح فقال رسول اللہ ﷺ "من یعوده منکم؟" فقام وقمنا معه ونحن بضعة عشر ماعلینا نعال ولا خفاف ولا قلانس ولا قمص نمشی فی تلك السباخ حتی جئناه فاستأخر قومه من حوله حتی دنا رسول اللہ ﷺ وأصحابه الذین معه (رواه مسلم)

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس انصار میں سے ایک شخص آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا پھر پیچھے ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے انصاری! میرا بھائی سعد بن عبادہ کیسا ہے؟'' اس نے کہا (اب) ٹھیک ہے۔ (اس زمانے میں سعد بن عبادہؓ بیمار تھے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کون اس کی عیادت کرنے چلے گا؟'' پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ہم تقریباً پندرہ سولہ آدمی تھے۔ ہمارے پاس پہننے کو نہ جوتیاں تھیں، نہ موزے تھے، نہ ٹوپیاں تھیں اور نہ قمیصیں تھیں۔ ہم اس بنجر زمین میں چل کر سعد بن عبادہؓ کے گھر پہنچے تو ان کی قوم

کے لوگ ان کے پاس سے پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ اور جو اصحاب آپ ﷺ کے ساتھ تھے وہ سعد بن عبادہ کے قریب ہو گئے۔ (صحیح مسلم ۲۱۳۸)۔

حضرت عتبہ بن غزوانؓ فرماتے ہیں:

لقد رأيتني سابع سبعة مع رسول الله ﷺ مالنا طعام الا ورق الشجر حتى قرحت اشداقنا فالتقطت بردة فشققتها بيني و بين سعد بن مالك فاتزرت بنصفها واتزر سعد بنصفها فما أصبح اليوم منا أحد الا أصبح أميرًا علىٰ مصر من الانصا ر --- (رواه مسلم)۔

میں نے (وہ وقت) دیکھا ہے جب (اوائل اسلام میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجھ سمیت صرف سات آدمی تھے۔ اس وقت ہمارے پاس درختوں کے پتوں کے علاوہ کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ پتے چبا چبا کر ہمارے جبڑوں میں زخم ہو گئے تھے۔ (اور وہ وقت بھی تھا جب) میں نے ایک چادر لے کر اس کو پھاڑ کر اس کے دو حصے کئے۔ آدھی چادر کو میں نے اپنی ازار (تہہ بند) بنا لیا اور دوسری آدھی چادر کی سعد نے اپنی ازار بنا لی۔ اور آج یہ حال ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا گورنر بنا ہوا ہے۔ (صحیح مسلم ۷۴۳۵)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

[واللہ] انّی لاوّل العرب رمٰی بسهم فی سبيل الله ورأيتنا نغزوا ومالنا طعام الا ورق الحبلة وهذا السمر وان أحد نا ليضع كما تضع الشاة ماله خلط --- (متفق عليه)۔

اللہ کی قسم! میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔ اور میں نے وہ وقت دیکھا ہے جب ہم (کفار سے) جنگ کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا سوائے خاردار درختوں کے پتے۔ اور پھر ہم بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔ ان میں (تری کی ذرا سی بھی) ملاوٹ نہ ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری ۶۴۵۳، صحیح مسلم ۷۴۳۳)۔

حضرت خبابؓ فرماتے ہیں:

هاجرنا مع النبي ﷺ نريد وجه الله فوقع أجرنا على الله فمنا من مضى لم يأخذ من أجره شيئا منهم مصعب بن عمير قتل يوم احد وترك نمرة فكنا اذا غطينا بها رأسه بدت رجلاه واذا غطينا رجليه بدا رأسه فأمرنا رسول الله ﷺ أن نغطي رأسه ونجعل على رجليه شيئا من اذخر (متفق عليه)۔

ہم نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

ہجرت کی تو ہمارا اجر اللہ کے ذمے واقع ہو گیا۔ پس ہم میں سے ایسے بھی تھے جو (دنیا سے) چلے گئے اور انہوں نے اپنے اجر میں سے (دنیا میں) کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ انہی لوگوں میں سے ایک مصعب بن عمیر تھے۔ وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور انہوں نے صرف ایک چادر چھوڑی تھی۔ (وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ) اگر ہم اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ہم ان کے پیر ڈھانپتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے سر کو ڈھانپ دیں اور ان کے پیروں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔ (صحیح بخاری ۳۸۹۷، صحیح مسلم ۲۱۷۷)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

قام رجل الی النبی ﷺ فسأله عن الصلاة فی الثوب الواحد فقال "أو كلكم يجد ثوبين" (متفق عليه)۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟''۔ (صحیح بخاری ۳۶۵ و ۳۵۸، صحیح مسلم ۱۱۴۸-۱۱۵۰)۔

حضرت واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں

كنت فی اصحاب الصفة فلقد رأيتُنا و ما منا انسان عليه ثوب تام ، قال المنذ ری رواه الطبرانی فی الكبير باسانيد و رجال احدها رجال الصحيح و كذا قال الهيثمی

میں اصحاب صُفہ میں سے تھا اور میں نے دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی انسان ایسا نہ تھا جس کے پاس پورا کپڑا ہو (طبرانی کبیر)۔

حافظ منذری لکھتے ہیں اسے طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں (الترغیب والترہیب، رقم ۳۶۸۴)۔ حافظ ہیثمی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (مجمع الزوائد، ج ۱۰، رقم ۱۷۸۹۹) (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم ۳۴۲۶)۔

یہ اُس زمانے کی تنگدستی اور غربت کا بہت مختصر سا نقشہ ہے۔ اس زمانے میں کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے ہی نہیں تھے اس لئے اس وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھنا ان لوگوں کی مجبوری تھی۔

جس کے پاس دو کپڑے ہوں اسے دو کپڑوں ہی میں نماز پڑھنی چاہیئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں:

وفی هذا الحدیث دلیل علیٰ وجوب الصلاة فی الثیاب لما فیه من أن الاقتصار علی الثوب الواحد کان لضیق الحال وفیه أن الصلاة فی الثوبین أفضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض بنفی الخلاف فی ذلك (فتح الباری، ج ۱، ص ٥٦٧)۔ اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ (مکمل) کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا تنگدستی کی وجہ سے تھا اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور قاضی عیاض ؒ نے صراحت کی ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (فتح الباری، ج۱ص ۵۶۷)۔

اب بھی جو شخص اتنا غریب ہے کہ اس کے پاس دو کپڑے نہیں وہ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے گا لیکن جس کے پاس دو کپڑے ہوں اس کو دو کپڑوں ہی میں نماز پڑھنی چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اذا کان لاحدکم ثوبان فلیصل فیهما فان لم یکن الا ثوب فلیتزر به ولا یشتمل اشتمال الیهود (رواه ابوداو)۔ جب تم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو اسے دو کپڑوں ہی میں نماز پڑھنی چاہیئے اور اگر صرف ایک ہی کپڑا ہو تو اس کو تہہ بند بنا لے اور یہود کی طرح اشتمال نہ کرے (ابوداؤد، ۶۳۵)۔

حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں:

اذا وسع الله فاوسعوا جمع رجل علیه ثیابه (رواه البخاری) ۔جب اللہ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت اختیار کرو۔ ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے اوپر اپنے کپڑے جمع کرلے (یعنی مکمل لباس میں نماز پڑھے) (صحیح بخاری ۳۶۵)۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں

الصلوة فی الثوب الواحد سنة کنا نفعله مع رسول الله ﷺ ولا یعاب علینا۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ ایسا کیا کرتے تھے اور اس پر کوئی ہمیں عیب نہ دیتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا انما كان ذاك اذ كان فى الثياب قلة فأما اذ وسع الله فالصلوة فى الثوبين ازكىٰ ایسا اس وقت تھا جب کپڑوں کی قلت تھی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے وسعت فرمائی ہے تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ پاکیزہ (بہتر) ہے۔ (مسند امام احمدؒ، ج ۶، رقم ۲۰۷۶۹)۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ابونضرہ کا سماع نہ حضرت ابی بن کعبؓ سے ثابت ہے اور نہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے۔ (تنقیح الرواۃ، ج ۱، ص ۱۳۹)۔

ننگے سر نماز پڑھنے کے کچھ اور دلائل

بعض لوگ مندرجہ ذیل حدیثوں سے بھی ننگے سر نماز پڑھنے کی دلیل لیتے ہیں۔

(۱) حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

وقال الحسن كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه فى كمه۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگ عمامے پر اور قلنسوہ (ٹوپی) پر سجدہ کرتے تھے اور ان کے ہاتھ آستین میں ہوتے تھے (صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب ۲۳ السجود على الثوب فى شدة الحر)۔

اس سے وہ لوگ اس طرح دلیل لیتے ہیں کہ جب لوگ عمامے پر سجدہ کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ عمامہ ان کے سر پر نہیں ہوتا تھا اور ان کا سر کھلا ہوتا تھا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ اس کے فوراً ابعد حضرت امام بخاریؒ نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں یہ وضاحت ہے کہ وہ عمامے کی پیچ یا کور پر سجدہ کرتے تھے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

كنا نصلى مع النبى ﷺ فيضع أحدنا طرف الثوب من شدة الحر فى مكان السجود (رواه البخارى، ۳۸۵) وفى رواية فاذالم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه [جبهته] من الارض بسط ثوبه فسجد عليه (متفق عليه)۔ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے کا سرا سجدے کی جگہ پر رکھ لیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، ۳۸۵)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب (سخت گرمی کی وجہ سے) ہم زمین پر اپنی پیشانی ٹکا نہیں سکتے تھے تو اپنا کپڑا پھیلا کر اس پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۰۸، صحیح مسلم ۱۴۰۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کپڑے کا کنارا یا عمامے کا شملہ (کور عمامہ) پھیلا کر اس پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ پورا عمامہ اتار کر یا پورے کپڑے اتار کر ان پر سجدہ کرتے تھے۔

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

قال الشیخ وأما ما روی عن النبی ﷺ من السجود علیٰ کور العمامة فلا یثبت شئ من ذلك وأصح ما روی فی ذلك قول الحسن البصری حکایة عن اصحاب النبی ﷺ (بیهقی، ج۲، ص ۱۰۶) ۔

رسول اللہ ﷺ کے کور عمامہ پر سجدہ کرنے کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔ اس بارے میں سب سے صحیح حسن بصریؒ کا قول ہے جس میں انہوں نے صحابۂ کرامؓ کا طرز عمل بیان کیا ہے (کہ وہ عمامے کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے) ۔(بیہقی، ج۲، ص۱۰۶)۔

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ صحابۂ کرامؓ شدید گرمی کی وجہ سے اپنے عمامے کے پیچ (کور عمامہ) پر سجدہ کرتے تھے نہ یہ کہ عماموں کو اتار کر سجدے کی جگہ پر رکھ دیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

وکان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه وهو یصلی ۔

رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے وقت کبھی ایسا کرتے کہ اپنی ٹوپی اتار کر اسے اپنے سامنے سترہ بنا کر رکھ لیتے تھے۔ اس حدیث کو رویانی نے مسند میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں روایت کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے نقل کرنے کے بعد اسے ضعیف کہا ہے۔ (فیض القدیر، ج۵، رقم ۷۱۶۸)۔ علامہ سیوطیؒ احادیث کی تصحیح کے بارے میں بہت نرم ہیں۔ جب وہ اس حدیث کو ضعیف لکھ رہے ہیں تو اندازہ کر لیں کہ یہ حدیث کس قدر ضعیف ہوگی۔ ایسی ضعیف حدیث سے استدلال قطعاً درست نہیں۔

عاجزی کی نیت سے ننگے سر نماز پڑھنا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنا عاجزی کا اظہار ہے چنانچہ علامہ احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

"اگر بانیت عاجزی ننگے سر نماز پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں" (احکام شریعت ۱/۵۴)۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے "ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے جب کہ اس کے پاس عمامہ بھی موجود ہو اور اس نے سستی کرتے ہوئے اور عمامے کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھی۔ اور اگر وہ خشوع وخضوع کے لئے ننگے

سرنماز پڑھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ زیادہ بہتر ہے۔'' (صحیح نماز
نبوی تالیف الشیخ عبدالرحمٰن عزیز، ص ۸۷)۔

سبحان اللہ! یہ کیسی خودساختہ عاجزی ہے اور کیسا خشوع وخضوع ہے جس
کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ جو
عمامے پہن کر نماز پڑھتے تھے تو کیا ان کی نمازیں معاذ اللہ عاجزی اور خشوع و
خضوع سے عاری ہوتی تھیں؟

(۱) شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ**
(الاعراف ۳۱) ۔ ہر صلوٰۃ کے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے واللّٰه أحقُّ أن يُّزَيَّنَ لَه اللہ زیادہ حقدار
ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔ (سنن بیہقی بطرق متعددۃ ورواہ الطبرانی فی
الکبیر واسنادہ حسن۔ مرعاۃ المفاتیح، جلد اول، ص ۵۰۶)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
سلم کا ارشادگرامی ہے اِنَّ اللّٰهَ جميلٌ يحبُّ الجمال بے شک اللہ خوبصورت
ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)۔ عاجزی اور فروتنی کے خیال سے
زینت ترک کرنا یہ بھی خلافِ سنت ہے کیونکہ اس قسم کی عاجزی صرف نماز استسقاء

میں مسنون ہے نہ کہ تمام نمازوں میں''۔ (منہاج المسلمین، ص ۹۹۔ ۱۰۰)۔

(۲) علامہ سید داود غزنوی لکھتے ہیں:

''اگر تعبد اور خضوع اور خشوع وعاجزی کے خیال سے (ننگے سر نماز) پڑھی
جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد
یا خشوع وخضوع کی علامت نہیں۔ اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ
منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا و لا یاتون الصلاۃ الا و ھم کسالیٰ
(التوبہ ٥٤)۔ غرض ہر لحاظ سے یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔'' (فتاویٰ علمائے
حدیث، ج۴، ص۲۹۰)۔

(۳) علامہ سید محبّ اللہ شاہ راشدی پیر جھنڈا لکھتے ہیں:

''اکثر حضرات یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حالت احرام میں ننگے سر نماز پڑھی
جاتی ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اگر اس جگہ بھی کثرت سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو
پھر حالت احرام اور اس جگہ میں کیا فرق رہا؟ حالت احرام میں ننگے سر نماز پڑھنا
صاف دلالت کررہا ہے کہ غیر احرام کی حالت میں ننگے سر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔
مثلاً حاجی لوگ احرام کی حالت میں بھی ننگے سر نماز پڑھیں اور احرام ختم ہونے کے
بعد بھی ننگے سر نماز پڑھیں تو امتیاز کیا رہا؟ احرام اور غیر احرام کی حالت میں فرق

کیسے کیا جائے گا کہ یہ محرم ہے یا غیر محرم۔ حالت احرام میں سر ڈھانپنا گناہ اور جرم ہے۔ کیا غیر احرام کی حالت میں بھی سر ڈھانپنا جرم ہے؟ حالت احرام میں کرتا پاجامہ پہننا منع ہے تو کیا غیر احرام میں بھی منع ہوا؟'' (نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ، ص۱۸)۔

(۴) میں کہتا ہوں کہ نماز کا حج سے مقابلہ کرنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ نماز کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے زینت پہننے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱)

ہر نماز کے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو۔

اس حکم کے مطابق نماز کے وقت زینت کرنا مطلوب ہے جبکہ حج میں اس کے بالکل برعکس ترکِ زینت مطلوب ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں نماز اور حج کا مقابلہ کرنا درست نہیں۔

کیا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا مطلب ننگے سر نماز پڑھنا ہے؟

احادیث میں جہاں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر آتا ہے اس سے بعض حضرات ننگے سر نماز پڑھنے کی دلیل لیتے ہیں حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں سر لازمًا کھلا ہو۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں: لو وارت جسدها فی ثوب جاز، علقه البخاری ۔ اگر عورت اپنے جسم کو ایک کپڑے میں چھپا لے تو جائز ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ۱۳، فی کم تصلی المرأة من الثیاب)۔ اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے موصول کیا ہے اور اس کے مکمل الفاظ اس طرح ہیں: لو أخذت المرأة ثوبًا فتقنعت به حتی لا یری من شعرها شئ أجزأ عنها اگر عورت ایک کپڑے سے اپنے سر کو اس طرح چھپا لے کہ اس کے بال نظر نہ آئیں تو اس کے لئے کافی ہے۔ (فتح الباری، ج۱، ص۵۷۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سر لازماً کھلا ہو۔ لہٰذا جن احادیث میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہ ننگے سر نماز پڑھنے کی حتمی دلیل نہیں اور ان سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں۔

دوم یہ کہ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں سر لازماً کھلا تھا تب بھی یہ ننگے سر نماز پڑھنے کی دلیل نہیں اس لئے کہ اُس وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھنا غربت اور تنگدستی کی وجہ سے تھا، اضطراری

تھا۔اختیاری نہ تھا۔

مشہور اہلحدیث عالم جناب محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ لکھتے ہیں:

''عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھی جائے تو سر ننگا رہے گا حالانکہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔اس مضمون کی احادیث ام ہانیؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، عمر بن ابی سلمہؓ، طلق بن علیؓ وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں۔خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو۔پھر احادیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہارِ جواز کے لئے ہے یا کپڑوں کی کمیابی کی وجہ سے۔ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے، سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے أو لکلکم ثوبان؟ ۔(أبوداود) ۔طلقؓ کی روایت میں ہے أو کلکم یجد ثوبین ؟ (أبوداود)۔ کیا سب کو دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث، مرتبہ ابو الحسنات علی محمد سعیدی، ج۴، ص ۲۸۷)۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''عن عمر بن ابی سلمة قال رأیت النبیّ ﷺ یصلی فی ثوب واحد مشتملاً به فی بیت أم سلمةؓ واضعاً طرفیه علیٰ عاتقیه (صحیح بخاری ٣٥٦) عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں اشتمال کئے ہوئے صلوٰۃ پڑھتے دیکھا۔آپؐ نے کپڑے کے دونوں کناروں کو اپنے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔امام اخفشؒ کہتے ہیں ان الاشتمال هو أن یلتف الرجل بردائه أو بکسائه من رأسه الیٰ قدمه اشتمال سر سے قدم تک ڈھانکنے کو کہتے ہیں (نیل الاوطار، جز۲، ص۶۳)۔یعنی ایک کپڑے میں صلوٰۃ پڑھے تو بھی سر ڈھانک لے۔ننگے سر صلوٰۃ پڑھنے والے کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکتے جس میں ٹوپی یا صافہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کے ننگے سر صلوٰۃ پڑھنے کی صراحت ہو اور نہ کوئی ایسی قولی یا تقریری حدیث ہی پیش کر سکتے ہیں۔کنز العمال کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹوپی کا سترہ بنا کر نماز پڑھی۔اس میں بھی ننگے سر کی صراحت نہیں۔ہو سکتا ہے سر پر کوئی اور چیز ہو۔پھر اس کی سند بھی معلوم نہیں کیسی ہے۔کنز العمال کا نام لے دینا کافی نہیں۔اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ واقعی آپؐ ننگے سر تھے تو اس میں تو سترہ بنانے کا عذر موجود ہے، پھر ننگے سر صلوٰۃ پڑھنے والے بغیر سترہ کے عذر کے کیوں ٹوپی اتار کر صلوٰۃ پڑھتے

ہیں۔ایک اور حدیث میں ہے کہ صحابہؓ شدت گرمی کی وجہ سے اپنے عماموں پر سجدہ کرتے تھے، اس روایت میں بھی ننگے سر کی صراحت نہیں، ممکن ہے سر پر کوئی اور چیز ہو، ممکن ہے شملہ پر سجدہ کرتے ہوں، جیسا کہ حدیث مذکورہ کی متعدد ضعیف اسناد میں ''کورعمامہ'' یعنی عمامہ کے پیچ یا کور پر سجدہ کرنے کی صراحت ہے۔اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ وہ ننگے سر ہی صلوٰۃ پڑھتے تھے تو اس کے لئے شدت گرمی کا عذر تھا۔زمین اتنی گرم ہوتی تھی کہ پیشانی ٹکانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا تھا، لیکن آجکل مسجدوں کی پختہ چھتوں کے سایہ میں دریوں اور قالینوں پر سجدہ کرنے والے کیا اسی عذر سے ننگے سر صلوٰۃ پڑھتے ہیں؟ تیسری دلیل جو یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ حضرت جابرؓ کا اثر ہے کہ انہوں نے ایک کپڑا لپیٹ کر صلوٰۃ ادا کی حالانکہ ان کے کپڑے تپائی پر رکھے ہوئے تھے۔اس روایت میں یہ کہاں ہے کہ حضرت جابر نے ننگے سر صلوٰۃ ادا کی تھی؟ اور جب یہ نہیں تو یہ روایت ننگے سر صلوٰۃ ادا کرنے کی دلیل کیسے ہوگئی؟ غرض یہ کہ ایسی کوئی حدیث نہیں کہ جس میں ننگے سر صلوٰۃ ادا کرنے کی صراحت ہو اور وہ بھی بغیر عذر کے، یعنی نہ ستر ہ کا عذر ہو نہ عسرت کا، نہ شدت گرمی کا اور نہ بیماری وغیرہ کا۔ الغرض خوب زینت کے ساتھ صلوٰۃ ادا کرے''۔(منہاج المسلمین، ص۹۸۔۹۹)۔

ننگے سر نماز پڑھنے کے بارے میں علمائے اہلحدیث کا مؤقف

اہلحدیث حضرات میں ننگے سر نماز پڑھنے کا رواج احناف کی نسبت زیادہ ہے اس لئے ہم یہاں اس بارے میں اہلحدیث کے جید اور مستند علماء کا مؤقف بیان کرتے ہیں۔

شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''ٹوپی اور عمامے سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ مسنون ہے۔'' (فتاوٰی نذیریہ، ج۱، ص۲۴۰)

میاں صاحب کے شاگرد علامہ ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔مگر یہ جو بعض کا شیوہ ہے کہ گھر سے پگڑی یا ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے۔

یہ فعل سنت سے ثابت نہیں۔ایسے ہی برہنہ سر کو بلاوجہ شعار (عادت) بنانا بھی خلاف سنت ہے اور خلاف سنت بے وقوفی ہی ہوتی ہے۔'' (فتاوٰی ثنائیہ، ج۱، ص۵۲۳)۔

علامہ ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

''نماز کا صحیح اور مسنون طریقہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ سے بالدوام ثابت ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا پگڑی یا ٹوپی سے۔'' (فتاوٰی ثنائیہ، ج۱، ص۵۲۵)۔

علامہ محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ لکھتے ہیں:

''کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز پڑھنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خُذُوا زِيْنَتَكُمْ کے مضمون سے بھی اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے۔ اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔'' (فتاوٰی علمائے حدیث، ج۴، ص۲۸۸ و ۲۸۹)۔

علامہ سید محمد داؤد غزنوی لکھتے ہیں:

''ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانے میں اپنے والد بزرگوار حضرت الامام عبدالجبار الغزنوی نوراللہ مرقدہٗ سے کہا تھا۔ انہوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا۔ وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضائے ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلے کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضائے ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری ہے لا يصلي احد كم في الثوب الواحد ليس علىٰ عاتقه شيء یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مؤطا اور فتح الباری دیکھ لو۔ مؤطا میں امام مالکؒ فرماتے ہیں قال مالك احب الى ان يجعل الذى يصلي في القميص الواحد علىٰ عاتقيه ثوبا او عمامة قال الزرقاني لقوله ﷺ لا يصلي احد كم في الثوب الواحد ليس علىٰ عاتقه شيء میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا ڈالے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے۔ اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ فتوی اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ ﷺ

نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر
کپڑا نہ ہو۔ مؤطا امام مالک کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس
اصطلاح سے واقف ہیں جب کسی مسئلے کے متعلق وہ فرماتے ہیں ''احب الی''
(میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے) اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح
حافظ ابن عبدالبر اور دیگر شارحین موطا نے کی ہے۔۔۔ زرقانی نے امام مالکؒ کا
ایک اور قول بھی نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں قال مالك فی المبسوط لیس من
أمرالناس أن یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعة فكيف بالمسجد
وقال تعالیٰ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں
فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز
جماعت کے ساتھ پڑھیں چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے کیونکہ اللہ
تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
اختیارات میں فرماتے ہیں: واللّٰه تعالیٰ أمر بقدر زائد علیٰ ستر العورة فی
الصلوٰة وهو أخذ الزینة فقال خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ یعنی اللہ
تعالیٰ نے نماز کے لئے ستر عورة (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم
بھی دیا ہے اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِد اس کی مزید تاکید حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے
صاحب مغنی نے حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نافعؒ کو دیکھا
کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟
نافعؒ نے عرض کیا جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تمہیں محلے
میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافعؒ نے عرض کیا ایسا
تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا فاللّٰه أحق أن یزین له أو الناس؟
قلت بل اللّٰه۔ پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے
لئے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافعؒ نے عرض کیا نہیں
حضور۔ اللہ ہی اس کے مستحق ہیں''(۱) ۔

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی
نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ نے مسجد میں اور وہ بھی باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو

---

(۱) یہ غالباً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا نہیں جیسا بیہقی،
ج۲،ص۳۰۴ پہ منقول ہے۔ **فدخل علیَّ ابنُ عمرؓ وانا اصلی**

چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہئے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔اگر تعبد اور خضوع اور نماز خشوع اور عاجزی کے خیال سے پڑھی تو یہ نصاری کے ساتھ تشبہ ہوگا۔اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خضوع وخشوع کی علامت نہیں اور اگر کسل

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

فی ثوب واحد فقال لی الم تکس ثوبین ؟ قلت بلی ، قال : أ رأیت لو بعثتک الیٰ بعض أهل المدینة أکنت تذهب فی ثوب واحد قلت لا قال فاللّٰہ احقّ أن یتجمل له أم الناس۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میرے پاس تشریف لائے اور میں ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا۔آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تم کو دو کپڑے میسر نہیں۔میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔آپ نے فرمایا ''یہ بتاؤ اگر میں تم کو مدینہ والوں میں سے کسی کے پاس بھیجوں تو کیا تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟''۔میں نے عرض کیا نہیں۔تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ''اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے یا لوگ؟''۔(بیہقی، ج ۲،ص ۳۰۴، ح ۳۳۵۷ و ۳۳۵۶)۔

اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا ولا یاتون الصلوٰۃ الاوھم کسالیٰ (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہوکر)۔غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربه الودود سید محمد داؤد الغزنوی"۔(فتاوٰی علمائے حدیث، ج ۴،ص ۲۹۰)

ہفت روزہ الاعتصام مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء میں ننگے سر نماز ہو جانے کے متعلق حافظ نعیم الحق نعیم کا فتوی شائع ہوا تھا۔اس کے جواب میں سید محبّ اللہ شاہ راشدی پیر جھنڈا نے ایک مفصل تحقیقی مضمون لکھا جو الاعتصام کی ۹ جولائی ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔بعد میں مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ، کورٹ روڈ کراچی نے مفاد عامہ کے لئے اسے ایک کتابچے کی شکل میں شائع کیا۔اس مضمون کے چیدہ چیدہ اقتباسات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔علامہ راشدی لکھتے ہیں:

''احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سر پر یا تو عمامہ باندھے رہتے یا سر پر ٹوپیاں ہوتی تھیں۔راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک بغیر عمامہ وغیرہ تھا۔یہ بھی کہیں نہیں ملتا کہ آپ ﷺ عمامہ پہنے ہوئے

تھےلیکن مسجد میں آ کرعمامہ وغیرہ اتارکررکھ لیااور ننگے سرنماز پڑھنی شروع کی۔ کسی محترم دوست کی نظر میں ایسی کوئی حدیث ہوتو ہمیں ضرور مستفید کیا جائے‘‘۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے عمامہ اورٹوپی کے ثبوت میں دس احادیث نقل کی ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول الشهداء أربعة : رجل مؤمن جيّد الايمان أتى العدوّ فصدق اللّٰه حتى قتل فذلك الذى يرفع الناس أعينهم اليه يوم القيامة هكذا و رفع رأسه حتى وقعت قلنسوته فلا أدرى قلنسوة عمرؓ أراد أم قلنسوة النبىّ ﷺ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ؐ فرما رہے تھے کہ شہداء چار ہیں۔ایک وہ آدمی ہے جوعمدہ ایمان والا ہے۔وہ دشمن کی طرف آیا تو اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ (کے اجروثواب) کی تصدیق کی (لڑتارہا) حتی کہ وہ قتل ہو گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھیں گے۔اس طرح۔اوراپنا سر اٹھایا حتی کہ (آپ کی) ٹوپی گرگئی۔(راوی کہتا ہے) مجھے معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ کی ٹوپی گری یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (جامع ترمذی)۔(امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن درجے کی کہا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ٹوپی پہنے ہوئے تھے)۔

ابوالشیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی ہے انه ﷺ يلبس فى السفر ذوات الآذان و فى الحضر المضمَّر يعنى الشامية ، قال العراقیؒ و هو أجود الاسناد فى القلانس ۔آنحضرت ﷺ سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں مضمر یعنی شامی ٹوپی پہنتے تھے۔حافظ عراقیؒ کہتے ہیں کہ ٹوپیوں کے بارے میں یہ حدیث بہت عمدہ اسناد والی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔تمہارے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ﷺ (کی ذات مقدسہ) میں بہترین نمونہ ہے۔(یہ ارشاد عبادات وغیرہ سب کو شامل ہے)۔

’’اگر یہ (یعنی سرڈھانپے رکھنا) آنحضرت ﷺ کا پسندیدہ معمول نہ ہوتا تو جس طرح سر پر عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت مل رہا ہے اس طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یا ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات ضرور مل جاتیں۔لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی۔جب سرڈھانپے رکھنا آنحضرت ﷺ کا پسندیدہ معمول ہوا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہوگا۔لہٰذا استحباب یا ندبیت

کا انکار مناسب نہیں معلوم ہوتا۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تو یہ حال تھا کہ لباس و
طعام میں سے جو چیز نبی ﷺ کو پسند ہوتی تو وہی چیز وہ خود اپنے لئے بھی پسند
کرتے تھے۔صحیح بخاری کی کتاب اللباس میں باب النعال السبتية و غيرها
کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ، عبید بن جبیر سے روایت لائے ہیں۔انہوں نے
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ میں آپ ہی کو
وہ کرتے دیکھتا ہوں۔آپ کے دوسرے اصحاب ان پر عمل نہیں کرتے۔ان میں
سے ایک چیز یہ ذکر کی کہ آپ ''سبتیہ نعال'' (بغیر بالوں کے جوتا) ہی پہنتے ہیں
۔تو انہوں نے جواب دیا أما النعال السبتية فانی رأيتُ رسول الله صلى
الله عليه و سلم يلبس النعال التى ليس فيها شعر و يتوضأ فيها فأنا أحب
أن ألبسها، ترجمہ: '' سبتیہ نعال'' یعنی بغیر بالوں کے جوتے کے متعلق
تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ
جوتے وہی پہنتے تھے جن میں بال نہ ہوتے اور ان ہی میں وضو کرتے تھے۔لہٰذا
میں پسند کرتا ہوں کہ ایسے ہی جوتے پہنا کروں'' (فتح الباری جلد ۱، صفحہ ۳۰۸)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سنت کے اتباع میں جو مقام ہے وہ اہل علم
میں کسی سے مخفی نہیں''۔

''اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح کی ''کتاب الاطعمۃ'' میں ''باب
الدباء'' کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ان
**رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أتى مولى له خياطاً فأتى بدباء
فجعل يأكله فلم أزل أحبه منذ رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه
وسلم يأكله** ۔ترجمہ:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک غلام کے ہاں
تشریف لے گئے جو درزی تھا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کدو (لوکی) لایا۔
آپ ﷺ اس کو کھانے لگے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں
نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول ﷺ کو کدو کھاتے دیکھا تب سے میں اسے پسند کرتا
ہوں۔(صحیح بخاری ۵۴۳۳)۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ کی مرغوب اشیاء کو پسند کرنا
باعث اجر و ثواب تھا؟ اگر تھا تو یہی ندب و استحباب کی علامت ہے۔اس لئے سر

ڈھانپ کر چلنے پھرنے یا نماز وغیرہ پڑھنے کو پسندیدہ قرار نہ دینا صحیح معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو دیکھا کہ وہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ یہ آج کل نئی نسل نے خصوصاً اہل حدیث کے افراد نے ننگے سر نماز پڑھنے کا جو معمول بنا رکھا ہے اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے، مسنون نہیں یا کسی چیز کے جائز ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ مندوبات و مستحبات کو بالکل ترک کر دیا جائے۔''

''یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ گھر سے سر پر ٹوپی وغیرہ رکھ کر آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہو کر سر سے ٹوپی وغیرہ اتار کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔''

''اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ کر آنا چاہیے لیکن مسجد میں آ کر اس کو اتار دینا چاہیے اور ننگے سر ہی نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ یہی سنت رسول ﷺ ہے اور اہل حدیث جماعت کے بہت سے افراد کا اس پر عمل ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ یہ کتنی بڑی غلطی ہے اور یہ محض ہم اہل حدیثوں کے طرز عمل سے ہی پیدا ہو رہی ہے۔ حالانکہ صحیح تو کجا مجھے تو ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ نبی ﷺ گھر سے تو اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اتار لیا اور ننگے سر نماز پڑھی۔''

''ننگے سر نماز پڑھنے والے اس دلیل کے طور پر ایک روایت ذکر کرتے ہیں جسے ابو الشیخ الاصبہانی نے اپنی کتاب ''اخلاق النبی ﷺ'' کے صفحہ ۱۱۵ میں ذکر کیا ہے جو سنداً تو بالکل ضعیف ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب اس روایت کو لے کر میرا معارضہ یا تعاقب شروع کر دے۔ اس لئے حفظ ما تقدم کے طور پر یہ روایت مع سند و متن اور اس کی سند پر کلام کے ساتھ پیش کر رہا ہوں تا کہ کوئی صاحب اس کو لے کر میدان میں نہ آ جائیں، روایت یہ ہے۔

حدثنا محمد بن عمران بن جنيدنا احمد بن عيسى المقانعي و سليمان بن داود السّلا ل نابشربن يحى المروزى نامسلم بن سالم عن العزرمى عن عطاء وعن ابن عباس قال كان لرسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس: قلنسوة بيضاء

مُضَرَّبَةٌ وقلنسوة جهراء وقلنسوة ذات آذان يلبسها فی السفرو ربما وضعها بين يديه اذا صلیٰ .

اس روایت میں ابوالشیخ الاصبہانی کے استاذ (محمد بن عمران بن جنید) اور اس کے دوشیوخ احمد بن عیسیٰ المقانعی اور سلیمان بن داؤد السلال کے حالات ہمارے پاس موجود مصادر و مراجع میں سے کسی میں بھی نہیں۔ آگے چوتھے نمبر پر بشر بن یحییٰ المروزی آتے ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی سوائے الجرح والتعدیل لا بن ابی حاتم کے اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اور الجرح والتعدیل میں بھی صرف یہ ہے کہ ''**کان صاحب الرأی** ''۔ یہ الفاظ توثیق وتعدیل کے نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ بھی مجہول الحال ہی ہوا پھر مسلم بن سالم کا نمبر ہے۔ یہ بلخی ہیں۔ متروک اور وضاع ہیں۔ جملہ ائمہ محدثین ان کی تضعیف پر متفق ہیں۔ پھر العرزمی اور غالب ظن یقین کے قریب یہ بات ہے کہ یہ محمد بن عبیداللہ بن ابی سلیمان العرزمی ہیں اور یہ بھی متروک ہیں۔ اس کے بعد عطاء ہیں۔ یہ ابن ابی رباح ہیں اور یہ ثقہ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں تقریب التھذیب، المیزان واللسان۔ اب ایسی روایت سے جس کی اسناد **ظلمات بعضها فوق بعض** کا مصداق ہو اس سے استناد کوئی جاہل کرے تو کرسکتا ہے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے حدیث کے علم سے نوازا ہے وہ اس سے استدلال کی جرأت نہیں کرسکتا''۔

''بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی یعنی بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھی۔ اولا............ ثانیاً، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ یہ حضرات صرف ٹوپی وغیرہ پر ہی کیوں گرانے پر مصر ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ۔ آپ گھر سے ہی یہ کریں کہ ایک کپڑے کے سوا سب کپڑے اتار کر پھر مسجد میں آیا کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص، شلوار، کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنی شروع کردی۔ کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا

معنی ومطلب یہ ہے کہ اورتو سب کپڑے پہنے ہونے چاہئیں ۔صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے ۔لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے۔''(نماز میں سرڈھانپنے کا مسئلہ،ص ا تا۱۵،ملخصاً)۔

عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث ڈیرہ غازی خان نے عبد القادر حصاری صاحب کی کتاب ''ضرب الفأس'' کے جواب میں جو کتابچہ لکھا تھا اس میں سے چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں ۔عبداللہ صاحب لکھتے ہیں ۔

''میرا یہ دعویٰ ہے کہ کسی حدیث میں اس شکل کا ثبوت نہیں ملتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یا کسی صحابی نے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دی ہو اور نماز ادا کی ہو۔ایسا ثبوت کسی صحیح حدیث میں ہرگز نہیں ہے''۔(ص۲)۔

''میں کہتا ہوں ایسا ثبوت پیش کرو کہ بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے صرف سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دی ہو اور نماز پڑھی ہو۔آپ حوالہ پیش کرنے کے بجائے ایک کپڑے کی حدیث پیش کرتے ہیں''۔(ص۸)۔

''ایک کپڑے میں جن صحابہ نے نماز پڑھی وہ بوجہ کپڑا میسر نہ ہونے کے اور جس صحابی نے باوجود کپڑے ہونے کے ایک کپڑے میں نماز پڑھی وہ صرف مسئلہ بتلانے کے لئے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے۔''(ص۹)۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ننگے سر نماز پڑھنے پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے۔ ننگے سر تو جب ہوتا جبکہ بدن پر سب کپڑے رکھتے ہوئے صرف سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دیتے پھر واقعی مسئلہ صاف تھا اور دلیل پکی تھی ۔ یہ تو حالت ہی اور ہے۔ایک کپڑے میں نماز پڑھ کر دکھلا رہے ہیں اور ساتھ کے ساتھ مجبوری بھی ظاہر فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اکثر کے پاس دو کپڑے نہیں ہوتے تھے۔تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ کر مسئلہ بتایا کہ کہ کپڑا نہ ہو اور تنگدستی ہو تو اس طریقے سے نماز پڑھ لی جائے''۔(ص۱۵)

''اگر کہا جائے کہ ننگے سر نماز پڑھنے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے باوجود کپڑے ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہم بھی کپڑے کے ہوتے ہوئے ننگے سر پڑھتے ہیں تو جواباً عرض ہے کہ آپ

بھی اس شکل سے نماز پڑھیں جس شکل سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تھی لیکن یہ اس شکل کا ثبوت نہیں ہے کہ بدن پر قیمتی کپڑے موجود ہیں، ہاتھ میں گھڑی بندھ رہی ہے اور سر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دی اور نماز ادا کی۔ یہ من گھڑت مسئلہ ہے بلکہ بدعت ہے۔ اگر عمل کا شوق ہے تو اسی شکل سے عمل کرو جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ اپنے کرتے پاجامے اتار کر رکھ دیا کرو اور ایک کپڑے میں گردن پر گرہ دے کر نماز پڑھو''۔(ص۱۶۔۱۷)

''نماز پگڑی سے پڑھنی حسن و جمال ہے، خوبصورتی ہے اور خوبصورتی کو چھوڑ کر بدصورتی کو اختیار کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ ہر انسان خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، خوبصورتی سنت میں ہے نہ کہ بدعت میں۔ اللہ آپکو کھانے کو متنجن، قورمہ، لال روٹی، کھیر، زردہ، پلاؤ عمدہ عمدہ غذائیں عنایت فرمائے اور آپ کہو کہ ہم نہیں کھاتے ہم تو دال چٹنی ساگ وغیرہ کھائیں گے۔ یہ بدبختی ہے یا نہیں؟
أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ''۔(ص۳۶)۔

''صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم صفر ۸۲ھ، ص۲۰ میں ایک فتویٰ چھپا ہے کہ صبح کی نماز میں بالدوام قنوت پڑھنا جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے، بدعت ہے۔ حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا مواظبت کے ساتھ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ الخ۔ صحیفہ اہلحدیث کے مفتی صاحب کی خدمت عالیہ میں عرض ہے جبکہ دعائے قنوت کا ثبوت حضور ﷺ سے ہے۔ صرف ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنے کو بدعت فرمایا جارہا ہے کہ ہمیشگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں۔ کیوں جناب! ننگے سر نماز پڑھنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہمیشگی ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو پیش فرمایئے ورنہ اس کو بھی بدعت لکھئے۔ جیسے دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنی بدعت ہے اور حادثہ کے وقت جائز ہے اسی طرح ننگے سر نماز پڑھنی کپڑا میسر نہ ہونے کی صورت میں بہ امر مجبوری جائز اور کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا بدعت ہے''۔(ص۳۹)۔

مرکزی دارالافتاء جماعت غرباء اہلحدیث کے مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

''واضح رہے کہ عمامہ (پگڑی) پہننا سنت نبوی ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے خود بھی عمامہ پہنا ہے اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی

پگڑی باندھی ہے۔(صحیح بخاری ومسلم وغیرہ)۔ یہ عمامہ اورٹوپی وغیرہ جو کہ زینت کی مباح اشیاء میں سے ہیں ان کو پہننا اچھی بات ہے اور قرآن کریم کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاص کر نماز وغیرہ میں اس کا اہتمام کرنا بلاشبہ مستحب و مستحسن ہے۔فرمان الٰہی ہے **خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جب صرف ایک کپڑے میں نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے **اذا وسع اللّٰہ فاوسعوا** فرما کر مکمل ترین لباس میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی (صحیح البخاری)۔ لہٰذا نیت پر دارومدار رکھتے ہوئے جو شخص رب تعالیٰ سے ملاقات وحاضری، تزئین وتجمل اور بہترین کیفیت میں کرنا چاہتا ہے اور تعمیل حکم ربانی میں اس زینت کو اپناتا ہے (بغیر ریاء، تکبر اور اسراف کے) تو بلاشبہ نیت، تقویٰ اور خلوص کی وجہ سے یہ بھرپور اضافی اجر وثواب کا مستحق ہے'' **ان اللّٰہ جمیل و یحب الجمال**'' الحدیث و لقولہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ''**فلیر اثر نعمتہ علیہ**'' الحدیث۔(صحیفہ اہلحدیث، ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۸۔۹)۔

خلاصہ

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** (الاعراف ۳۱)۔ ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لیا کرو۔ اور لباس اور ٹوپی زینت میں داخل ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ مکمل لباس میں نماز پڑھتے تھے۔(صحیح مسلم۔۸۰۰)۔

(۳) رسول اللہ ﷺ عموماً عمامہ باندھتے تھے یا خمار سے سر چھپاتے تھے۔

(۴) کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی ننگے سر نماز پڑھی۔

(۵) کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ آپ ﷺ نے دو کپڑے ہوتے ہوئے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔

(۶) صحابہ کرامؓ اس لئے ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے کہ اس زمانے میں ان کے پاس دو کپڑے نہ ہوتے تھے۔(صحیح بخاری ۳۶۵ و صحیح مسلم ۱۱۴۸)۔

(۷) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس دو کپڑے ہوں وہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے (ابوداؤد ۶۳۵)۔

(۸) آپ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ دو کپڑے پہنے اس لئے کہ اللہ اس بات کا سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔ (طبرانی اوسط، بیہقی، طحاوی)۔

(۹) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ نے تم کو فراخی عطا فرمائی ہے تو تم بھی فراخی کرو۔ ہر شخص کو چاہئے کہ کامل لباس میں نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری، ۳۶۵)۔

مندرجہ بالا دلائل سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کی اہمیت ظاہر ہے۔اس کے باوجود بعض حلقوں کی جانب سے اس کی اہمیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ لوگوں نے ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنالیا۔شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس رجحان کی سختی سے مخالفت کی اور نماز کے لئے کامل اور مناسب لباس کی اہمیت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمایا۔

(۷) نماز کا حسن

نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔مومنین کی معراج ہے اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔ نماز بری باتوں سے روکتی ہے، ہماری اصلاح کرتی ہے اور ہمارے دین کی حفاظت کرتی ہے۔ ہمارے تمام اعمال میں نماز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔نماز ہمارے لئے تمام برے کاموں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔اس کی برکت سے ہم بہت سی بری باتوں سے بچے رہتے ہیں۔نماز میں ہم نہ کسی کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں نہ کسی کی غیبت کر سکتے ہیں ۔نہ کسی سے لڑ جھگڑ سکتے ہیں۔نہ کسی لڑنے والے کی گالیوں کا جواب دے سکتے ہیں۔اس طرح نماز ضبطِ نفس کی ایک بہت اعلیٰ تربیت ہے جو دن میں پانچ مرتبہ ہمیں دی جاتی ہے۔اس کا اثر ہماری زندگی پر یقیناً پڑنا چاہئے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الصَّلَاۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَر (العنکبوت ١٤٥)

بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز نہ صرف عام گناہوں سے روکتی ہے بلکہ شرک و کفر سے بھی انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ بین الرجلِ و بین الشرك والكفرِ تركُ الصلاة ' بے شک انسان کے اور شرک و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا (فرق) ہے (صحیح مسلم ۲۴۶)۔

مطلب یہ کہ جب تک انسان نماز پڑھتا رہے گا اس کے اور شرک و کفر کے درمیان ایک حد فاصل برقرار رہے گی۔ جب وہ نماز چھوڑ دے گا تو اس کے اور شرک و کفر کے درمیان جو دیوار تھی وہ گر جائے گی۔ اس طرح نماز شرک و کفر سے حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعے کا کام دیتی ہے۔ وہ قلعہ اگر ختم ہو جائے تو پھر انسان کسی بھی گناہوں کی یا شرک و کفر کی دلدل میں پھنس سکتا ہے۔ اس کو شراب کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ شراب ام الخبائث ہے۔ جب تک انسان شراب سے بچا رہتا ہے بہت سے گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ جب شراب پی لیتا ہے تو پھر وہ کوئی بھی گناہ کر سکتا ہے۔ شراب پی کر وہ زنا بھی کر سکتا ہے، قتل بھی کر سکتا ہے۔ یہی مثال نماز کی ہے۔ کہ نماز کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے اور اللہ کی معصیت سے بچا رہتا ہے۔ اسی لئے خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو لکھ کر بھیجا تھا۔

ان اهم امورکم عندی الصلاة فمن حفظها و حافظ عليها حفظ دينه و من ضيعها فهو لما سواها اضيع ، رواه مالك ۔

بے شک تمہارے سب کاموں میں میرے نزدیک اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کی محافظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری چیزوں کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔ (موطا امام مالکؒ، رقم ٦)۔

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

استقيموا و لن تُحصُوا و اعلموا أنَّ خَيرَ دينِكم [أعمالِكم] الصلاة ولا [لن] يُحافظ على الوضوء الا مؤمن رواه مالك وأحمد

وابن ماجة والدارمیؒ والحاکم و البیهقی و الطیالسی و الطبرانی فی الکبیر

سیدھے سیدھے چلتے رہو۔تم (مکمل دین پر پوری طرح عمل کرنے کی) طاقت نہیں رکھ سکو گے۔اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے۔اور وضو کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو مومن ہو(مؤطا امام مالکؒ ج ۱،ص ۳۴، مسند امام احمدؒ ۲۱۹۲۷، ابن ماجہ ۲۷۷ تا ۲۷۹، دارمی ۶۵۵، مستدرک حاکم ۴۵۹ تا ۴۶۲، بیہقی،طیالسی،طبرانی کبیر)۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں سدّدوا و قاربوا و اعملوا و خیّروا واعلموا أن خیر أعمالکم الصلاة و لا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن(مسند امام احمد ۲۱۸۷۳ و ۲۱۹۳۰، دارمی ۶۵۶، ابن حبان ۱۰۳۷) ایک روایت میں ہے استقیموا تفلحوا و خیر أعمالکم الصلاة ---الخ (مسند امام احمد ۲۱۹۰۸)۔

محمود محمد محمود حسن نصار لکھتے ہیں

الحدیث رجاله ثقات أثبات الا انه منقطع بین سالم بن ابی الجعد و ثوبانؓ فانه لم یسمع منه بلا خلاف لکن له طرق أخری متصلة أخرجها الطیالسی و أبو یعلیٰ و الدارمی وابن حبان

اس حدیث کے راوی ثقات،اثبات ہیں مگر یہ منقطع ہے کیونکہ سالم بن ابی الجعد نے حضرت ثوبانؓ سے نہیں سنا لیکن اس کی اور متصل سندیں بھی ہیں جن کو ابوداؤد طیالسی، ابویعلی، دارمی اور ابن حبان (۱۰۳۷) نے روایت کیا ہے (حاشیہ سنن ابن ماجہ)۔

نماز کی اہمیت کے پیش نظر ایک مومن اس کے لئے خصوصی اہتمام کرتا ہے جبکہ منافق نماز کے معاملے میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (النساء : ۱۴۲) ۔ منافقین جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔لوگوں کو دکھانے کے لئے (نماز پڑھتے ہیں)۔اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ه الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ه (المومنون) ۔تحقیق وہ ایمان والے کامیاب ہونگے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں (المومنون ۱و۲)۔

وَقُوْ مُوا لِلّٰـهِ قٰنِتِيُنَ ہ (البقرۃ ۲۳۸) اللہ کے سامنے باادب کھڑے ہوا کرو۔

جب نماز ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے تو ہمیں چاہیئے کہ اس کی طرف کما حقہ توجہ دیں، خشوع وخضوع سے نماز پڑھیں۔نماز کے آداب کا خیال رکھیں اور نماز کو حسین بنائیں۔نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ حسن بھی ہونا چاہئے اور سکون واطمینان بھی۔

انسان کی نماز بھی حسین ہونی چاہئے۔نماز کے حسن کی طرف جب والد صاحب نے توجہ دلائی تو یہ بات لوگوں کے لئے بالکل اجنبی سی تھی۔نماز کے حسن کا لوگوں میں عام طور پر کوئی تصور نہیں تھا۔انہوں نے تو بس نماز کے ارکان جیسے تیسے ادا کرنے کو نماز سمجھ رکھا تھا۔والد صاحب نے مندرجہ ذیل احادیث کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ نماز میں بھی حسن ہونا چاہئے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”ان اللّٰـه جميل يحب الجمال. “ رواه مسلم

بے شک اللہ خوبصورت ہے،خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔(صحیح مسلم ۲۶۵)

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ما كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره علىٰ احدى عشرة ركعة، يصلى اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسأَل عن حسنهن وطولهن ... متفق عليه

رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ ﷺ (رات کو) کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے۔نہ پوچھو وہ کتنی حسین اور کتنی طویل ہوتی تھیں۔پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے، نہ پوچھو وہ کتنی حسین اور کتنی طویل ہوتی تھیں۔۔۔۔(صحیح بخاری ۳۵۶۹،صحیح مسلم ۱۷۲۳)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صلى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يوما ثم انصرف فقال ”يا فلان الا تحسن صلا تک ؟ الا ينظر المصلى اذا صلى

كيف يصلى..'' رواہ مسلم

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔نماز کے بعد آپ ﷺ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا۔''اے فلاں،تم اپنی نماز حسن وخوبی کے ساتھ کیوں نہیں ادا کرتے؟نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس بات کو مدنظر کیوں نہیں رکھتا کہ وہ کس طرح نماز پڑھ رہا ہے؟''۔(صحیح مسلم ۹۵۷)۔

(۴) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں

انَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم أخذ بید ہ و قال " یا معاذ [وا للّٰہ] انی لاحبك " فقال " أوصیك یا معاذ لاتدَ عنَّ فی دبر كلّ صلاۃٍ تقول اللّٰھم أعنی علیٰ ذكرك و شكرك و حسن عبادتك " رواہ أحمد و أبو داود و النسائی و ابن خزیمة والحاكم و ابن حبان و صححه النووی و الحا فظ ابن حجر (الاذكا ر ص ۱۴۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا''اے معاذ [اللہ کی قسم] میں تم سے محبت کرتا ہوں''۔پھر فرمایا ''اے معاذ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑنا اَللّٰھُمَّ اَعِنّیْ علیٰ ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ اے اللہ میری مدد فرما تیرا ذکر کرنے پر اور تیرا شکر کرنے پر اور تیری عبادت خوبصورتی سے ادا کرنے پر''(مسند امام احمد ۲۱۶۱۴، ۲۱۶۲۱،ابوداؤد ۱۵۲۲،نسائی ۱۳۰۴، مستدرک حاکم ۱۰۴۸،ابن حبان ۲۰۲۰ و ۲۰۲۱)۔اسے امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے صحیح کہا(الاذکار ص ۱۴۲)۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں

انَّ النبیَّ صلی اللّٰہ علیه و سلم كان یقول اللّٰھم أعنی علیٰ ذكرك و شكرك و حسن عبادتك ، قال الھیثمی رواہ البزّار و رجاله رجال الصحیح غیر عمرو بن عبداللّٰہ الاَودی و ھو ثقة(مجمع الزوائد)

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ(دعا) پڑھا کرتے تھے۔اللّٰھم اعنی علیٰ ذكرك و شكرك و حسن عبادتك (مسند بزّار)۔حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عمرو بن عبداللہ اودی کے اور وہ ثقہ ہے۔(مجمع الزوائد،رقم ۱۷۳۵۵)۔

(۷)عن أبی ھریرۃؓ أنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم قال لھم " أ تحبون [أیُّھا الناس] أن تجتھدوا فی الدعاء ؟" قالوا نعم، قال " قولوا اللّٰھم اعنا علیٰ ذكرك و شكرك و حسن عبادتك " رواہ أحمد و الحاكم و صححه وقال الھیثمی رجاله رجال الصحیح غیر موسی

بن طارق وهو ثقة (مجمع الزوائد، ج ۱۰، رقم ۱۷۳۵۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہٴ کرامؓ سے فرمایا ''کیا تم چاہتے ہو کہ دعا مانگنے میں خوب کوشش کرو؟''۔سب نے کہا ''جی ہاں'' آپؐ نے فرمایا تم یہ کہو

اللّٰھم أعنّا علیٰ ذکرك و شکرك و حسن عبادتك

اے اللہ ہماری مدد فرما تیرے ذکر پر، تیرے شکر پر اور تیری عبادت خوبصورتی سے ادا کرنے پر (مسند امام احمد ۷۹۲۲، حاکم ۱۸۸۱)۔اسے امام حاکمؒ نے صحیح کہا اور حافظ ہیثمیؒ نے فرمایا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے موسیٰ بن طارق کے اور وہ ثقہ ہے (مجمع الزوائد، ج ۱۰، رقم ۱۷۳۵۲)۔

(۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

أُذکُرِ الموتَ فی صلا تك فان الرجل اذا ذکر الموت فی صلاته لَحَریٌّ أن یحسن صلاتَه و صلّ صلاةَ رجُلٍ لا یظنُّ أنّه یُصلّی صلاةً غیرھاوایاك و کُلَّ أمرٍ یُعتَذَ رمنه رواه الدیلمی فی مسند الفردوس

اپنی نماز میں موت کو یاد رکھو۔ بے شک جب انسان اپنی نماز میں موت کو یاد رکھے تو لائق ہے کہ وہ اپنی نماز کو خوبصورت کرے، اور ایسے شخص کی طرح نماز پڑھو جسے یہ یقین نہیں کہ وہ اس نماز کے علاوہ اور بھی نماز پڑھ سکے گا، اور ہر ایسی بات سے بچو جس سے معذرت کرنی پڑے۔(مسند فردوس للدیلمی۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم ۱۴۲۱)۔

(۹) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں

اتی نفر من اهل البادیة الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فقالوا یا رسول اللّٰه ان اهل قرابتنا زعموا انه لا ینفع عمل دون الهجرة و الجهاد فی سبیل اللّٰه ، فقال رسول اللّٰه ﷺ " حیثما کنتم فأحسنتم عبادة اللّٰه فأبشروا بالجنة" رواه الدولابی فی الکنی

دیہات سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے کچھ رشتے دار کہتے ہیں کہ ہجرت اور جہاد کے بغیر کوئی عمل فائدہ نہیں دے گا۔ آپؐ نے فرمایا '' تم کہیں بھی رہ کر حسن و خوبی سے اللہ کی عبادت کرتے رہو تو جنت کی خوشخبری حاصل کرو''۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم ۳۱۴۶)۔

(۱۰) حدیثِ جبریل میں ہے کہ جب حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا احسان کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا

أن تعبُدَاللّٰهَ کأنّك تَراهُ فَاِن لم تکُن تراه فاِنّهٗ یراكَ متفق علیه عن

أبی ھریرۃؓ ومسلم عن عمربن الخطابؓ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے (صحیح بخاری ۴۷۷۷ و صحیح مسلم ۹۷ و ۹۳)۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ جب کسی شخص کو یہ یقین ہوگا کہ وہ اللہ عزوجل کے دربار میں حاضر ہے اور اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے تو اس کی نماز کیسی ہوگی اور اس کے خشوع وخضوع کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱۱) ان أحد کم اذا قام فی صلا تہ فانہ یناجی ربہ أ و ان ربہ بینہ و بین القبلۃ متفق علیہ ۔ بے شک تم میں سے کوئی جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے یا اس کا رب اُس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے (صحیح بخاری ۴۰۵، صحیح مسلم ۱۲۵۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللّٰہ قِبَلَ وجھہ اذا صلّٰی متفق علیہ ۔ بے شک بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اللہ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے (صحیح بخاری ۷۵۳، صحیح مسلم ۱۲۲۳)۔

(۱۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان أحد کم اذا قام یصلی فاِنَّ اللّٰہَ قِبَلَ وجھہ رواہ مسلم فی الحدیث الطویل ۔ بے شک تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے (صحیح مسلم ۷۵۱۴)۔

اللہ اکبر۔ نماز میں بندے کی اپنے مالک سے کس قدر قربت ہوتی ہے اور پھر سجدے میں تو قربت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے تو نماز کو معراج المومنین کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أقرب ما یکون العبد من ربہ و ھو ساجد فأکثروا الدعاء بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے لہٰذا (سجدے میں) کثرت سے دعا کیا کرو (مسلم ۱۰۸۳)۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ کتب الاِحسانَ علیٰ کُلّ شیءٍ بے شک اللہ نے ہر چیز کو حسن وخوبی سے سرانجام دینے کو فرض کر دیا ہے (صحیح مسلم ۵۰۵۵)۔

ہر معاملے میں جمال اور حسن وخوبصورتی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے تو پھر نماز جو ہمارا سب سے زیادہ اہم کام ہے اس میں حسن وجمال کتنا زیادہ مطلوب و

مقصود ہوگا۔اسی لئے شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید فرمائی کہ ہر مسلم کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس کی نماز زیادہ سے زیادہ حسین وجمیل ہو۔

صفوں کو سیدھا کرنا اور نماز میں مل کر کھڑا ہونا بھی نماز کے حسن میں سے ہے لہٰذا اس کی طرف بھی خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱۵)احسنوا اقامة الصفوف فی الصلاة رواه أحمد و قال المنذری رجاله رجال الصحيح

نماز میں اقامتِ صفوف کو حسین بناؤ (مسند امام احمد، رقم ۹۹۱۷)۔

حافظ منذریؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔(الترغیب والترہیب، رقم ۶۹۶)۔

جیسے پریڈ کے وقت فوج کی صفیں ہوتی ہیں۔کوئی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ اور کمانڈر کے اشاروں پر سارے فوجی ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں۔وہ منظر کتنا اچھا لگتا ہے۔

(۸) صفوں کا سیدھا کرنا

(تسویۃ الصفوف)

رسول اللہ ﷺ صفوں کے سیدھا کرنے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَقیموا الصَّفَّ فی الصَّلَاةِ فَاِنَّ اِقامة الصف من حُسن الصَّلَاةِ (متفق علیه)۔ صفوں کو سیدھا کرو بے شک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ۷۲۲، صحیح مسلم ۹۷۷)

(۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سووا صفوفکم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلاة رواه البخاری و لمسلم من تمام الصلاة۔ اپنی صفوں کو برابر کرو۔بے شک صفوں کا برابر کرنا اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ۷۲۳)۔بے شک

صفوں کا برابر کرنا نماز کو پورا کرنے میں سے ہے۔ (صحیح مسلم ۹۷۵)

(۳) حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَقیموا صفوفکم و تراصوا فانی أراکم من وراء ظھری رواہ البخاری و لمسلم "اتموا الصفوف فانی اراکم خلف ظھری"۔

اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور بالکل مل کر کھڑے ہوؤ۔ بے شک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں (صحیح بخاری ۷۱۹)۔ صفوں کو پورا کرو۔ بے شک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں (صحیح مسلم ۹۷۶)

(۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے:

کان رسول اللّٰہ ﷺ یُسوّی صفوفَنا حَتّٰی کَاَ نَّمایُسوّی بِھا القِد احَ حَتّٰی رأ ی أنَّا قد عَقَلنا عنہ ثم خرج یومًافقام حتی کاد یکبّر فرأی رجُلاً بادیًا صد رُہ من الصَّفِ فقال "عبادَ اللّٰہِ لَتُسَوُّنَّ صفوفَکم اَوَلیخالفَنَّ اللّٰہ بین وجوھکم" رواہ مسلم و رواہ البخا ری مختصرا وزادأبوداود فرأیت الرجل یُلزق منکِبَہ بمنکِبِ صاحبہٖ ورکبتہ برکبۃ صاحبہٖ وکعبہ بکعبہٖ وعلقہ البخاری فی صحیحہٖ مختصراً۔

رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو برابر کیا کرتے تھے حتیٰ کہ گویا اس سے تیر سیدھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ خیال کیا کہ ہم نے (صفوں کا سیدھا کرنا) آپ ﷺ سے سیکھ لیا ہے۔ پھر ایک دن آپ ﷺ (نماز پڑھانے کے لئے) نکلے اور کھڑے ہو کر تکبیر کہنے والے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے بندو اپنی صفوں کو برابر کیا کرو ورنہ اللہ تمہارے چہروں میں اختلاف ڈال دے گا (صحیح مسلم ۹۷۹، صحیح بخاری مختصراً ۷۱۷)۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ زائد ہے "اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ہر شخص ملا لیتا تھا اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا گھٹنا اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنا ٹخنا اس کے ٹخنے سے"۔ (ابوداؤد ۶۶۲)۔ اسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری میں صرف ٹخنے کا ذکر ہے۔ کندھے اور گھٹنے کا ذکر نہیں ہے (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصّف)۔

(۵) حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کان احد نا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقد مہ بقدمہ (رواہ البخا ری)۔

ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے کندھے سے اپنا کندھا اور اس کے قدم سے اپنا قدم چپکا لیتا تھا۔ (صحیح بخاری ۷۲۵)۔

(٦) حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے:

کان رسول اللّٰہ ﷺ یمسح منا کبنا فی الصلاۃ ویقول "استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبکم" (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ نماز میں (یعنی جب نماز کھڑی ہوتی تھی) ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے "برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف ہو جائے گا۔" (صحیح مسلم ۹۷۲)۔

(۷) حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الا تصُفّون کما تصُفُّ الملا ئکة عند ربّها؟۔ فقلنا یا رسول اللّٰه و کیف تصف الملا ئکة عند ربها؟۔ قال "یُتمُّون الصفوف الُاول و یتراصون فی الصفوف" رواہ مسلم

تم لوگ اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس بناتے ہیں؟۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ، فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صفیں بناتے ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا" وہ اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں"۔ (صحیح مسلم ۹٦۸)۔

(۸) حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے:

کان رسول اللّٰه ﷺ یتخلل الصف من ناحیة الی ناحیة یمسح صد ورنا و مناکبنا ویقول "لاتختلفوا فتختلف قلوبکم" و کان یقول "ان اللّٰه و ملا ئکته یصلون علی الصفوف الاول" رواہ أحمد و ابوداؤد والنسائی و ابن خزیمة

رسول اللہ ﷺ صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے تھے۔ ہمارے سینے اور کندھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے" آگے پیچھے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف ہو جائے گا"۔ آپؐ یہ بھی فرماتے تھے کہ "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اگلی صفوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں" (مسند امام احمد ۱۸۰۴۷، ابوداؤد ٦٦۴، نسائی ۸۱۲، صحیح ابن خزیمہ ۱۵۵٦)۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل و لینوا بایدی اخوانکم ولاتذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله

اللّٰہ و من قطع صفا قطعه اللّٰہ (رواه أحمد و أبو داود)

صفوں کو سیدھا کرو۔ کندھوں کو برابر رکھو، خلا کو بند کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ اور شیطان کے لئے جگہیں خالی نہ چھوڑو۔ جو صف کو ملائے گا اللہ اس کو ملائے گا اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ اسے قطع کرے گا۔ (مسند امام احمد ۵۶۹۱، ابوداؤد ۶۶۱۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ رقم ۷۴۳)۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں

لقد رايتنا وما تقام الصلاة حتى تكامل بنا الصفوف رواه احمد

میں نے دیکھا ہے کہ نماز کی اقامت اس وقت تک نہیں کہی جاتی تھی جب تک ہماری صفیں کامل نہ ہوجاتیں (مسند امام احمد، ج۱، رقم ۳۹۶۹)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد ج۲، رقم ۲۴۹۴)۔

(۱۱) حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يسوى - يعني صفوفنا - اذاقمناللصلاة، فاذااستوينا كبر (رواه أبوداود) جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرتے۔ جب ہم سیدھے ہوجاتے تو آپ ﷺ اللہ اکبر کہتے (ابوداؤد ۶۶۵)۔ یعنی جب تک صفیں سیدھی نہ ہوجاتیں آپ ﷺ نماز شروع نہیں فرماتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۱۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انّ اللّٰہ و ملائکته يصلون على الذين يصلون الصفوف رواه أحمد وابن خزيمة وابن حبان والحاكم و قال الحاكم صحيح علىٰ شرط مسلم و أقره الذهبي بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمتوں کی دعا کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو صفوں کو جوڑتے ہیں (مسند امام احمدؒ ۲۴۷۴۲، ابن خزیمہ ۱۵۵۰، ابن حبان ۲۱۶۴، مستدرک حاکم ۸۰۶)۔ امام حاکمؒ نے کہا یہ امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور حافظ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

نوٹ: مسند امام احمد کی ایک روایت میں اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ زائد ہے ومن سدَّ فُرجةً رفعه الله بها درجةً جو شخص صف میں کسی خلا کو پُر کرتا ہے اللہ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کردیتا ہے“۔ (مسند امام احمدؒ ۲۴۰۶۶، ابن ماجہ ۹۹۵)۔ لیکن یہ روایت اسماعیل بن عیاش راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ طبرانی کی روایت میں یہ زائد ہے و بنى له بيتا فى الجنة ۔ ”اور جنت میں اس کے لئے ایک گھر بنادیتا ہے“۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں فیه مسلم بن خالد الزنجی و هو ضعیف و قد وثقه ابن حبان (مجمع الزوائد، ج۲، ص ۲۰۴)۔ حافظ منذریؒ لکھتے ہیں اصبہانی نے بھی یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کئے ہیں لیکن اس روایت میں ایک راوی عصمہ بن محمد ہے جسے امام ابو حاتم نے کہا قوی نہیں اور دوسرے محدثین نے کہا وہ متروک ہے۔ (الترغیب والترہیب، رقم ۷۰۴)۔

(۱۳) حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللّٰه و ملائکته یصلون علی الصف الاول، قالوا یا رسول اللّٰه و علی الثانی؟ قال و علی الثانی، قال ان اللّٰه و ملائکته یصلون علی الصف الاول، قالوا یا رسول اللّٰه و علی الثانی؟ ، قال و علی الثانی، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم سوّوا صفوفکم و حاذوا بین مناکبکم و لینوا فی ایدی اخوانکم و سدوا الخلل فان الشیطان یدخل بینکم بمنزلة الحذف یعنی اولاد الضان الصغار رواه احمدو قال الهیثمی رجاله موثقون

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں پہلی صف والوں پر۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا اور دوسری صف والوں پر؟ آپؐ نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں پہلی صف والوں پر۔ صحابہ کرامؓ نے دوبارہ پوچھا اور دوسری صف والوں پر؟ آپؐ نے فرمایا دوسری صف والوں پر بھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا کرو، اپنے کندھوں کو برابر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور خالی جگہوں کو پر کرو، بے شک شیطان بکری کے بچے کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جاتا ہے۔ (مسند امام احمدؒ، ج۶، رقم ۲۱۷۶۰) حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج۲، رقم ۲۵۰۹)۔

(۱۴) حضرت ابو جحیفہؓ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من سد فُرجةً فی الصف غفر له رواه البزار و حسنه المنذری والهیثمی

جس نے صف کے خلا کو پُر کیا اس کی مغفرت کر دی جائے گی (بزار)۔ حافظ منذریؒ اور حافظ ہیثمیؒ نے کہا اس کی سند حسن ہے (الترغیب والترہیب رقم ۷۰۵، مجمع الزوائد، ج۲، رقم ۲۵۰۳)۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

أحسنوا اقامة الصفوف فی الصلاة رواه أحمد و قال المنذ ری رواته رواة الصحیح نماز میں بہت اچھی طرح صفیں بنایا کرو (مسند امام احمد

۹۹۱۷)۔حافظ منذریؒ اور حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (الترغیب والترہیب، رقم ۶۹۶، مجمع الزوائد، ج۲، رقم ۲۴۹۲)۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنے کی کتنی اہمیت ہے۔

(۱) یہ ہماری سب سے اہم عبادت یعنی نماز کی اقامت میں سے ہے جس کا قرآن مجید میں بارہا حکم ہے " أقيموا الصلاة" ۔

(۲) صفوں کو سیدھا کرنا ہماری نماز کا حسن ہے۔

(۳) یہ ہماری نماز کے مکمل ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔

(۴) یہ نماز میں خشوع وخضوع کی ضمانت بھی ہے۔ جب ہم اپنی صفوں میں شیطان کے لئے خالی جگہ نہیں چھوڑیں گے تو شیطان کی ہم تک رسائی مشکل ہوگی اور اس طرح ہم بہتر خشوع وخضوع سے نماز پڑھ سکیں گے۔

(۵) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے دلوں کے ملاپ اور ہمارے اتحاد واتفاق کا راز بھی صفوں کے ملانے میں پنہاں ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ تسویہ صفوف کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ جب تک صف بندی مکمل نہ ہو جاتی اُس وقت تک آپؐ نماز شروع نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے خلفاء کا بھی یہی معمول تھا۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں

انَّ عمرَ بنَ الخطّابؓ كان يأ مر بتسوِيَةِ الصفوفِ فإِذا جاؤه فأخبروه أن قد استوت كبر رواه مالك

حضرت عمر بن خطابؓ (اپنے اہلکاروں کو) صفیں درست کرنے کا حکم دیتے تھے۔ پھر جب وہ آ کر خبر دیتے کہ صفیں درست ہوگئی ہیں تب آپ (نماز شروع کرنے کے لئے) تکبیر کہتے۔ (موطا امام مالکؒ، ج۱، ص ۱۵۸)۔

ابو سہیل بن مالک کے والد کہتے ہیں

كنتُ مع عثمان بن عفانؓ فقامت الصلاة و أنا أكلّمُه فی أن يَفرِضَ لی، فلم أزل أُكَلّمُه وهو يُسَوّی الحصباءَ بِنعليه حتّی جاء ه رجال قد كان وكّلَهُم بِتسوِيَةِ الصفوف فآخبروه أنَّ الصفوف قد استوت فقال لی استو فی الصفّ، ثم كبر رواه مالك

میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ تھا۔ ان سے بات کر رہا تھا کہ وہ میرے لئے (کوئی عہدہ) مقرر فرمائیں۔ اسی دوران نماز کی اقامت ہوگئی۔ میں

ان سے باتیں کرتا رہا۔اور وہ اپنی جوتیوں سے کنکریاں برابر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو آپ نے صفیں درست کرنے پر مقرر فرمایا تھا وہ آئے اور انہوں نے بتایا کہ صفیں درست ہوگئی ہیں تو حضرت عثمانؓ نے مجھ سے فرمایا کہ صف میں سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔اس کے بعد آپ نے (نماز شروع کرنے کے لئے) تکبیر کہی۔(موطّا امام مالک، ج۱،ص ۱۵۸)۔

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین صفوں کی درستگی کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔لیکن یہ اتنی اہم سنت بالکل متروک ہوچکی تھی۔نماز شروع ہونے سے پہلے امام صاحبان رسماً یہ ضرور کہتے کہ ''صفیں سیدھی کرلیں۔مل جل کر کھڑے ہوجائیں ٹخنے سے ٹخنہ ملالیں'' لیکن عملی طور پر صفیں سیدھی کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔والد صاحب نے اس طرف بہت توجہ دلائی۔خود بھی عمل کر کے دکھایا اور دوسروں کو بھی عمل کی ہدایت فرمائی۔آپ نماز سے پہلے صفوں کو درست فرماتے تھے اور جب تک صفیں درست نہ ہوجاتیں نماز شروع نہیں فرماتے تھے۔جماعت المسلمین کی تمام مساجد میں اب بھی صفوں کی درستی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۹) اشارہ بین السجدتین

نماز میں بیٹھنے اور اشارہ کرنے کی کیفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کس طرح بیٹھتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔اس بارے میں ہم کو مندرجہ ذیل احادیث ملتی ہیں۔

(۱) عن ابن عمرؓ اَنَّ النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم کان اذا جلس فی الصلاۃ وضع یدیه علی رکبتیه و رفع اصبعه الیمنی التی تلی الابھام فدعا بھا و یدہ الیسری علی رکبته الیسری باسطھا علیه رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے،اپنے دائیں ہاتھ کی انگوٹھے کے قریب والی انگلی (یعنی انگشت شہادت) کو اٹھا لیتے اور اس کے ساتھ دعا کرتے۔اور اپنا الٹا (بایاں) ہاتھ اپنے الٹے (بائیں) گھٹنے پر پھیلا کے رکھ

لیتے۔(صحیح مسلم ۱۳۰۹)۔

(۲) عن ابن عمرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا جلس فى الصلا ة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى و قبض اصابعه كلها و اشار باصبعه التى تلى الابهام و وضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى رواه مسلم و ابو داود

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی سیدھی (دائیں) ہتھیلی اپنی سیدھی ران پر رکھتے، اپنی ساری انگلیوں کو موڑ لیتے اور اپنے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنی بائیں ہتھیلی اپنی بائیں ران پر رکھتے۔(صحیح مسلم ۱۳۱۱، ابوداود ۹۸۷)۔

(۳) عن ابن الزبیرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا قعد فى الصلا ة جعل قدمه اليسرى بين فخذه و ساقه [جعل قدمه اليسرى تحت فخذه اليمنى۔ ابو داود ۹۸۸] و فرشَ قدمَه اليمنى و وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى و وضع يده اليمنى على فخذه اليمنى و اشار باصبعه رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پیر اپنی دائیں ران کے نیچے، ران اور پنڈلی کے درمیان رکھتے، اپنا دایاں پیر بچھا لیتے، اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے، اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور اپنی (شہادت کی) انگلی سے اشارہ کرتے۔(صحیح مسلم ۱۳۰۷، ابوداوٗد ۹۸۸)۔

(٤) عن ابى حُمَيد الساعدیؓ قال ـــــــ ثم جلس فافترش رجله اليسرى و اقبل بصد ر اليمنى على قبلته و وضع كفه اليمنى على ركبته اليمنى و كفه اليسرى على ركبته اليسرى و اشا ر باصبعه رواه ابوداو د و الترمذى و صححه

حضرت ابوحُمید ساعدیؓ سے روایت ہے۔۔۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، آپؐ نے اپنا بایاں پیر بچھالیا، اپنے دائیں پیر کے وسط کو قبلہ رو کیا، اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھی اور انگشت شہادت

سے اشارہ کیا۔(ابوداؤد۷۴۳،ترمذی۲۹۳)۔اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے۔

(٥) عن وائل بن حجرؓ قال قلت لانظرنَّ الی صلاۃِ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم کیف یصلی قال فقام رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فاستقبل القبلةَ فکبَّر فرفع یدیہ حتی حاذتا اذنیہ ثم اخذ شمالہ بیمینہ فلما ا راد ان یرکع رفعھما مثل ذلك ثم وضع یدیہ علی رکبتیہ فلما رفع راسہ من الرکوع رفعھما مثل ذلك ، فلما سجد وضع راسہ بذلك المنزل من بین یدیہ ، ثم جلس فافترش رجلہ الیسری و وضع یدہ الیسری علی فحذہ الیسری و حد مرفقہ الایمن علی فخذہ الیمنی و قبض ثنتین و حلَّق حلقةً و رایتہ ھکذا و حلّق بِشر الابھام و الوسطی و اشار بالسبابة رواہ احمد و ابو داود و النسائی و اسنادہ صحیح

حضرت وائل بن حُجرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا کہ آپؐ کیسے نماز پڑھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔آپؐ نے قبلے کی طرف رخ کیا پھر تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھایا۔پھر آپؐ نے (ہاتھ باندھے اور) اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔پھر جب آپؐ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھایا۔پھر آپؐ نے (رکوع کیا اور) اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔پھر جب آپؐ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو اپنے ہاتھوں کو اسی طرح اٹھایا۔پھر جب آپؐ نے سجدہ کیا تو اپنے سر کو اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھا۔پھر آپؐ بیٹھ گئے،آپؐ نے اپنا بایاں پیر بچھا لیا اور اپنا بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور اپنی دائیں کہنی کو اپنی دائیں ران پر تان لیا۔اور آپؐ نے (اپنے دائیں ہاتھ کی) دو انگلیوں کو موڑ لیا اور حلقہ بنایا۔(راوی حدیث بِشر نے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنا کر دکھایا)۔اور آپؐ نے انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔(مسند امام احمدؒ۱۸۳۹۷،ابوداؤد۷۲۶،نسائی۱۲۶۶)۔اس کی سند صحیح ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نماز میں جب بھی بیٹھتے انگشت شہادت سے اشارہ

کرتے۔احادیث کے الفاظ مطلق ہیں جن میں دونوں سجدوں کے درمیان کا بیٹھنا اورتشہد (التحیات) کا بیٹھنا دونوں شامل ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک اورروایت کے الفاظ ہیں۔

اذا قعد یدعو ۔ مسلم (۱۳۰۸) عن ابن الزبیرؓ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر دعا کرتے (اس وقت آپؐ اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے)۔(صحیح مسلم ۱۳۰۸، عن عبداللہ بن الزبیرؓ)۔

اس حدیث کے الفاظ ''جب دعا کرتے'' بھی دونوں سجدوں کے درمیان اورتشہد، دونوں حالتوں میں بیٹھنے کو شامل ہیں کیونکہ دعا دونوں سجدوں کے درمیان بھی کی جاتی ہے۔

صرف ایک روایت میں " اذا قعد فی التشهد " کے الفاظ ہیں۔یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بیٹھتے۔(صحیح مسلم ۱۳۱۰ عن ابن عمرؓ)۔

اس روایت میں صرف تشہد میں بیٹھنے کا ذکر ہے۔بین السجدتین کا کوئی ذکر نہیں۔

ایک صاحب (ناصر الدین البانی) مندرجہ بالا شروع کی پانچ روایتوں کے الفاظ کو یکسر نظر انداز کر کے صرف آخری روایت کے الفاظ پکڑ کر بیٹھ گئے اور اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ انگشتِ شہادت کا اشارہ صرف تشہد میں ہے ۔دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک میں نہیں۔اس حد تک تو غنیمت تھا کہ احادیث کو سمجھنے میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن انہوں نے اس معاملے میں اتنا غلو کیا کہ دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک میں اشارہ کرنے کو بدعت قرار دے دیا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

یوشك ان یاتی رجل ببدعة جدیدة اعتماداً منه علی حدیث مطلق لم ید ر انه مقید ایضاً، الا و هی الاشارة بالاصبع فی غیر التشهد (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج۵، ص ۳۰۸)۔

قریب ہے کہ کوئی شخص مطلق حدیث پر اعتماد کر کے اور یہ نہ جانتے ہوئے کہ یہ مقید بھی ہے ایک نئی بدعت نکالے اور وہ بدعت ہے غیر تشہد میں انگلی سے

اشارہ کرنا۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، ج۵، ص ۳۰۸)۔

اس سے آگے لکھتے ہیں۔

فلم یمض علی ذلك الا زمن یسیر حتی قیل لی بان بعض الطلاب یشیرون بها بین السجدتین ، ثم رایت ذلك بعینی من احد المتخرجین من الجامعة الاسلامیة حین زا رنی فی داری فی اول سنة ١٤٠٤ (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ٥، ص ٣٠٩)۔

اس کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ بعض طلبہ دو سجدوں کے درمیان انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔ پھر میں نے اپنی آنکھوں سے جامعہ اسلامیہ کے ایک فارغ التحصیل کو ایسا کرتے دیکھا جب وہ ۱۴۰۴ء کے شروع میں میرے گھر آیا۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج۵،ص ۳۰۹)۔

مزید لکھتے ہیں۔

ولقد اخبرنی احدهم عن احد العلماء المعروفین فی بعض البلاد العربیة انه یعمل بحدیث عبد الرزاق هذا و یحتج به و ذلك مما یدل علیٰ انه لا اختصاص له بهذا العلم (سلسلة، ج ي، ص ٣١٣)۔

مجھے ان میں سے کسی نے بتایا کہ بلادِ عرب کے ایک معروف عالم امام عبدالرزاق کی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اس سے دلیل پکڑتے ہیں۔اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان (معروف) عالم کو اس علم میں مہارت حاصل نہیں ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج۵، ص ۳۱۳)۔

گویا نہ تو ان معروف عالم دین کو علمِ حدیث میں کوئی اختصاص حاصل ہے نہ ابن القیمؒ جیسے حافظ کو کوئی مہارت حاصل ہے۔اور سارا علم اور اختصاص صرف البانی صاحب کو حاصل ہے۔نعوذ باللہ من ذلک۔

البانی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ جن احادیث میں بیٹھنے کے وقت انگلی اٹھانے کا ذکر ہے وہ احادیث مطلق ہیں جن کو مقید کیا ہے اس حدیث نے جس میں تشہد میں بیٹھنے کا ذکر ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فقد جاء فی صحیح مسلم حدیثان فی الاشارة بها فی التشهد احدهما من حدیث ابن عمرؓ و الآخر من حدیث ابن الزبیرؓ و لکل

منهما لفظان مطلق و مقيد او مجمل و مفصل : " كان اذا جلس في الصلاة وضع يديه على ركبتيه و رفع اصبعه اليمنى التي تلي الابهام فدعا بها..." فأطلق الجلوس . والآخر : " كان اذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى و وضع يده اليمنى على ركبته اليمنى .." الحديث فقيد الجلوس بالتشهد(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج ٥، ص ٣٠٨-٣٠٩)۔

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے بارے میں صحیح مسلم میں دو روایتیں آئی ہیں۔ایک حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور دوسری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ۔اوران میں سے ہر حدیث میں دو لفظ مطلق اور مقید یا مجمل اور مفصل ہیں۔(ایک حدیث کے الفاظ ہیں)''جب آپؐ نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگوٹھے کے برابر والی انگلی کو اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا کرتے...''۔اس حدیث میں مطلق بیٹھنے کا ذکر ہے۔دوسری (حدیث کے الفاظ ہیں)''جب آپؐ تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے...''۔اس حدیث میں بیٹھنے کو تشہد کے ساتھ مقید (یا مخصوص) کیا ہے۔(سلسلۃ الصحیحۃ ، ج۵،ص ۳۰۸)۔

اگر البانی صاحب کے اس استدلال کو درست مان لیا جائے تو اس سے بڑی مشکل پیدا ہوگی۔مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو حمید ساعدیؓ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھتے تھے تو اپنا دایاں پیر کھڑا کرتے اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھتے۔(صحیح بخاری ۸۲۸، صحیح مسلم ۱۱۱۰ و ۱۳۰۷)۔یہ احادیث آگے آرہی ہیں۔ان احادیث میں مطلق بیٹھنے کا ذکر ہے جبکہ حضرت وائل بن حجرؓ نے اس طرح بیٹھنے کو مقید کیا ہے تشہد کے لئے بیٹھنے پر (ترمذی ۲۹۲، ابوداود ۹۵۷ و ۷۲۶، نسائی ۷۲۶ و ۱۱۶۰۔ اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے)۔اب اگر البانی صاحب کے استدلال کے مطابق کوئی شخص یہ کہے کہ دایاں پیر کھڑا کر کے بائیں پیر پر بیٹھنے کا طریقہ جو ان احادیث میں مذکور ہے وہ صرف تشہد میں بیٹھنے کے ساتھ مخصوص ہے، سجدوں کے درمیان بیٹھنے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا تو پھر یہ بتایا جائے کہ سجدوں کے

درمیان کس طرح بیٹھا جائے گا۔ کیونکہ البانی صاحب کے استدلال کے مطابق توسجدوں کے درمیان بیٹھنے کا کوئی طریقہ ہی احادیث میں مذکور نہیں۔ جو طریقہ مذکور ہے وہ تو البانی صاحب کے استدلال کے مطابق تشہد کے ساتھ مقید یا مخصوص ہوگیا۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ جب نماز میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کرتے ہیں تو اکثر صرف تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کرتے ہیں ۔سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ عام طور پر بیان نہیں کرتے ۔اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ سجدوں کے درمیان اور تشہد دونوں موقعوں پر بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہے۔اس لئے ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔مثلاً مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

و کان يقول في كل ركعتين التحية و كان يَفرِش رجله اليسرى و ينصب رجله اليمنى۔رواه مسلم

آپؐ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے اور اپنا الٹا پیر بچھاتے تھے اور سیدھے پیر کو کھڑا کرتے تھے۔(صحیح مسلم ۱۱۱۰)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

انما سنة الصلا ة ان تنصب رجلك اليمنى و تثنى اليسرى رواه البخاري

نماز (میں بیٹھنے) کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اپنے سیدھے پیر کو کھڑا کرو اور الٹے پیر کو موڑ لو۔(صحیح بخاری ۸۲۷)۔

(۳) حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں

فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى و اذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى و نصب الاخرى و قعد على مقعدته رواه البخاري

جب آپؐ دو رکعتوں پر بیٹھتے تو اپنے الٹے پیر پر بیٹھتے اور سیدھے پیر کو کھڑا کر لیتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے الٹے پیر کو آگے کر لیتے اور

سیدھے پیر کو کھڑا کر لیتے اور اپنی مقعد پر بیٹھتے۔(صحیح بخاری ۸۲۸)۔

(۴) حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں۔

قدمت المدینة قلتُ لانظرن الی صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری و وضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری و نصب رجله الیمنی رواه الترمذی و صححه و ابو داود و النسائی

میں مدینہ منورہ گیا۔ میں نے کہا کہ میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا۔ پورجب آپؐ تشہد (التحیات) کے لئے بیٹھے تو آپؐ نے اپنے الٹے پیر کو بچھالیا۔ اپنا الٹا ہاتھ اپنی الٹی ران پر رکھ لیا اور اپنے سیدھے پیر کو کھڑا کر لیا۔ (ترمذی ۲۹۲، ابوداود ۹۵۷، نسائی ۲۶۷ و ۱۱۶۰)۔ اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے۔

سجدوں کے درمیان انگلی سے اشارہ کرنے کو بدعت کہنے سے پہلے البانی صاحب کو اتنا تو سوچنا چاہیئے تھا کہ اس بارے میں مرفوع حدیث موجود ہے۔

(اگرچہ وہ بقول ان کے شاذ ہی کیوں نہ ہو)۔ یا حافظ ابن قیمؒ کا ہی لحاظ کر لیتے کہ انہوں نے اس کو سنت لکھا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کا یہ قول آگے آرہا ہے۔

ان صاحب سے کوئی پوچھے کہ اگر بقول ان کے نماز میں بیٹھنے اور اشارہ کرنے کی یہ احادیث صرف تشہد کے قعدے کے لئے مخصوص ہیں تو پھر وہ ایسی حدیث کی نشاندہی فرمائیں جس میں صراحت کے ساتھ دونوں سجدوں کے درمیان کے جلسے میں بیٹھنے کا طریقہ مذکور ہو۔

وہ صاحب اتنی سی بات نہ سمجھ سکے کہ دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک اتنی مختصر ہوتی ہے کہ اکثر راویان حدیث اور محدثین کرامؒ نے اس بیٹھک کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کو علیحدہ سے بیان کیا جائے۔ اور چونکہ دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک اور تشہد کی بیٹھک کا طریقہ ایک ہی ہے اس لئے انہوں نے ایک ہی طریقے کو بیان کرنے پر اکتفا کیا اور اس کو بیان کرنے کے لئے انہوں نے کبھی تو مطلق بیٹھنے کا ذکر کر دیا اور کبھی تشہد میں بیٹھنے کا ذکر کر دیا اور دونوں سجدوں کے درمیان کے جلسے کو علیحدہ سے بیان کرنا اس لئے قابلِ تذکرہ نہیں سمجھا کہ مطلق

بیٹھنے کے ذکر میں وہ جلسہ خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔

میری اس بات کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے۔

باب سنة الجلوس فی التشهد

یعنی ’’تشہد میں بیٹھنے کے طریقے کا باب‘‘۔

لیکن دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے طریقے کا باب سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں نہیں باندھا۔اس سے آپ کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟۔

اس کا نتیجہ یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا ہی نہیں ہے۔اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ دونوں بیٹھکوں کا طریقہ ایک ہی ہے اس لئے ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف ایک ہی باب باندھا ہے۔

باب العمل فی الجلوس فی الصلاة۔ کیونکہ دونوں بیٹھکوں کا طریقہ ایک ہے لہٰذا ایک ہی باب کافی ہے۔علیحدہ علیحدہ ابواب کی ضرورت نہیں۔

امام ترمذیؒ نے بھی ایک ہی باب باندھا ہے۔

باب کیف الجلوس فی التشهد۔ یعنی تشہد میں کیسے بیٹھے۔بین السجدتین کیسے بیٹھے اس کے لئے کوئی علیحدہ باب نہیں۔

اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے بھی ایک ہی باب باندھا ہے۔

باب کیف الجلوس فی التشهد یعنی تشہد میں کیسے بیٹھے۔بین السجدتین کیسے بیٹھے اس کے لئے انہوں نے بھی کوئی علیحدہ باب نہیں باندھا۔

امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے ضرور جلوس بین السجدتین کا باب باندھا ہے لیکن انہوں نے بھی کوئی ایسی حدیث نقل نہیں کی جس میں بین السجدتین بیٹھنے کا تفصیلی طریقہ بیان کیا گیا ہو۔امام نسائی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں ’’و اذا قعد اطمأن علی فخذه الیسری ‘‘۔یعنی ’’جب آپؐ بیٹھتے تو اپنی بائیں ران پر اطمینان سے بیٹھتے‘‘(نسائی ۱۱۴۸)۔امام نسائیؒ نے اگرچہ اس حدیث پر ’’جلوس بین السجدتین‘‘ کا باب باندھا ہے لیکن جو حدیث نقل کی ہے اس میں بین السجدتین کا کوئی ذکر نہیں بلکہ عام بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا ہے وہ بھی

بہت مختصر۔اس میں نہ تو یہ بیان ہے کہ دایاں پیر کھڑا کرتے اور نہ یہ ذکر ہے کہ دایاں ہاتھ دائیں ران پر یا گھٹنے پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران یا گھٹنے پر رکھتے جیسا دیگر روایات میں بیان ہے۔

اسی طرح امام ابن ماجہؒ نے اس باب میں جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں " فاذا سجد فرفع راسه لم يسجد حتى يستوى جالساً و كان يفترش رجله اليسرى"۔ یعنی جب آپؐ سجدہ کرتے پھر اپنا سر اٹھاتے تو (دوسرا) سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور آپؐ اپنے بائیں پیر کو بچھا لیتے تھے۔(ابن ماجہ ۸۹۳)۔اس روایت میں بھی بایاں پیر بچھانے کے علاوہ اور کوئی تفصیل نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کا ماحصل یہی ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا کوئی الگ طریقہ نہیں ہے۔وہی طریقہ ہے جو تشہد میں بیٹھنے کا ہے۔

دعا کے وقت انگلی اٹھانا

مزید یہ کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگشتِ شہادت کو اٹھا کر اس کے ذریعے دعا مانگتے تھے۔

(۱) عن عبد اللّٰه بن عمرؓ انَّ النبى صلى اللّٰه عليه و سلم كان اذا جلس فى الصلا ة وضع يديه على ركبتيه، و رفع اصبعه اليمنىَ التى تلى الابهام فدعا بها و يده اليسرى على ركبته اليسرى باسطها عليها رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے۔اور اپنے سیدھے ہاتھ کی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا کرتے اور اپنا الٹا ہاتھ اپنے الٹے گھٹنے پر پھیلا لیتے۔(صحیح مسلم ۱۳۰۹)

(۲) عن عبد اللّٰه بن الزبيرؓ قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم اذا قعد يدعو وضع يده اليمنىٰ علىٰ فخذه اليمنىٰ و يده اليسرىٰ على فخذه اليسرى و اشار باصبعه السبابة و وضع ابهامه على اصبعه

الوسطیٰ و یُلقم کفه الیسری رکبته رواه مسلم (۱۳۰۸)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے دعا کرتے تو اپنا سیدھا ہاتھ اپنی سیدھی ران پر رکھتے اور اپنا الٹا ہاتھ اپنی الٹی ران پر رکھتے اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔ اور اپنا انگوٹھا اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے اور اپنے الٹے ہاتھ سے اپنے (الٹے) گھٹنے کو پکڑ لیتے (صحیح مسلم)۔

(۳) عن وائل بن حجر انه قال فی صفة صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ثم قعد فافترش رجله الیسری و وضع کفه الیسری علی فخذه و رکبته الیسری و جعل حد مرفقه الایمنِ علی فخذه الیمنی ثم قبض ثنتین من اصابعه و حلّق حلقةً ثم رفع اصبعه فرایته یُحَرّکُها یدعو بها رواه احمد و ابو داود و النسائی وابن ماجة و ابن خزیمة و البیهقی

حضرت وائل بن حجرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''پھر آپؐ بیٹھتے تو اپنا الٹا پیر بچھا لیتے (اور اس پر بیٹھتے) اور اپنا الٹا ہاتھ اپنی الٹی ران اور الٹے گھٹنے پر رکھ لیتے۔ اور اپنی سیدھی کہنی کا ایک سرا اپنی سیدھی ران پر رکھتے۔ پھر اپنی دو انگلیوں کو موڑ لیتے اور (اپنی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے) ایک حلقہ بناتے۔ پھر اپنی انگشت شہادت کو اٹھاتے اور میں نے دیکھا آپ اس کو حرکت دیتے اس کے ساتھ دعا کرتے''۔ مسند امام احمدؒ، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی۔ (نیل الاوطار، ص۲، ص۲۸۲-۲۸۳)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھ کر دعا مانگتے تو اپنی انگشت شہادت کو اٹھا کر اس سے اشارہ کرتے تھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بھی چونکہ آپؐ دعا مانگتے تھے اس لئے ثابت ہوا کہ دو سجدوں کے درمیان بھی جب آپؐ بیٹھتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔

نص قاطع:

ایک مخلص طالبِ حق کے لئے تو اشارہ بین السجدتین کے ثبوت کے لئے مندرجہ بالا تین روایات ہی کافی تھیں بلکہ ایک روایت ہی کافی ہونی چاہئے۔ لیکن

اس بحث کو ختم کرنے کے لئے اب ہم وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں یہ وضاحت اور صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان جب بیٹھتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔ یہ حدیث اس مسئلے میں نصِ قاطع ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قیاس کی ضرورت ہی نہیں

عن وائل بن حجرؓ قال رایت النبی صلی اللّٰه علیه و سلم کبر فرفع یدیه حیں کبر ـ یعنی استفتح الصلاۃ ـ و رفع یدیه حین رکع و رفع یدیه حین قال سمع اللّٰه لمن حمده و سجد فوضع یدیه حذ و اذنیه ثم جلس فافترش رجله الیسری ثم وضع یده الیسری علیٰ رکبته الیسری و وضع ذراعه الیمنی علی فخذه الیمنی ثم اشار بسبابته و وضع الابهام علی الوسطی و قبض سائر اصابعه ثم سجد فکانت یداه حذاء اذنیه رواه احمد و عبدالرزاق و الطبرانی

حضرت وائل بن حُجرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ نے جب نماز شروع فرمائی تو تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کیا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے مقابل رکھے۔ پھر آپؐ بیٹھے تو آپؐ نے اپنا الٹا (بایاں) پیر بچھالیا اور اپنا الٹا ہاتھ اپنے الٹے گھٹنے پر رکھا اور اپنا سیدھا (دایاں) ذراع اپنی سیدھی ران پر رکھا پھر آپؐ نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔ آپؐ نے انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا اور اپنی ساری انگلیوں کو موڑ لیا پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو (سجدے میں) آپؐ کے دونوں ہاتھ آپؐ کے کانوں کے مقابل تھے۔ (مسند امام احمد ۱۸۳۷۹، مصنف عبد الرزاق ۶۸/۲، طبرانی کبیر ۳۴/۲)۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے، علامہ شعیب ارنوط لکھتے ہیں اسناده صحیح رجاله ثقات ـ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مسند امام احمدؒ بتحقیق شعیب الارنؤط و ابراهیم الزیبق، مطبوعه مؤسسة الرسا له، بیروت۔ ج ۳۱، ص ۱۵۰۔۱۵۱، حدیث نمبر ۱۸۸۵۸)۔

حافظ ابن قیمؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح سمجھا ہے اور اس سے استدلال کیا

ہے۔(زادالمعاد، ج۱، ص ۱۶۷)۔

علامہ ساعاتیؒ بھی لکھتے ہیں اس کی سند جید ہے۔(بلوغ الامانی، ج ۳، ص ۱۴۹)۔

مندرجہ بالا حدیث میں خط کشیدہ عبارتوں پر غور کیجئے۔اس حدیث میں حضرت وائل بن حُجرؓ نے کتنی وضاحت کے ساتھ پہلے سجدۂ اول کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر اس سجدے کے بعد بیٹھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اس بیٹھک کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ اور اس کے بعد پھر دوسرے سجدے کا ذکر فرمایا ہے۔

جیسا اوپر بیان کیا گیا یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا۔لیکن اس حدیث کو ضعیف کہنے کی کوئی وجہ نہ ملی تو البانی صاحب نے اسے ''شاذ'' کہہ کر رد کر دیا اور اس مزعومہ شذوذ کا الزام امام عبدالرزاقؒ پر ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن آگے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں البانی کا اپنا قول شاذ اور مردود ہے۔

اہلحدیث علماء کی گواہی

ایک صاحب نے حافظ عبدالمنان نور پوری، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے پوچھا کہ ''جناب نے لکھا ہے کہ رفع سبابہ بین السجدتین کی حدیث مسند احمد میں مرفوع ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے۔البانی صحیح نہیں مانتے۔علامہ عبدالعزیز نورستانی صحیح کہتے ہیں اور کہتے ہیں البانی صاحب کو وہم ہے''۔

اس کے جواب میں حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری لکھتے ہیں ''علامہ عبدالعزیز صاحب نورستانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی بات اس مسئلے میں درست ہے''۔ (قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل، جلد اول، ص ۱۹۱)۔

مشہور اہلحدیث عالم شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی بھی دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک میں رفع سبابہ کے قائل ہیں۔وہ سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''بعض لوگوں نے انگلی کھڑی رکھنے والی سنت کو التحیات والی حالت کے ساتھ خاص سمجھ لیا ہے مگر اس بارے

میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے بلکہ روایات میں عموم معلوم ہوتا ہے۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بیٹھنے والی حالتوں میں انگلی اٹھاتے تھے خواہ التحیات ہو یا نہ ہو (نماز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۳۔۲۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہلحدیث علماء، حافظ عبدالمنان نورپوری، علامہ عبد العزیز نورستانی اور شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی کے نزدیک بھی دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک میں انگلی اٹھانا سنت ہے اور البانی کا قول غلط ہے۔

کیا حضرت وائلؓ کی مندرجہ بالا روایت شاذ ہے؟

شاذ روایت کے متعلق تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ یہاں مختصراً اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ شاذ روایت وہ ہوتی ہے جس میں ایک ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔اب ہم اس روایت کے شاذ ہونے کے دعوے کا حقائق کی بنیاد پر جائزہ لیتے ہیں۔

اس جائزے کے لئے دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔

(۱) کسی روایت کی مخالفت اس وقت ثابت ہوگی جب کسی روایت میں یہ کہا گیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ بین السجدتین میں اپنی انگشت شہادت سے اشارہ نہیں کرتے تھے۔اور ایسی کوئی روایت نہیں۔لہٰذا مخالفت کا دعویٰ باطل ہے۔

(۲) حضرت وائلؓ کی اس روایت میں کسی بھی دوسری روایت کی مخالفت ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت وائلؓ نے نماز کے طریقے میں ایک تفصیل دوسرے صحابہؓ کے بیان کردہ طریقے سے زائد بیان کی ہے۔اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ نماز میں بیٹھنے کا طریقہ جو دیگر اصحابؓ نے بیان کیا ہے اس میں انہوں نے بیٹھنے کا صرف ایک معروف طریقہ بیان کیا ہے۔''تورک'' کا طریقہ بیان نہیں کیا۔تورک کا طریقہ حضرت ابوحُمید ساعدیؓ نے بیان کیا ہے۔تو جس طرح حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی بیان کردہ زیادتی مقبول ہے اسی طرح حضرت وائلؓ کی بیان کردہ زیادتی بھی مقبول ہے۔

(۴) اگر بالفرض ایسی کوئی روایت ہو بھی جس میں بیان کیا گیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے اشارہ نہیں کرتے تھے تو پھر یہ دیکھنا لازمی ہوگا کہ کیا اس روایت کا راوی امام عبدالرزاقؒ سے بڑھ کر ثقہ ہے۔اور یہ بات بھی ناممکن ہے۔کیونکہ امام عبدالرزاقؒ بہت بڑے محدث اور امام ہیں۔صاحبِ تصنیف ہیں ۔ان کی کتاب کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔لہٰذا اس حدیث کے شاذ ہونے کا دعویٰ بالکل باطل اور لغو ہے۔

امام عبدالرزاقؒ

امام عبدالرزاقؒ اپنے وقت کے بہت بڑے امام، محدث اور صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔آپ کی کتاب ''مصنف'' بہت مشہور ہے اور اس کے جا بجا حوالے دئے جاتے ہیں۔امام عبدالرزاقؒ تو وہ امام ہیں کہ سیدنا امام بخاریؒ طلبِ علم کے لئے ان کے پاس یمن جانا چاہتے تھے۔امام بخاریؒ نے یمن کے سفر کی تیاری بھی کر لی تھی لیکن پھر معلوم ہوا کہ ان کی وفات ہوگئی ہے لہٰذا امام بخاریؒ نے اپنا سفر منسوخ کر دیا۔بعد میں ان کی وفات کی خبر غلط نکلی۔اس طرح امام بخاریؒ کو امام عبدالرزاقؒ سے نہ مل سکنے کا بہت افسوس رہا۔امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقات تو نہ ہوسکی لیکن آپ بالواسطہ ان سے روایات نقل کرتے رہے۔(سیرۃ البخاری ص۹۹)۔

صحیح بخاری میں امام عبدالرزاقؒ سے سو سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم میں ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔اس امام عبدالرزاقؒ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔علامہ کلاباذیؒ نے بھی آپ کو صحیح بخاری کے راویوں میں شمار کیا ہے(رجال صحیح البخاری،ج۲،ص ۴۹۶)۔

امام بخاریؒ نہ صرف یہ کہ امام عبدالرزاقؒ سے روایت کرتے ہیں بلکہ ان کی تشریحات کو بطور سند پیش فرماتے ہیں۔ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

کتاب العیدین، باب موعظة الامام النساءیوم العید **میں سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے امام عبدالرزاق سے حدیث روایت کی ہے۔ پھر اس حدیث میں ایک لفظ آیا ہے** ''اَلْفَتَخ ''**۔اس کی تشریح میں امام عبدالرزاقؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔**

قال عبد الرزاق الفتخ الخواتیم العظام کانت فی الجاهليّة

امام عبدالرزاق فرماتے ہیں '' فَتَخ '' بڑی بڑی انگوٹھیاں ہوتی ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتی تھیں۔(صحیح بخاری، حدیث ۹۷۸ و ۹۷۹)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

عبدالرزاق بن همام ابن نافع الحمیری احد الحفاظ الاثبات ، صاحب التصانیف وثقه الائمة کلهم الا العباس بن عبد العظیم العنبری وحده فتکلم بکلام افرط فیه و لم یوافقه علیه احد و قد قال ابو زرعة الدمشقی قیل لاحمد من اثبت فی ابن جریج عبد الرزاق او محمد بن بکر البرسانی فقال عبدالرزاق، و قال عباس الدوری عن ابن معین کان عبد الرزاق اثبت فی حدیث معمر من هشام بن یوسف وقال یعقوب بن شیبة عن علی بن المدینی قال لی هشام بن یوسف کان عبد الرزاق اعلمنا و احفظنا، قال یعقوب کلاهما ثقة ثبت (هدی الساری ٤٤٠)

عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی الصنعانیؒ اثبات حفاظ میں سے ہیں۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے سوائے تنہا عباس بن عبدالعظیم کے۔اور اس بات میں کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔اور امام ابو زرعہؒ کہتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ امام ابن جریجؒ سے روایت کرنے میں کون زیادہ ثبت ہے۔عبدالرزاق یا محمد بن بکر؟ امام احمدؒ نے فرمایا عبد الرزاقؒ۔اور امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ معمر کی احادیث میں عبدالرزاقؒ سب سے زیادہ ثبت ہیں۔اور امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں مجھ سے ہشام بن یوسف نے کہا کہ عبدالرزاقؒ ہم سب سے زیادہ عالم اور ہم سب سے زیادہ حافظ ہیں۔اور یعقوب نے کہا کہ دونوں (یعنی عبدالرزاق اور ہشام بن یوسف) ثقہ اور ثبت امام یعقوب نے کہا وہ دونوں ثقہ ہیں اور ثبت ہیں۔(ہدی الساری،ص ۴۴۰)۔

امام عبدالرزاقؒ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام اسحٰق بن راہویہؒ، امام یحییٰ بن معینؒ جیسے جلیل القدر ائمہ شامل ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی نے بھی امام عبدالرزاقؒ کی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

ثقة و صدوق عند الجمهور امام عبد الرزاق بن همام الصنعانی الیمنی۔ یعنی جمہور کے نزدیک ثقہ اور سچے امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمنی۔ (تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات، ج ۳، ص ۴۴)۔

یہاں اس شبہ کا بھی ازالہ کر دوں کہ امام عبدالرزاقؒ پر شیعیت کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ یہ الزام تو امام نسائیؒ پر بھی لگا ہے، امام حاکمؒ پر بھی لگا ہے۔ اور بھی لوگوں پر لگا ہے۔ تو اس بنا پر آپ کس کس کی روایات کو چھوڑیں گے؟۔ امام عبدالرزاقؒ میں اول تو شیعیت تھی ہی نہیں اور اگر بالفرض تھی بھی تو صرف اس قدر کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل سمجھتے تھے۔ اگر چہ اس سے بھی ان کا رجوع ثابت ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بہر حال وہ سب سے افضل سمجھتے تھے۔ امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں۔

و اللّٰہ ما انشرح صدری قط ان اُفَضِّلَ علیّاً علی ابی بکرؓ و عمرؓ، رحم اللّٰہ ابا بکرؓ و رحم اللّٰہ عمرؓ و رحم اللّٰہ عثمان و رحم اللّٰہ علیاً، و من لم یحبهم فما هو بمؤمن، فان اوثق عملی حبی ایاهم رضوان اللّٰہ علیهم و رحمته اجمعین (کتاب العلل و معرفة الرجال لعبد اللّٰہ بن احمد بن حنبل و تاریخ دمشق لابن عساکر)۔

اللہ کی قسم، کبھی اس بات پر میرا انشراحِ صدر نہیں ہوا کہ میں حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دوں۔ اللہ رحم فرمائے حضرت ابوبکرؓ پر، اللہ رحم فرمائے حضرت عمرؓ پر، اللہ رحم فرمائے حضرت عثمانؓ پر اور اللہ رحم فرمائے حضرت علیؓ پر۔ اور جو شخص ان سب سے محبت نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہے، بے شک میرا سب سے مضبوط عمل ان سب سے میرا محبت کرنا ہے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو اور ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

اگر بالفرض امام عبدالرزاقؒ پر تشیع کا الزام ثابت ہو بھی جائے جو ناممکن ہے تب بھی اس سے اس روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ خود البانی

صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ کسی راوی کے رافضی ہونے سے کوئی حرج نہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

ولا یضر انه رافضی ما لم یکن داعیة لان العبرة فی الروایة الصدق و الضبط کما هو مقرر فی علم المصطلح (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ٣، ص ج)۔

یعنی راوی کے رافضی ہونے سے کوئی نقصان نہیں جب تک کہ اس کی کوئی خاص وجہ نہ ہو (یا وہ شیعیت کی دعوت و تبلیغ کرتا ہو)۔ کیونکہ روایت میں جس چیز کا اعتبار ہے وہ صدق اور ضبط ہے جیسا کہ اصولِ حدیث میں مقرر ہے۔ (سلسلة الاحادیث الصحیحہ ،ج ۳،ص ج)۔

اسی قسم کی بات البانی صاحب نے خارجی، شیعہ اور بدعتی راویوں کے متعلق بھی کہی ہے۔ دیکھئے سلسلة الصحیحہ ،ج ۵،ص ۲۶۲۔۲۶۳، رقم ۲۲۲۳۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر اس روایت کے شاذ ہونے کا دعویٰ بالکل باطل اور لغو ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس سے احتجاج کیا ہے۔ وہ جلسہ بین السجدتین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و کان یضع یدیه علی فخذیه و یجعل مرفقه علی فخذه و طرف یده علی رکبتیه و یقبض ثنتین من اصابعه و یحلّق حلقةً ثم یرفع اصبعه یدعو بها و یحرکها، هٰکذا قال وائل بن حجرؓ عنه . . . . ثم کان یقول بین السجدتین اللّٰهم اغفر لی وارحمنی . . . . (زاد المعاد، ج ١، ص ١٦٧۔١٦٨)۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز میں جب بیٹھتے تو) اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیتے۔ اپنی کہنی اپنی ران پر رکھتے اور اپنے ہاتھ کا سرا اپنے گھٹنوں پر رکھتے۔ اپنی دو انگلیوں کو موڑ لیتے اور (اپنے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کی مدد سے) ایک حلقہ بناتے۔ پھر اپنی انگشت شہادت اٹھاتے، اس کے ساتھ دعا کرتے اور اس کو حرکت دیتے۔ حضرت وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔.........پھر دونوں سجدوں کے درمیان آپؐ یہ دعا پڑھتے۔

اللّٰهم اغفر لی وارحمنی........(زادالمعاد، ج۱ص ۱۶۷۔۱۶۸)۔

ثقہ راوی کی زیادتی

البانی صاحب لکھتے ہیں

هذا مما تفرد به عبد الرزاق عن الثوری (سلسلة الاحادیث الصحیحه، ج ۵، ص ۳۱۲)۔یعنی یہ الفاظ امام ثوریؒ سے روایت کرنے میں امام عبدالرزاقؒ اکیلے ہیں(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۔ج۵،ص ۳۱۲)۔یہاں البانی صاحب یہ مسلمہ اصول کیوں بھول گئے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

مزید نصوص

مسندامام احمدؒ کی اس روایت کے متعلق البانی صاحب کا شذوذ کا دعویٰ اس لئے بھی درست نہیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان کے جلسے میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کو روایت کرنے میں امام عبدالرزاقؒ تنہا نہیں ۔ان کی متابعت میں اور روایات بھی ہیں ۔مثلاً

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ثم لما اراد ان یرکع رفع یدیه مثلها فوضع یدیه علی رکبتیه ثم رفع راسه فرفع یدیه مثلهاثم سجدفجعل کفیه بحذاء اذنیه ثم قعد فافترش رجله الیسری و وضع کفه الیسری علی فخذه و رکبته الیسری و جعل مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی ثم قبض ثنتین [من اصابعه] فحلّق حلقة ثم رفع اصبعه فرایته یحرکها یدعو بها رواه ابوداود و النسائی و الدارمی و اللفظ له و رواه ابن ماجة مختصراً ۔ پھر جب آپؐ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے پہلے کی طرح ہاتھ اٹھائے۔پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔پھر آپؐ نے (رکوع سے)اپنا سر اٹھایا اوراسی طرح اپنے ہاتھ اٹھائے۔پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو اپنی ہتھیلیاں اپنے کانوں کے برابر رکھیں۔پھر آپؐ بیٹھے تو آپؐ نے اپنا بایاں پیر بچھا لیا اوراپنی دائیں ہتھیلی اپنی ران اور گھٹنے پر رکھی اوراپنی دائیں کہنی اپنی دائیں ران پر رکھی۔پھر آپؐ نے دوانگلیاں موڑ لیں اورایک (انگلی اورانگوٹھے کی مدد سے

ایک) حلقہ بنالیا۔ پھر آپؐ نے اپنی (شہادت کی) انگلی اٹھائی۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ اس (انگلی) کو ہلا رہے تھے اوراس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔ (ابوداود ۷۲۶، نسائی ۸۹۰، دارمی ۱۳۵۷، ابن ماجہ مختصراً ۸۶۷)۔

اس حدیث سے بالکل واضح ہے کہ سجدے سے سر اٹھانے کے بعد جب آپؐ بیٹھے تو آپؐ نے اپنی انگشت شہادت اٹھائی اوراس کے ساتھ اشارہ کیا۔

(۲) حضرت ابوحُمید ساعدیؓ نے چند صحابۂ کرامؓ کے سامنے دعوی کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ

" ثم ركع فوضع يديه على ركبتيه كانه قابض عليهما و وتّر يديه فتجافى عن جنبيه قال ثم سجد فأمكن انفَه و جبهته و نحّٰى يديه عن جنبيه و وضع كفيه حذو منكبيه ثم رفع راسه حتى رجع كلُّ عظم فى موضعه حتى فرغ، ثم جلس فافترش رجله اليسرى و اقبل بصد ر اليمنى على قبلته و وضع كفه اليمنى على ركبته اليمنى و كفه اليسرى على ركبته اليسرى و اشار باصبعه "۔رواه ابو داود ۷۳٤

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اوراپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر اس طرح رکھ لیا گویا آپؐ انہیں پکڑے ہوئے ہیں، آپؐ نے اپنے ہاتھوں کو تان لیا اوران کو اپنے پہلوؤں سے دور کرلیا۔ پھر آپؐ نے سجدہ کیا، اپنی آنکھ اور پیشانی کو ٹکا لیا اور پنے ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے دور کرلیا، اپنی ہتھیلیوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھا۔ پھر آپؐ نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ گئی۔ پھر آپؐ بیٹھ گئے، اپنے بائیں پیر کو بچھالیا اوردائیں پیر کے درمیانی حصے کو قبلہ رو کرلیا اوراپنی دائیں ہتھیلی کو اپنے دائیں گھٹنے پر رکھا اور بائیں ہتھیلی کو اپنے بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اوراپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ (ابوداود، ۷۳۴)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے۔ فللّٰه الحمد

کچھ البانی صاحب کے متعلق

مسند امام احمدؒ کی روایت کو شاذ کہہ کر رد کر دینا البانی صاحب کی ذہن پرستی کی بدترین مثال ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ اپنے زورِ قلم میں البانی صاحب کہیں کہیں پٹڑی سے اتر جاتے ہیں۔ اور اسی کیفیت میں وہ:

(1) کبھی صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف کہنے میں اپنی قابلیت اور علمیت سمجھتے ہیں۔

(2) کبھی کسی ایسی حدیث کو صحیح ثابت کرنے میں اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں جس حدیث کو تمام ائمہ ضعیف کہتے آئے ہیں۔

(3) یہی نہیں بلکہ وہ متقدمین کی غلطیوں کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اور

(4) اپنے مخالفین کے لئے ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جس کی توقع ایک عالم تو کجا، ایک مہذب انسان سے نہیں کی جاسکتی۔

اب میں ان باتوں کو مثالوں سے واضح کرتا ہوں

1۔ صحیح بخاری کی احادیث کو ضعیف کہنا

صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل احادیث کو البانی نے ضعیف کہا ہے۔

(ا) ان العبدلیتکلم بالکلمة من رضوان اللّٰه لا یُلقی لها بالاً یرفع اللّٰه بها درجاتٍ، و ان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط اللّٰه لا یلقی لها بالاً یهوی بها فی جهنم

بے شک کوئی بندہ اللہ کی رضا کی کوئی بات کہتا ہے جس کو وہ کچھ اہم نہیں سمجھتا لیکن اس بات کی وجہ سے اللہ اُس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بندہ اللہ کی ناراضگی کی بات کرتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اس بات کی وجہ سے وہ بندہ جہنم میں گر جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ۶۴۷۸)۔

صحیح بخاری کی اس حدیث کو البانی نے ضعیف لکھا ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفه، ج۳، رقم ۱۲۹۹)۔ افسوس صد افسوس!

(۲)عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال قال اللّٰہ تعالی ثلا ثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ ، رجل اعطی بی ثم غد ر، و رجل با ع حراً فاکل ثمنہ ، و رجل استاجر اجیراً فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ رواہ البخاری

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”تین قسم کے لوگ ہیں جن کا میں قیامت کے دن دشمن ہوؤں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پر کوئی عہد کیا پھر اسے توڑ دیا۔ دوسرا وہ جو کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے کوئی مزدور رکھا، اس سے مزدوری تو پوری لی لیکن اس کو (طے شدہ) مزدوری ادا نہ کی (صحیح بخاری ۲۲۲۷ و ۲۲۷۰)۔

البانی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

(۳)عن الاعرج عن ابی ہریرۃؓ عن النبیؐ ﷺ قال ” اختصمت الجنۃ و النا ر الی ربھما فقالت الجنۃ یا ربّ ما لھا لا یدخلھا الا ضعفاء الناس و سَقَطُھم ، و قالت النار یعنی اوثرتُ بالمتکبرین فقال اللّٰہ تعالی للجنۃ انتِ رحمتی و قال للنار انتِ عذابی اصیب بكِ من اشاء و لکل واحدۃٍ منکما مِلؤھا، قال : فاما الجنۃ فان اللّٰہ لا یظلم من خلقہ احداً و انہ یُنشیءُ للنار من یشاء فَیُلقون فیھا فتقول ھل من مزید ثلاثاً حتی یضعَ فیھا قدمہ فتمتلیء و یُردُّ بعضُھا الی بعض و تقول قط، قط، قط“

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی۔ جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور غریب لوگ داخل ہوں گے۔ اور دوزخ نے کہا میرے لئے متکبرین کو پسند کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے۔ میں تیرے ساتھ جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں میں سے ہر ایک کو بھر دیا جائے گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اور دوزخ کے لئے اللہ تعالیٰ جنہیں چاہے گا پیدا فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر دوزخ

تین مرتبہ کہے گی هل من مزید یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم ڈالے گا اوروہ بھر جائے گی اور کہے گی بس، بس، بس۔ (صحیح بخاری ۷۴۴۹)۔

اس روایت کے متعلق البانی صاحب لکھتے ہیں

وقد وقع فی روایة البخاری (٧٤٤٩) من طریق الاعرج عن ابی هریرة بلفظ : "ینشیء للنار..." مکان "... الجنة". و هی بلا شك روایة شاذة لمخالفتها للطریق الاولیٰ عن ابی هریرة و لحدیث انس ۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ''جنت کے لئے پیدا فرمائے گا'' کے بجائے ''دوزخ کے لئے پیدا فرمائے گا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ روایت بلاشک ''شاذ'' ہے کیونکہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ سے مروی دوسری روایتوں کے خلاف ہے۔ (سلسلۃ الصحیحہ ، ج ٦، ص ٩٣)۔

یہ صرف البانی صاحب کی سمجھ کا پھیر ہے ورنہ یہ روایت کسی دوسری روایت کے خلاف نہیں۔ سب روایتوں کو ملا کر ان کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ '' جنت اوردوزخ دونوں میں مزید گنجائش ہوگی اوردونوں چاہیں گی کہ ان کو بھرا جائے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا۔ جنت کے لئے اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرمائے گا اور وہ بھر جائے گی ۔جہنم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرمائے گا لیکن وہ نہیں بھرے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم ڈالے گا اوروہ بھر جائے گی''۔

اس روایت میں لوگوں کے مغالطے کی وجہ دراصل حدیث کے یہ الفاظ ہوسکتے ہیں کہ ''اللہ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا''۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ جہنم کے لئے مخلوق پیدا فرمائے گا تو یہ اُس مخلوق پر ظلم ہوگا کہ اس کو بلاقصور آگ میں جلایا جائیگا۔ یہاں پہلے تو یہ وضاحت ضروری ہے کہ حدیث میں یہ نہیں کہ جہنم کے لئے انسانوں کو پیدا کیا جائے گا۔ کوئی بھی مخلوق پیدا کی جاسکتی ہے۔

آگ میں رہنے والے جانور

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

و یمکن التزام ان یکونوا من ذوی الارواح ولکن لا یعذبون کما فی الخزنة۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ وہ جاندار ہوں لیکن ان کو عذاب نہ ہو (یعنی

آگ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے) جیسے (جہنم کے) داروغوں کو (آگ کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ (فتح الباری)

نیز ایسے کیڑے مکوڑے بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں جن کو آگ نہ جلائے۔

ایسی مخلوق بھی پیدا کی جاسکتی ہے جس پر آگ کا اثر نہ ہو۔ اور یہ کوئی عجیب اور انہونی بات نہیں۔ ہماری اس دنیا میں بھی ایسے جانور پائے جاتے ہیں جن پر آگ اثر نہیں کرتی۔ مثلاً ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے، آگ میں ہی رہتا ہے اور آگ سے باہر نکالو تو مر جاتا ہے۔ اسے اردو میں اگن چڑیا اور فارسی میں ''سمندر'' کہتے ہیں۔ مختلف لغات میں سمندر کے معنی اس طرح دیئے گئے ہیں۔

فرہنگِ آصفیہ: ایک آتشی چوہے کا نام جو آگ کے اندر پیدا ہوتا ہے اور امیر لوگ اس کی کھال کی ٹوپیاں بناتے ہیں۔ جب اس کی ٹوپی میلی ہو جاتی ہے تو آگ میں ڈالنے سے اس کا تمام میل کچیل جل کر صاف نکل آتی ہے۔ اور آگ اس میں مطلق اثر نہیں کرتی۔

نسیم اللغات: ایک آتشی چوہا جو آتش کدے میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے۔ اگر نکلے تو مر جائے''۔

مرزا غالب کے مندرجہ ذیل شعر میں ''سمندر'' انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جاری تھی اسد داغِ جگر سے میرے تحصیل
آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

اردو کے ایک قدیم شاعر نصیر کہتے ہیں

رزق دونوں ہی کو پہنچاتا ہے وہ روزی رساں
آب میں رہتی ہے ماہی اور سمندر آگ میں

کتب لغت میں ایک اور جانور ''سمندل'' کا نام بھی ملتا ہے۔ یہ بھی آگ میں پایا جاتا ہے۔

لغاتِ کشوری میں ہے

سمندل ایک پردار جانور ہے جو آگ میں نہیں جلتا ہے۔

عربی کی لغت ''المنجد'' میں لکھا ہے

السمند و السمندل و السندل: طائر یکثر وجوده فی الھند

''سمند''، ''سمندل'' اور ''سندل'': ایک پرندہ ہے جو ہندوستان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

اورعربی کی مشہور لغت ''القاموس المحیط'' میں لکھا ہے

السمندل طائر بالھند لا یحترق بالنا ر

سمندل ایک پرندہ ہے جو ہندوستان میں ہوتا ہے اور وہ آگ سے نہیں جلتا۔حاشیے میں اس کی تشریح یوں لکھی ہے۔

و یعمل من ریشه مناشف اذا اتسخت تنظف بالنار ، قال فی "لسان العرب" ابو سعید السمندل طائر اذا انقطع نسله و هرم القی نفسه فی الجمر فیعود الی شبابه ، و قال غیره هو دابة تدخل النا رفلا تحرقه ، قال و سرفوت کزنبور دویبة کسام ابرص تتولد فی کیران الزجاجین ، ما دامت النا ر توقد فهی حیة فاذا طفئت النار ماتت، و هی نظیر السمندل یعیش فی النا ر و یبیض (القاموس المحیط ص ۱۳۴۳)

یعنی سمندل کے پروں سے رومال یا تولئے بنائے جاتے ہیں۔جب وہ میلے ہوجاتے ہیں تو ان کو آگ سے صاف کیا جاتا ہے۔اور (عربی کی مشہور لغات) ''لسان العرب'' میں لکھا ہے کہ ابوسعید سمندل ایک پرندہ ہے جب اس کی تناسل کی قوت ختم ہوجاتی ہے اور وہ بوڑھا ہوجاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو انگاروں پرڈال دیتا ہے۔اس طرح اس کی جوانی لوٹ آتی ہے۔اوردوسروں نے کہا کہ یہ ایک کیڑا ہوتا ہے جو آگ میں جلتا نہیں۔اور ایک اور جانور ہوتا ہے ''سرفوت'' ہے اور اسی میں انڈے بچے دیتا ہے۔اور یہ اپنا ٹھکانہ ایسی جگہ بناتا ہے جہاں آگ ہروقت جلتی رہتی ہو'' (ترجمہ حیاۃ الحیوان، ص ۲۴۰)۔

علامہ مجدالدین فیروزآبادی لکھتے ہیں

السرفوت دوییة کسام ابرص تتولد فی کور الزجاجین ، لا تزال حیة ما دامت النار مضطرمة فاذا خمدت ماتت (القاموس المحیط، ص ۲٤۹)۔ ''سرفوت'' ایک چھپکلی جیسا جانور ہے جو شیشہ گروں کی بھٹی میں پیدا ہوتا ہے۔جب تک آگ جلتی رہتی ہے وہ زندہ رہتا ہے اور جب

آگ بجھ جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے۔(القاموس المحیط ، ص ۲۴۹)۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں ایک نہیں بلکہ مندرجہ ذیل تین جانور ایسے ہیں جو آگ میں رہتے ہیں اور آگ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ آگ ان کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔

(۱) اگن چڑیا یا سمندر : آتشی چوہا

(۲) سمندیا سمندل یا سندل : ایک پردار جانور جو ہندوستان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

(۳) سرفوت : چھپکلی یا گرگٹ جیسا کیڑا جو شیشہ گروں کی بھٹی میں پایا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس دنیا میں بھی تین جاندار ایسے ہیں جو آگ میں رہتے ہیں اور آگ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ وہ زندہ ہی آگ میں رہتے ہیں اور انہیں آگ سے نکالو تو مر جاتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

پس معلوم ہوا کہ نہ تو البانی صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ صحیح بخاری کی

مندرجہ بالا روایت شاذ ہے اور نہ ہی احادیث میں کوئی تضاد ہے۔ یہ صرف البانی صاحب کی سمجھ کا قصور ہے۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ (شادی سے پہلے) مجھے تمہاری صورت دو (یا تین) مرتبہ خواب میں دکھائی گئی۔ فرشتہ تمہیں سفید ریشم میں ملبوس لے کر آتا اور کہتا یہ آپ کی (ہونے والی) بیوی ہیں۔ البانی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

و لقد كدت ان اقول بشذوذها لولا انی وجدت لها شاهداً من طريق ابن ابی مليكة عن عائشة اخرجه ابن حبان وغيره بسند صحيح۔(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ض ۷، ص ۱۷۱۵)۔

" میں اس روایت کو شاذ کہنے ہی والا تھا اگر مجھے اس کا ایک شاہد نہ ملتا جسے ابن حبان وغیرہ نے ابن ابی ملیکہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، ج۷، ص۱۷۱۵)۔

اسے کہتے ہیں الٹی گنگا بہانا۔ دنیا تو صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایات کو دوسری کتابوں کی احادیث کے لئے باعث تقویت سمجھتی ہے لیکن البانی صاحب صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کی صحت کو ابن حبان کی روایت کا محتاج قرار دے رہے ہیں۔ فیاللعجب!

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ البانی صاحب صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو ضعیف قرار دینے پر کس قدر مستعد اور تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ انہیں ذرا سا کوئی بہانہ مل جائے اور وہ صحیحین کی حدیث کو ضعیف قرار دے دیں۔ اور جب انہیں کسی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں ملتی تو ایسے موقع پر اس روایت کو فوراً بلا تامل شاذ کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔

تیسری بات جو اس سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ البانی صاحب کو یہی نہیں معلوم کہ شاذ روایت کسے کہتے ہیں۔ ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں

شاذ روایت کی بحث

سیدنا امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

لیس الشاذ من الحدیث ان یروی الثقة ما لا یروی غیره، انما الشاذ ان یروی الثقة حدیثاً یخالف ما روی الناس (مقدمة ابن الصلاح ص ٦١ و الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص ٦٥)۔

اگر کوئی راوی ایسی بات بیان کرے جو دوسرے راوی نہیں بیان کرتے تو وہ حدیث شاذ نہیں۔ شاذ تو وہ حدیث ہے جس میں کوئی ثقہ راوی دوسرے (ثقہ) لوگوں کے خلاف بیان کرے (مقدمہ ابن الصلاح ص ٦١)۔

و زیادة راویهما ای الحسن و الصحیح مقبولة ما لم تقع منافیة لروایة من هو اوثق ممن لم یذکر تلك الزیادة۔(نزهة النظرفی توضیح نخبة الفکر ص ٣٩)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

يفسرون الشذوذ بمخالفة الثقة من هو اوثق منه (نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر مطبوعه میرمحمد کتب خانه کراچی۔ ٤٠)۔

محدثین'' شذوذ '' کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ کوئی ''ثقہ'' راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔(نزھۃ النظر ص ۴۰)۔

شاذ روایت پر بحث کرنے کے بعد حافظ صاحبؒ اپنا فیصلہ اس طرح صادر کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں۔

ان الشاذ ما رواه المقبول مخالفا لمن هو اولیٰ منه و هذا هو المعتمد فی تعریف الشاذ بحسب الاصطلاح (ایضاً ص ٤٢)۔

بے شک شاذ روایت وہ ہے کہ کوئی مقبول راوی اپنے سے بہتر راوی کے خلاف بیان کرے اور(اصول حدیث کی)اصطلاح کے مطابق شاذ کی یہی تعریف معتمد ہے۔(نزہۃ النظر ص۴۲)۔

المختصر جب ایک ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں سے زیادہ ثقہ وہ کونسا راوی ہے جس کی مخالفت کی وجہ سے صحیحین کی روایت شاذ قرار دی جا سکے۔کیا صحیحین کے راویوں سے زیادہ بھی کوئی اور راوی ثقہ ہوسکتا ہے؟

البانی کا صحیح بخاری و صحیح مسلم کی توہین کرنا

مندرجہ بالا معروضات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ البانی صاحب کے نزدیک صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کیا وقعت ہے۔لیکن اگر کسی کو اس بارے میں اب بھی کوئی شک ہو تو ہم البانی صاحب کی وہ عبارت بھی یہاں نقل کر دیتے ہیں جس میں البانی صاحب نے صحیحین کی عظمتِ شان کے خلاف اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کر دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

هذا الشذوذ فی هذا الحدیث مثال من عشرات الامثلة التی تدل علی جهل بعض الناشئین الذین یتعصبون لصحیح البخاری و کذا لصحیح مسلم تعصبا اعمیٰ و یقطعون بان کل ما فیهما صحیح۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج ٦، ص ٩٣)۔

یعنی کچھ لوگ صحیح بخاری وصحیح مسلم کے لئے ''اندھا تعصب'' رکھتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ان دو کتابوں میں جو کچھ ہے وہ سب صحیح ہے۔ یہ ان لوگوں کا جہل ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج٦، ص ٩٣)۔گویا البانی صاحب کے نزدیک جو لوگ صحیحین کی تمام احادیث کی صحت کے قائل ہیں وہ سب جاہل ہیں۔معاذ اللہ

اب اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے؟۔اب البانی صاحب میں اور مقلدین اور منکرین حدیث میں کیا فرق رہ گیا؟۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ صحیح بخاری کی احادیث کو صحیح کہنے والوں میں امام نسائیؒ، امام عقیلیؒ، امام ابوعبداللہ حُمیدیؒ، امام ابواسحٰق اسفرائنیؒ، امام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن کثیرؒ، امام الحرمینؒ، علامہ معین سندیؒ، علامہ ابن خلدون، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ، نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ، علامہ انور شاہ کشمیری، احمد محمد شاکر، عبدالرؤف رحمانی، زبیر علی زئی اور دیگر بہت سے ائمہ اور علماء شامل ہیں لیکن اللہ کی شان کہ البانی کے نزدیک معاذ اللہ یہ سب کے سب جاہل ہیں۔

صحیح بخاری کی توہین کرنے والے کی سزا

البانی نے صحیحین کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب میں خود نہیں دوں گا بلکہ اس کا جواب میں مختلف مسالک کے بزرگان دین سے دلواتا ہوں۔

مہ قسطلانیؒ صحیح بخاری کے متعلق لکھتے ہیں

و اما تاليفه فانها سارت مسير الشمس و دارت فی الدنيا فما جحد فضلها الا الذی يتخبطه الشيطان من المس

یعنی صحیح بخاری کی روشنی اور فیض آفتاب کی طرح عالمگیر ہے۔اور اس جلیل الشان کتاب کی عظمت وفضیلت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جس کو شیطان نے چھوکر خبطی بنادیا ہو۔(ارشاد الساری)۔

ظاہر ہے کہ جو شخص کبھی سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں گستاخی کرے۔ کبھی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے اوپر تعصب کا الزام لگائے، حافظ ابن قیم کو بدعتی کہے اور دوسرے علماء اور جمہور کے خلاف زبان درازی کرے، وہ خبطی ہی ہوسکتا ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں

و انما يفترق الصحيحان و غيرهما فى كون ما فيهما لا يحتاج الى النظر فيه بل يجب العمل به مطلقاً و ما كان فى غيرهما لا يعمل به حتى ينظر و توجد فيه شروط الصحيح (مقدمه شرح مسلم)۔

صحیحین اور دوسری کتابوں میں یہ فرق ہے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں ان میں غور وفکر کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ان پر مطلقاً عمل واجب ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو احادیث ہیں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا جب تک ان پر غور نہ کیا جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ ان میں صحت کی شرائط موجود ہیں۔ (مقدمہ شرح مسلم)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

و اعلم ان ما كان من الاحاديث فى الصحيحين او فى احدهما جاز الاحتجاج به من دون بحث لانهما التزما الصحة و تلقت ما فيهما الامة بالقبول (نيل الاوطار، ج ۱، ص ۱۲)۔

یہ جان لینا چاہئے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں یا ان میں سے کسی ایک کتاب میں ہیں ان احادیث سے احتجاج و استدلال میں کسی بحث و استدلال کی علا ضرورت نہیں کیونکہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے صحت کا التزام کیا ہے اور امت نے ان کی کتابوں کو قبولیت بخشی ہے۔ (نیل الاوطار، ج۱، ص ۱۲)۔

علامہ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں " جو شخص ان کتابوں کو برا کہتا ہے اور توہین کرتا ہے گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ شخص فاسق، مرتد بلکہ کافر اور ملعون حق تعالیٰ کا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، ص ۱۸۴)۔

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں

هما اصح الكتب و من يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير

سبيل المؤمنين و هذا صحف الفحول تنطق بذلك

یعنی صحیح بخاری وصحیح مسلم صحیح ترین کتابیں ہیں، ان کے مرتبے کو کم کرنے والا بدعتی ہے اور مومنین کے راستے سے خارج ہے۔ تمام ائمہ واکابر نے اپنی تصنیفات میں اس کی صراحت کی ہے۔ (السراج الوہاج)۔

اس بارے میں اور علماء کے بھی اقوال ہیں لیکن طوالت سے بچتے ہوئے سب سے آخر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فیصلہ نقل کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں

اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون علىٰ ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و انهما متواتران الى مصنفيهما و انه كل من يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين ۔

یعنی تمام محدثین کرامؒ کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں جو متصل مرفوع احادیث ہیں وہ تمام کی تمام قطعی طور پر صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک متواتر ہیں۔ اور بے شک جو شخص بھی ان کتابوں کے مرتبے کو کم سمجھے گا تو وہ شخص بدعتی ہے اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے والا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ)۔

علامہ عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری لکھتے ہیں

''امام مسلمؒ، امام بخاریؒ کو ''یا استاذ الاستاذین ویا سید المحدثین'' سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' لا يبغضك الا حاسد و اشهد انه ليس فى الدنيا مثلك '' یعنی اے سب کے استاد اور تمام محدثین کے سردار آپ سے دشمنی اور بغض وہی رکھے گا جس کو آپ کے کمال علم وفضل اور وسعت ضبط وحفظ پر آپ سے حسد وعناد ہوگا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامؒ یا ان کی جامع بخاری کی تخفیف وتوہین ایک حاسد کا کام ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے بھی حسد کیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قرآن حکیم نے بلاء حاسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔﴿ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ اس لئے ہم بھی ایسے حاسدین سے پناہ مانگتے ہیں''۔ (نصرۃ الباری ص ۲۲۷)۔

''محدث ابوعمر وخفاف رحمہ اللہ نے فرمایا

لم ار مثل محمد بن اسمٰعيل و من قال فيه شيئاً فعليه منى الف

لعنة۔ یعنی میں نے محدثین میں محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ کی مانند کسی کو نہیں دیکھا اور جو شخص ان کے خلاف شان کچھ کہے گا اس پر میری طرف سے ہزار بار لعنت ہے‘‘۔(نصرۃ الباری، ص ۲۲۸)۔

میں اس پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ جو شخص اس کے ساتھ ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ مطہرہ حبیبۃ حبیب اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں ذرا سی بھی گستاخی کرے اس پر بھی بے شمار لعنتیں ہوں۔

علامہ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری لکھتے ہیں۔

’’اس فتویٰ میں بھی چند القاب وخطاب امام بخاری رحمہ اللہ و صحیح بخاری کی توہین کرنے والوں کو عنایت ہوتے ہیں۔اس میں صرف حق تعالیٰ کا ملعون ہونا لکھا ہے اور صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدعتی پر حق تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت پڑی ہے۔وہ جامع صحیح بخاری جس کی صحت پر تمام علمائے محققین ومحدثین کا اجماع واتفاق ہے اس کی صحت کو مشتبہ ٹھہرانا، اس کی صحت سے انکار کرنا اور اس طرح کہنا کہ ’’وہ صحیح بخاری جس کی نسبت اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا جملہ کہا گیا ہے، حدیث میں کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں‘‘۔سرتاسر جامع صحیح بخاری کی تخفیف و توہین ہے، محدثین کے فیصلۂ صحت کی توہین ہے، اجماعِ امت کی توہین ہے، کیونکہ توہین اسی امر کا تو نام ہے کہ جو عیب کسی میں نہ ہو وہ عیب اس میں نکالا جائے۔تو جب صحیح بخاری میں عدم صحت کا عیب اور نقص نہیں ہے، پھر اس میں اس عیب کا نکالنا اور اس کی عدم صحت کے درپے ہونا اس کی بلاشبہ توہین ہے۔توہین کی سزا میرے لفظوں میں نہیں بلکہ امام مسلمؒ، شاہ ولی اللہؒ، رشید احمد گنگوہی کی رائے میں جو کچھ ہے وہ میں نے ان صفحات پر بڑے اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ فھل من مدکر؟‘‘۔(نصرۃ الباری، ص۲۲۹۔۲۳۰)۔

اہلحدیث کے عالم زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔

’’صحیح بخاری میں سند متصل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہیں وہ ساری کی ساری یقیناً صحیح ہیں۔ان میں سے ایک بھی ضعیف

نہیں۔اصول حدیث کی کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر صحیح بخاری میں کوئی ضعیف روایت ہو تو میری بیوی پر طلاق ہے۔تو ایسے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ساری دنیا کے منکرین حدیث کو میرا یہ چیلنج ہے کہ صحیح بخاری کے اصول میں سے صرف ایک ضعیف حدیث ثابت کرنے کی کوشش کر لیں،ان شاءاللہ اپنی کوشش میں منکرین حدیث کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔و لو كان بعضهم لبعض ظهيراً "(صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ،ص۱۲۰)

2 جن احادیث کو دیگر ائمہ ضعیف کہتے ہیں ان کو صحیح کہنا

(ا) شب برات کی فضیلت کی حدیث

شب برات (پندرہ شعبان کی رات) کی فضیلت میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں محدثین کے نزدیک ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں۔قاضی ابو بکر ابن العربیؒ لکھتے ہیں۔

و ليس فى ليلة النصف من شعبان حديث يُعوَّل عليه لا فى فضلها و لا فى نسخ الآجال فيها فلا تلتفتوا اليها (احكام القرآن ٤۔ ١٦٩٠)۔

پندرہ شعبان کی رات کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے، نہ اس رات کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اس رات میں (آئندہ سال میں) مرنے والوں کے نام لکھے جانے کے بارے میں۔پس اس (رات) کی طرف بالکل توجہ نہ کرو (احکام القرآن ۱۶۹۰/۴)۔

علامہ ابن دحیہؒ کہتے ہیں کہ پندرہ شعبان کی رات (شب برات) کی فضیلت میں جو احادیث مروی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں چند احادیث مروی ہیں لیکن بقول علامہ ابن دحیہ سب ضعیف ہیں۔اس مہینے میں پندرھویں رات کی یا اس کے علاوہ کسی اور رات کی عبادت کے سلسلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔پندرھویں

رات کی عبادت کے سلسلے میں جو حدیث مروی ہے وہ موضوع ہے۔اس رات کو قبرستان جانا بھی ثابت نہیں۔شعبان کے مہینے میں روزوں کے علاوہ اور تمام باتیں من گھڑت ہیں۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں کہ اس ماہ میں آئندہ سال مرنے والوں کے نام لکھ کر ملک الموت کو دے دیئے جاتے ہیں''۔(منہاج المسلمین، ص ۳۷۸)

الشیخ القاسمی ''اصلاح المساجد'' میں اہل جرح وتعدیل سے نقل کرتے ہیں کہ پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔یہی بات شیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی کہی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

و قد ورد فی فضلها احادیث ضعیفة لا یجوز الاعتماد علیها، اما ما ورد فی فضل الصلاة فیهافکله موضوع کما نبه علی ذلك کثیر من اهل العلم و ورد فیها آثار عن بعض السلف من اهل الشام وغیرهم والذی علیه جمهور العلماء ان الاحتفال بها بدعة وان الاحادیث الواردة فی فضلها کلها ضعیفة و بعضها موضوعة-------- و قال الامام ابو بکر الطرطوشی فی کتابه (البدع) ما نصه " و روی ابن وضاح عن زید بن اسلم قال ما ادرکنا احداً من مشیختنا و لا فقهائنا یلتفتون الی النصف من شعبان و لا یلتفتون الی حدیث مکحول و لا یرون لها فضلاً علی ما سواها و قیل لابن ابی ملیکة ان زیاداً النمیری یقول ان اجر لیلة النصف من شعبان کاجر لیلة القد رفقال لو سمعته و بیدی عصا لضربته"۔

''پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں ضعیف احادیث وارد ہوئی ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔اور اس رات کو نماز پڑھنے کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں جیسا کہ بہت سارے اہل علم نے اس پر متنبہ کیا ہے۔اور اس بارے میں شام وغیرہ کے بعض سلف سے کچھ آثار وارد ہوئے ہیں۔لیکن جمہور علماء یہی کہتے ہیں کہ اس رات کو جلسے کرنا بدعت ہے۔ اور جو احادیث اس (رات) کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ان میں سے بعض موضوع ہیں۔اور امام ابوبکر طرطوشی نے اپنی کتاب (البدع)

میں لکھا ہے کہ زید بن اسلم نے کہا ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو پندرہ شعبان کی رات کی طرف توجہ کرتے ہوئے نہیں پایا اور نہ مکحول کی روایت کی طرف۔ اور نہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس رات کو دوسری راتوں پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اور ابن ابی ملیکہؒ سے کہا گیا کہ زیاد نمیری کہتا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا شبِ قدر کا ثواب ہے تو انہوں نے فرمایا اگر میں نے اس سے یہ بات سنی اور میرے ہاتھ میں (اُس وقت) عصا (لاٹھی) ہوئی تو میں اس کو (لاٹھی سے) ماروں گا۔

علامہ یوسف بنّوری لکھتے ہیں

''پندرھویں شعبان کی رات کی فضیلت کے بارے میں مجھے کوئی متصل سند والی مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملی''۔ (معارف السنن ۵، ص ۴۱۹)۔

اہلحدیث عالم حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں

''خلاصۃ التحقیق۔ پندرہ شعبان والی کوئی روایت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت نہیں۔ محدث کبیر شیخ البانی نے پندرہ شعبان والی روایت کو تعددِ طرق کی وجہ سے ''صحیح'' قرار دیا ہے حالانکہ یہ روایت صحیح لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی۔ اس کی ایک سند بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں تو یہ کس طرح صحیح بن گئی''۔ (مقالات تحقیقی اصلاحی اور علمی، ج ۱، ص ۲۹۹ و ۳۰۰)۔

آگے لکھتے ہیں۔

''خلاصہ یہ کہ نصف شعبان والی روایت ضعیف ہی ہے''۔ (حوالہ مذکور، ج ۱، ص ۳۰۰)۔

لیکن ان سب علماء کے برعکس البانی صاحب شب برات کی فضیلت والی حدیث کو حسن بھی نہیں بلکہ صحیح کہنے پر مصر ہیں۔ دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج ۳، ص ۱۳۵، رقم ۱۱۴۴۔

(۲) حوأب کے کتوں کے بھونکنے کی حدیث

عن قیس ابن ابی حا زم قال لما اقبلت عائشةؓ بلغت میاه بنی عامر لیلاً نبحت الکلاب ، قالت ای ماء هذا؟۔قالوا ماء الحوأب، قالت ما اظننی الا انی راجعة، فقال بعض من معها [فقال لها الزبیرؓ] [مهلاً

يرحمك الله] بل تقدمين فيراك المسلمون فيصلح الله عز و جل [بك] ذات بينهم [عسى الله ان يصلح بك بين الناس]، قالت [ما اظننی الا راجعة۔ابن حبان] انی سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول لنا ذات يوم "كيف باحداكن تنبح عليها كلاب الحوأب" رواه احمد وابن حبان و الحاكم و ابو يعلى والبزار

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب رات کو بنو عامر کے کنوؤں پر پہنچیں تو کتے بھونکنے لگے۔ جناب سیدہؓ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے۔لوگوں نے کہا کہ یہ حوأب ہے۔آپؓ نے فرمایا میرا خیال تو یہ ہے کہ میں واپس ہو جاؤں۔حضرت زبیرؓ جو آپؓ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔آپ آگے چلئے۔ہوسکتا ہے کہ مسلمین آپ کو دیکھیں اور آپ کی وجہ سے ان میں صلح ہو جائے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا میں تو واپس ہی جانا چاہتی ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم (ازواج مطہرات) سے فرمایا تھا" تم میں سے ایک کے ساتھ کیسا ہوگا۔حوأب کے کتے اس پر بھونکیں گے۔

(مسند امام احمدؒ ۲۳۷۳۳ و ۲۴۱۳۳، ابن حبان ۶۷۳۲، حاکم ۴۶۷۱، ابو یعلی ۴۸۶۸، بزار ۳۲۷۵)۔

مندرجہ بالا واقعے کا راوی قیس بن ابی حازم ہے۔یہ اگرچہ صحیح بخاری کا راوی ہے لیکن امام یحیی بن سعیدؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ یعقوب السدوسی نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے اس میں کلام کیا ہے اور اس کی روایات منکر ہیں۔ اور اسمٰعیل بن ابی خالد نے کہا کہ وہ ثبت تھا۔پھر وہ بہت بوڑھا ہو گیا حتی کہ اس کی عمر سو سال سے بھی کافی زیادہ ہوگئی اور وہ سٹھیا گیا اور فاسد العقل ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

قال ابن المديني قال لي يحيى ابن سعيد قيس بن ابی حازم منكر الحديث ثم ذكر له يحيى احاديث مناكير منها حديث كلاب الحوأب (تهذيب التهذيب، ج ٤، ص ٥٦٢)۔

امام علی بن مدینیؒ (امام بخاریؒ کے استاد) فرماتے ہیں مجھ سے امام یحییٰ بن سعیدؒ نے فرمایا کی قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ہے۔پھر آپؒ نے قیس کی منکر

روایات بیان فرمائیں اوران میں حواَب کے کتوں کی حدیث بھی تھی۔(تہذیب التہذیب، ج۴،ص ۵۶۲)۔

مطلب یہ کہ قیس بن ابی حازم منکرالحدیث ہے اور اس کی بیان کردہ حواَب کے کتوں والی حدیث تو خاص طور پر بالکل منکر اور نا قابل اعتبار ہے لیکن البانی صاحب حواَب کے کتوں والی حدیث کو صحیح ثابت کرنے پر بضد ہیں۔

اس روایت کے نا قابل اعتبار ہونے کی ایک اوروجہ یہ بھی ہے کہ قیس بن ابی حازم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے جبکہ وقوعہ کے وقت وہ خود وہاں موجود نہ تھا۔ محض سنی سنائی بات بیان کرر ہاہے۔امام علی بن مدینیؒ سے پوچھا گیا شھدالجمل؟ کیا قیس واقعہ جمل کے موقع پر موجود تھا؟ توامام صاحب نے فرمایا ''نہیں''۔ (العلل ص۵۰)۔

اس روایت کے نا قابل اعتبار ہونے کی ایک اوروجہ یہ بھی ہے کہ قیس کی یہ عادت ہے کہ جن لوگوں سے اس نے سنا نہیں یا جن سے وہ ملا ہی نہیں ان سے بھی روایت کرتا ہے۔ مثلاً یہ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتا ہے جبکہ ان سے اس نے کچھ نہیں سنا۔ حضرت سلمانؓ سے روایت کرتا ہے حالانکہ ان سے بھی اس نے نہیں سنا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کرتا ہے۔ان سے بھی معلوم نہیں اس نے سنا ہے یا نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سےؓ روایت کا معاملہ بھی مشکوک ہے۔ جبکہ یہ حضرت بلالؓ سے بھی روایت کرتا ہے حالانکہ ان سے تو یہ ملا ہی نہیں۔(تہذیب التہذیب، ج۴،ص۵۶۱)۔

ایک ایسے نا قابل اعتبار راوی کی روایت کی بنا پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھالنے پر البانی صاحب کو کچھ تو شرم آنی چاہئے تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے مختصر فضائل

وہ عائشہ صدیقہؓ جن کی پاکیزگی کی گواہی خود علام الغیوب جل جلالہ نے دی۔ وہ عائشہ صدیقہؓ جن کی براءت میں قرآن مجید نازل ہوا۔ وہ عائشہ صدیقہؓ جن کو ''طیبہ'' کا خطاب علام الغیوب نے عطا فرمایا (النور۲۶)۔ وہ عائشہ

صدیقہؓ جن کی پیدائش اور پرورش خالص اسلامی ماحول میں اور افضل الامت کے گھر میں ہوئی۔ وہ عائشہ صدیقہؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زوجیت کے لئے خود منتخب فرمایا(صحیح بخاری ۵۱۲۵، صحیح مسلم ۶۲۸۵)۔وہ عائشہ صدیقہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں(صحیح بخاری ۴۳۵۸، صحیح مسلم ۶۱۷۷)۔وہ عائشہ صدیقہؓ جن سے محبت کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے(صحیح مسلم ۶۲۹۰)۔وہ عائشہ صدیقہؓ جن کے لحاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی(صحیح بخاری ۳۷۷۵)۔وہ عائشہ صدیقہ جو اس دنیا میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور آخرت میں بھی۔(صحیح بخاری ۳۷۷۲)۔اور وہ عائشہ صدیقہؓ جو افضل النساء ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں صرف دو کامل ہوئی ہیں۔مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون۔اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اسی طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر''۔(صحیح بخاری ۳۷۶۹، صحیح مسلم ۶۲۷۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تمام عورتوں پر فضیلت کی حدیث صحیحین میں حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے(صحیح بخاری ۳۷۷۰، صحیح مسلم ۶۳۰۰)۔

صحیح بخاری کے راویوں کے متعلق ضروری وضاحت

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قیس بن ابی حازم تو صحیح بخاری کا راوی ہے پھر اس پر جرح کیسی اور اس کی روایت نا قابل اعتبار کیوں۔اس کے دو جواب ہیں۔

اول یہ کہ سیدنا امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں چند ضعیف راویوں سے بھی روایت کیا ہے۔لیکن امام بخاریؒ یہ خوب جانتے تھے کہ ان راویوں کی کونسی روایتیں صحیح ہیں اور کونسی نہیں۔کسی دوسرے کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں۔اسی لئے کسی ضعیف راوی کی کوئی روایت اگر صحیح بخاری میں ہے تو وہ صحیح مانی جائے گی۔لیکن اگر

اسی راوی کی روایت کسی دوسری کتاب میں ہے تو وہ صحیح نہیں مانی جائے گی۔ مثلاً ایک راوی ہے اسمٰعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ۔ اس کے متعلق علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں۔

ولا یحتج به اذا انفرد الا فی حدیث البخاری (قانون الموضوعات و الضعفاء، ص ۲٤۰)۔

یعنی اگر کسی حدیث کو بیان کرنے میں وہ اکیلا ہے تو اس سے حجت نہیں لی جائے گی مگر صحیح بخاری کی حدیث میں۔ (قانون الموضوعات والضعفاء، ۲۴۰)۔

یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

لا یحتج بشیء من حدیثه غیر ما فی الصحیح

اس کی کسی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی سوائے ان احادیث کے جو صحیح بخاری میں ہوں۔ (ہدی الساری ص ۴۱۰)۔

علامہ محمد غیاث الصباغ لکھتے ہیں۔

لا یلزم من کون الراوی محتجا به فی الصحیح انه اذا وجد فی ای حدیث کان ذلك الحدیث علی شرطه لما بیناه (التعلیق علی نزهة النظر ص ۳۹)۔

کسی راوی سے اگر صحیح میں حجت لی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری حدیث میں اگر وہی راوی ہے تو وہ حدیث صحیح بخاری کی شرط پر ہوگی۔ (التعلیق علیٰ نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۳۹)۔

سند صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں

اگر ہم قیس بن ابی حازم کو ثقہ مان کر اس روایت کی سند کو صحیح تسلیم کر لیں تب بھی اس روایت کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اصولِ حدیث میں یہ مسلّم ہے کہ سند صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

والحکم بالصحة او الحسن علی الاسناد لا یلزم منه الحکم بذلك علی المتن۔ (الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث)۔

یعنی کسی روایت کی سند کو صحیح یا حسن کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا متن بھی صحیح یا حسن ہو۔ (الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص ۵۲)

حافظ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں

و قد یکون الاسناد کله ثقات و یکون الحدیث موضوعاً

(کتاب الموضوعات، ج ۱، ص ۹۹)

یعنی بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہونے کے باوجود وہ حدیث موضوع ہوتی ہے۔ (کتاب الموضوعات، ج ۱، ص ۹۹)۔

مشہور اہلحدیث عالم علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں۔

و من المعلوم ان صحة السند لا تستلزم صحة المتن (ابکار المنن ص ۲۱۰)

یہ امر معلوم ہے کہ سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں (ابکار المنن، ص ۲۱۰)۔

اس حدیث کی ایک اور سند

اس واقعے کی ایک سند اور بھی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم لنسائه لیت شعری ایتکن صاحبة الجمل الادبب تخرج فینبحها کلاب الحواب یقتل عن یمینها و عن یسارها قتلی کثیرثم تنجو بعد ما کادت قال الهیثمی رواه البزار و رجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۳۳۷، رقم ۱۲۰۲٦)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے فرمایا کاش مجھے معلوم ہو کہ تم میں سے بہت زیادہ بالوں والے اونٹ والی کون ہے۔ وہ نکلے گی تو اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اس کے دائیں اور بائیں بہت لوگ قتل ہوں گے۔ پھر وہ غم کی حالت میں اس سے نجات پائے گی'' (بزار)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج

۷،ص۳۳۷،رقم ۱۲۰۲۶)۔

راوی ثقہ ہونے سے روایت کا صحیح ہونا ضروری نہیں

(''رواۃ ثقات'' کی بحث)

جیسا اوپر بیان کیا گیا حافظ ہیثمیؒ نے اس روایت کو صحیح نہیں کہا بلکہ اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ راویوں کو ثقہ کہنے کے بارے میں ناصر الدین البانی صاحب کیا کہتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں۔

لان کون رجال الاسناد ثقاتاً لیس ھو کل ما یجب تحققه فی السند حتی یکون صحیحاً بل ھو شرط من الشروط الاساسیة فی ذلك بل ان تتبعی لکلمات الائمة فی الکلام علی الاحادیث قد دلنی علیٰ ان قول احدھم فی حدیثٍ ما " رجال اسناده ثقات" یدل علیٰ ان الاسناد غیر صحیح ، بل فیه علة و لذلك لم یصححه و انما صرح بان رجاله ثقات فقط، فتامل (سلسلة الاحادیث الضعیفة، ج ۳، ص ۳۱۷)۔

کسی سند کے راویوں کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لئے کافی نہیں۔ہاں یہ صحت کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط ضرور ہے۔اور ائمہ نے احادیث پر جو کلام کئے ہیں ان کا تتبع کرنے سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب کوئی امام کسی حدیث کے متعلق کہتا ہے ''اس کے راوی ثقہ ہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں۔اس میں کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے اسی لئے امام نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا بلکہ صرف اس کے راویوں کو ثقہ کہنے پر اکتفاء کیا۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ج۳، ص ۳۱۷)۔

البانی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

و ھذا لا یستلزم التصحیح بل فیه اشا رة الی نفیه و الا لصرح بصحة سنده و لم یقتصر علی ذکر شرط من شروط الصحة و ھو کون رجاله رجال الصحیح ۔(ساسلة الاحادیث الضعیفة، ج ۳، ص ۳۲۳)

یعنی اگر کسی حدیث کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تب بھی اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں بلکہ (اس کے برعکس) اس

میں اس حدیث کی صحت کی نفی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ورنہ اگر حدیث صحیح ہوتی تو (راویوں کو صحیح بخاری کے راوی کہنے کی بجائے) صاف صاف یہ کہا جاتا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحت حدیث کی متعدد شرائط میں سے صرف ایک شرط پر اقتصار نہ کرتے۔ یعنی اس کے راویوں کا صحیح بخاری کے راوی ہونا۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ج ۳، ص ۳۲۳)۔

البانی صاحب نے خود تسلیم کر لیا کہ اگر محدثین کسی روایت کے متعلق کہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت صحیح نہیں۔ اسی اصول کے تحت حوأب کے کتوں والی حدیث کو اس کے تمام راوی ثقہ ہونے کے باوجود بھی بآسانی موضوع کہا جا سکتا تھا لیکن البانی صاحب کے پیش نظر کیا مصلحت تھی کہ وہ راویوں کے ضعیف ہونے کے باوجود بھی اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے پر اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معاذ اللہ قصوروار ٹھہرانے پر بضدر رہے۔ واللہ اعلم

حتمی فیصلہ

یہ روایت واقعی ضعیف ہے۔ اسے امام ابو حاتمؒ اور امام ابو زرعہؒ نے منکر کہا ہے۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں۔

لم يرو هذا الحديث غير عصام وهو حديث منكر لا يروى من طريق غيره (علل لابن ابى حاتم ۵۹۰/۶، ح ۲۷۸۷)۔

اس حدیث کو عصام بن قدامہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ حدیث منکر ہے۔ کسی اور طریق سے روایت ہی نہیں ہوئی۔ (علل لابن ابی حاتم)

قاضی ابوبکر بن العربیؒ لکھتے ہیں۔

و اما الذى ذكرتم من الشهادة على ماء الحواب فقد بؤتم فى ذكرها باعظم حرب ، ما كان شيء مما ذكرتم، ولا قال النبى صلى الله عليه و سلم ذلك الحديث ، ولا جرى ذلك الكلام ولا شهد احد بشهادتهم بهذا الباطل و سوف تسئلون ۔

حواب کے پانی پر جس گواہی کا تم نے ذکر کیا ہے اس کی وجہ سے تم بڑی ہلاکت میں پڑ گئے۔ تم نے جو بات ذکر کی ہے ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث (یعنی حواب کے کتوں کے بھونکنے کی حدیث) بیان فرمائی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ کسی نے اس جھوٹی گواہی کا ذکر کیا۔ اور تم سے عنقریب (ان غلط بیانیوں کے بارے میں) سوال کیا جائے گا۔

استاد محبّ الدین الخطیب لکھتے ہیں۔

ان الكلام الذى نسبوه الى النبى صلى اللّٰه عليه و سلم و زعموا ان عائشةؓ ذكرته عند وصولهم الى ذلك الماء ليس له موضع فى دواوين السنة المعتبرة ۔ بے شک جو بات لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے اور جس بات کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ حواب پہنچنے پر وہ بات حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یاد آئی اس کا ذکر حدیث کی معتبر کتابوں میں کہیں نہیں۔

استاد سعید افغانی لکھتے ہیں۔

فى النفس من صحة هذا الحديث شىء و لامر ما اهمله اصحاب الصحاح ، و فى معجم البلدان (مادة حواب) ان صاحبة الخطاب سلمى بنت مالك الفزارية، و كانت سبية وهبت لعائشةؓ و هى المقصودة بخطاب الرسول الذى زعموه و قد ارتدت مع طلحة و قتلت فى حروب الردة، و من العجيب ان يصرف بعض الناس هذه القصة الى السيدة عائشةؓ ارضاء لبعض الاهواء العصبية۔

اس حدیث کی صحت میں کچھ نہ کچھ (گڑبڑ ضرور) ہے۔ ورنہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے اسے اپنی کتابوں میں کیوں نہیں ذکر کیا۔ اور معجم البلدان میں حواب عنوان کے تحت لکھا ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نہیں بلکہ) سلمی بنت مالک فزاریہ سے کہی تھی اور وہ ایک لونڈی تھی جو حضرت عائشہؓ کو ہبہ کی گئی تھی۔ بعد میں وہ (نبوت کے جھوٹے دعوے دار) طلحہ (اسدی) کے ہمراہ مرتد ہو گئی تھی اور مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں ان میں وہ ماری گئی۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بعض (متعصب) لوگ متعصّبانہ

خواہشات پوری کرنے کے لئے اس قصے کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پھیر دیں۔

اوپر والے تینوں اقتباسات خود البانی صاحب نے اپنی کتاب سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج۱، ص ۸۴۹ تا ۸۵۱ پہ نقل کئے ہیں اس لئے ان کی صحت یا ضعف کے متعلق یہاں کچھ بیان کرنے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔

سعودی عرب کی علماء و مشائخ کی ایک کمیٹی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی سیرت پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ ظفر اقبال صاحب نے کیا ہے اور دار المعرفۃ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار نے اسے طبع کیا ہے۔ وہ علماء اور مشائخ اس کتاب میں لکھتے ہیں۔

''حفاظ کی ایک جماعت جیسے یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابن طاہر المقدسیؒ، ابن الجوزیؒ، ابن العربیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے''۔ (سیرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، ص ۶۰۴)۔

شیخ الاسلامؒ کا فیصلہ

اب ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ حواب کے کتوں کے بھونکنے کی روایت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ آپؒ لکھتے ہیں۔

''قیس راوی نے بیان نہیں کیا کہ یہ روایت ان کو کس ذریعے سے پہنچی۔ وہ راوی جس کے ذریعے یہ روایت قیس کو پہنچی مجہول ہے۔ قیس خود اس سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کے ہمرکاب نہیں تھے۔ لہذا یہ روایت باطل ہے۔ امام یحیی بن سعیدؒ نے اس روایت کو قیس کے منکرات میں شمار کیا ہے۔

طبری نے اس روایت کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی اسماعیل فزاری ہے جو غالی شیعہ تھا۔ سلف کو برا بھلا کہتا تھا۔ دوسرا راوی علی بن عابس

منکرات روایت کرتا ہے۔ بقیہ تین راوی ابوالخطاب، صفوان اورعرفی سب مجہول ہیں۔ کتب اسماء الرجال میں عرفی کا حال نہیں ملتا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی ازواج سے فرمایا تھا: تم میں سے کون ادبب کے اونٹ والی ہے۔ اس کے اردگرد بہت لوگ قتل ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جزء۱۵، ص۲۶۵)۔ ابن عباسؓ کو یہ روایت کس طرح پہنچی اس کی وضاحت نہیں ہے۔ الغرض یہ روایت سراسر جھوٹ ہے جو حضرت عائشہؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا: یہ حواب چشمہ نہیں ہے (طبری جزء۳، ص۴۸۵)۔ زہری سے آگے سند نہیں ہے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے قسم کھا کر کہا کہ یہ حواب چشمہ نہیں ہے۔ ان کے ساتھ پچاس آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ حواب چشمہ نہیں ہے (مروج الذہب للمسعودی، جزء۲، ص ۳۵۸)۔ یہ روایت بے سند ہے"۔

آخر میں شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

"الغرض حوأب کا قصہ ایک فرضی کہانی ہے" (واقعۂ جمل اور افسانۂ جمل، ص ۱۲ و ۱۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص میں البانی کی خصوصی دلچسپی

حواب کے کتوں کے بھونکنے والی روایت کو امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام ابوحاتمؒ، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ وغیرہ نے منکر کہا ہے لیکن البانی صاحب نے اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے اور اس سلسلے میں ایسی ایسی

دوراز کار باتیں لکھی ہیں جن کو پڑھ کر بہت افسوس ہوتا ہے اور یہ تاثر مضبوط ہوتا ہے کہ البانی صاحب کی خواہش صرف یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس روایت کو صحیح ثابت کر کے حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطا کار ٹھہرا کر اپنے نفس کی تسکین کی جا سکے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے میں اور سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معاذ اللہ خطا کار ٹھہرانے میں البانی صاحب کو کس درجہ دلچسپی ہے اس کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

قلت و اسناده صحيح جداً رجاله ثقات اثبات من رجال الستة

" میں کہتا ہوں اس کی سند بہت زیادہ صحیح ہے اور اس کے راوی ثقات اور اثبات ہیں، صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں"۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، المجلد الاول، القسم الثانی۔ ص ۸۴۷)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قلت اجمعوا على الاحتجاج به و من تكلم فيه فقد آذى نفسه

"میں کہتا ہوں کہ قیس بن ابی حازم سے احتجاج کرنے پر محدثین کا اجماع ہے اور جس نے اس میں کلام کیا ہے اس نے اپنے آپ کو ہی ایذا پہنچائی ہے" (حوالہ مذکور ص ۸۴۷)۔ یعنی جس نے قیس میں کلام کیا ہے اس نے اپنے ہی کو تکلیف پہنچائی ہے۔ قیس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ قارئین آپ جانتے ہیں یہ بات البانی صاحب کس کے متعلق فرما رہے ہیں۔ امامِ جرح وتعدیل امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کے متعلق، کیونکہ انہوں نے ہی قیس پر کلام کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

البانی صاحب کا یہ دعویٰ کہ قیس بن ابی حازم سے احتجاج کرنے پر محدثین کا اجماع ہے یہ دعویٰ بھی سراسر جھوٹ اور باطل ہے۔

اس کے بعد امام یحییٰ بن سعید القطانؒ نے قیس پر جو جرح فرمائی ہے اس کے متعلق البانی صاحب یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں۔

فهو مردود لانه جرح غير مفسر

یہ جرح مردود ہے کیونکہ یہ غیر مفسر ہے۔(حوالہ مذکور ص ۸۴۸)

میں کہتا ہوں کہ البانی کا قیس پر جرح کو مردود کہنا خود مردود ہے کیونکہ قیس پر جرح غیر مفسر نہیں بلکہ مفسر ہے۔محدثین نے صراحت کی ہے کہ

(۱) اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔اور

(۲) وہ جن لوگوں سے ملا نہیں ان سے بھی روایت کرتا ہے۔

لیکن البانی صاحب کو تو کسی نہ کسی طرح اس حدیث کو صحیح ثابت کرنا ہے۔ چنانچہ وہ سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و علی ھذا فالحدیث من اصح الاحادیث

یہ حدیث صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔(حوالہ مذکور ص ۸۴۸)۔

اس عبارت میں البانی صاحب کے الفاظ ''صحیح ترین'' خاص طور سے قابلِ غور ہیں۔سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دشمنی میں اتنا غلو!۔معاذ اللہ۔

اس حدیث کی دوسری سند کو امام ابو حاتمؒ نے منکر کہا ہے لیکن امام ابو حاتمؒ کی بات بھی البانی صاحب کو قبول نہیں۔وہ لکھتے ہیں۔

فلا وجه عندی لقول ابی حاتم " حدیث منکر"

میرے نزدیک امام ابو حاتمؒ کے اس حدیث کو منکر کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ (حوالہ مذکور ص ۸۵۳)۔

اس کے بعد۔تمام ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال کو رد کرتے ہوئے۔ البانی صاحب لکھتے ہیں۔

و جملة القول ان الحدیث صحیح الاسناد و لا اشکال فی متنه

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے متن میں کوئی بھی اشکال نہیں۔(حوالہ مذکور ص ۸۵۴)۔سبحان اللہ!

لیکن اس حدیث کو صحیح کہنے سے بھی البانی صاحب کو خاطر خواہ تسلی نہیں ہوئی۔ان کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ مطہرہ حبیبۃ حبیب اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاوار ٹھہرائیں۔اور بالآخر انہوں نے اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ ہی ڈالی۔وہ لکھتے ہیں۔

و لا نشك ان خروج ام المؤمنين كان خطأً من اصله

ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ ام المومنین کا خروج ان کی خطا تھی۔(حوالہ مذکور ص ۸۵۴)۔معاذ اللہ!

اتنا لکھنے کے بعد بھی البانی صاحب کی تسلی نہیں ہوئی تو آگے چل کر مزید ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و لا شك ان عائشة رضى الله عنها هى المخطئة لاسباب كثيرة و ادلة واضحه

کوئی شک نہیں کہ اسبابِ کثیرہ اور دلائل واضحہ کی بنیاد پر عائشہ رضی اللہ عنہا ہی خطا کار تھیں۔(حوالہ مذکور، ص ۸۵۴)۔معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

البانی صاحب کو یہ منصب، یہ اختیار کس نے دیا کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ صحابۂ کرامؓ میں کون حق پر تھا اور کون خطا کار تھا؟۔ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔کسی انسان کا نہیں۔ پھر البانی صاحب کو قاضی بننے کا شوق کیوں چرایا؟۔

مشاجراتِ صحابہ کے موضوع پر ایک صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس میں موقع محل کے لحاظ سے تھوڑی سی تبدیلی کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''کیا البانی صاحب کی خود ساختہ عدالت کو اس کیس کی سماعت کا حق حاصل ہے؟۔کیا یہ مقدمہ جس کی تیرہ چودہ سو سال بعد وہ تحقیقاتی رپورٹ مرتب کرنے بیٹھے ہیں ان کے دائرہ اختیار میں آتا ہے؟۔کیا ان کی یہ حیثیت ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مقدمہ نمٹانے بیٹھ جائیں؟۔میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کے مقدمہ کی سماعت ان سے اوپر کی عدالت ہی کر سکتی ہے، اور وہ یا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا خود احکم الحاکمین۔ان کے سوا ایک البانی نہیں، امت کا کوئی فرد بھی اس کا مجاز نہیں کہ وہ قدوسیوں کے اس گروہ کے معاملہ میں مداخلت کرے۔صحابہ کرامؓ کے باہمی معاملات میں آج کے کسی بڑے سے بڑے شخص کا لب کشائی کرنا اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی بھنگی بازار میں عدالت جما کر بیٹھ جائے اور وہ ارکان مملکت کے بارے میں اپنے بے لاگ فیصلے لوگوں کو سنانے لگے۔ایسے موقعوں پر ہی کہا گیا ہے، ایاز قدرِ خویش بشناس''۔(اختلافِ امت، ص ۱۳۳)۔

فارسی کا مشہور مقولہ ہے۔ ''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست''۔ یعنی بزرگوں کی غلطی پکڑنا بھی غلطی ہے۔ معلوم نہیں البانی صاحب کو فارسی آتی تھی یا نہیں اور انہوں نے یہ مقولہ سنا تھا یا نہیں۔ لیکن قرآن مجید میں بھی تو ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرة ١٤١)۔ وہ ایک امت تھی جو گزر گئی۔ ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ (البقرہ: ۱۴۱)۔

صحابۂ کرامؓ کو برا کہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے۔ لا تسبوا اصحابی متفق علیه

میرے اصحاب کو برا نہ کہو۔ (صحیح بخاری ۳۶۷۳، صحیح مسلم ۶۴۸۸)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تسبوا اصحابی، لعن الله من سب اصحابی رواه الطبرانی فی الاوسط و قال الهیثمیؒ رجاله رجال الصحیح غیر علی بن سهل و هو ثقة (مجمع الزوائد، ج ۹، رقم ١٦٤٢٩)۔

میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ جو میرے صحابہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت (طبرانی اوسط)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے علی بن سہل کے اور وہ ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد، ج۹، رقم ۱۶۴۲۹)۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"کسی صحابی کے متعلق کوئی برا لفظ زبان سے نہ نکالے۔(منہاج المسلمین، ص ۵۸)۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔

و سب اهل بيته و ازواجه و اصحابه صلى الله عليه و سلم و تنقصهم حرام ملعون فاعله۔(الشفاء ص ۵۹۸)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیتؓ، آپ کی ازواج مطہراتؓ اور آپ کے اصحاب کو برا کہنا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور جو ایسا کرے وہ ملعون ہے۔(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۔ص ۵۹۸)۔

جب عام اصحاب کو برا کہنے پر اتنی سخت وعید ہے تو پھر سوچئے کہ آپؐ کے اہل بیت اور ازواج مطہرات میں سے بھی آپؐ کی سب سے پیاری اور افضل ترین بیوی، جس کی تعریف میں قرآن مجید نازل ہوا، اس کے متعلق زبان درازی کرنا اور گستاخی کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا اور اس پر کتنی سخت وعید ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ

واقعۂ جمل کے متعلق مزید روایتیں

(۱) مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

ذكر النبى صلى الله عليه و سلم خروج بعض امهات المؤمنين فضحكت عائشةُ فقال " انظرى يا حُمَيراءُ ان لا تكونى انتِ" ثم التفت الىٰ على فقال " اِن وَليتَ من امرها شيئاً فارفُق بها"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امہات المومنین کے خروج کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ آپؐ نے فرمایا "اے حُمیرا۔ دیکھو کہیں تم نہ ہو"۔ پھر آپ حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اگر تم کو اُس بیوی کے معاملے میں کچھ اختیار ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنا"۔(حاکم۔۴۶۶۸)۔

اس حدیث میں نہ تو کسی زوجۂ مطہرہؓ کی نشاندہی کی گئی ہے اور نہ اس میں کتوں کے بھونکنے کا ذکر ہے۔ اس روایت میں ایک راوی عبدالجبار بن الورد ہے

جو اگرچہ ثقہ ہے لیکن تقریب میں ہے "صدوق یھم"۔ ۔سچا ہے لیکن وہمی ہے ۔دوسرا راوی عمار الدہنی ہے جو شیعہ تھا۔(حاشیہ مستدرک حاکم، ج۴،ص ۸۵) شیعہ راوی کی وجہ سے تو یہ روایت بالکل نا قابلِ اعتبار ہے۔

حمیراء نام کے متعلق

مزید یہ کہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں

کل حدیث فیه " یا حمیراء" او ذکر الحمیراء فهو کذب مختلق" (المنار المنیف، ص ٦٠، رقم ٨٩)۔

ہر حدیث جس میں ''یا حمیراء'' کے الفاظ آئے ہیں یا جس میں ''حمیرا'' کا ذکر آیا ہے وہ حدیث جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔(المنار المنیف ،ص٦٠)۔

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں

کان شیخنا حافظ الدنیا ابو الحجاج المزی یقول کل حدیث فیه ذکر الحمیراء باطل الا حدیثاً فی الصوم فی سنن النسائی

ہمارے استاد حافظ ابوالحجاج المزیؒ کہتے تھے کہ ہر حدیث جس میں حمیراء کا ذکر ہے وہ باطل ہے سوائے ایک حدیث کے جو سنن نسائی کی کتاب الصوم میں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

و فی روایة النسائی من طریق ابی سلمة عنها " دخل الحبشة یلعبون فقال لی النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم یا حمیراءَ تحبین ان تنظری الیهم فقلت نعم " اسناده صحیح و لم ار فی حدیث صحیح ذکر الحمیراء الا فی هذا (فتح الباری، ج ٢، ص ٥١٥)۔

نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حبشی لوگ (مسجد میں) کھیل رہے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے حُمیراء۔کیا تم ان کے کھیل دیکھو گی؟''۔میں نے کہا ''جی ہاں''۔حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں میں نے اس حدیث کے علاوہ کسی صحیح حدیث میں حمیراء کا ذکر نہیں دیکھا (فتح الباری)۔

حافظ ابن القیمؒ نے تمام حدیثوں کو جن میں ''حمیراء'' کا ذکر ہے جھوٹی اور من گھڑت (موضوع) کہا تھا۔لیکن حافظ مزیؒ نے نسائی کی ایک حدیث کو اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نسائی ہی کی ایک اور حدیث کو مستثنٰی قرار دیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں سنن نسائی میں مجھے نہیں ملیں۔ یہ غالباً نسائی کی سنن کبریٰ میں ہیں۔

مستدرک حاکم کی حدیث زیر بحث میں بھی چونکہ ''حمیرا'' کا لفظ ہے لہٰذا حافظ مزیؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے بیان کردہ اصول کے مطابق یہ حدیث باطل اور موضوع ہے اگرچہ امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔لیکن امام حاکم کی تصحیح کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ جب تک حافظ ذہبیؒ امام حاکم کی تصحیح کی تائید نہ کریں اُس وقت تک امام حاکم کی تصحیح بالکل قابلِ اعتماد نہیں۔

(۲) عن ابی رافع ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم قال لعلی بن ابی طالب اِنّه سیکون بینك و بین عائشة امر، قال انا یا رسول اللّٰہ؟ قال نعم، قال انا؟ قال نعم، قال فانا اشقاهم یا رسول اللّٰہ ، قال " لا، و لکن اذا کان ذلك فارددها الی مأمنها " رواه احمد ٢٦٦٥٧

حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے فرمایا ''بے شک تمہارے اور عائشہ کے درمیان کچھ واقعہ ہوگا''۔حضرت علیؓ نے کہا ''یارسول اللہ۔کیا وہ میں ہوؤں گا؟''۔آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' حضرت علیؓ نے دوبارہ پوچھا ''کیا میں؟''۔آپؐ نے فرمایا ''ہاں''۔ حضرت علیؓ نے کہا'' یارسول اللہ۔(اگر ایسا ہوا) پھر تو میں سب لوگوں سے زیادہ بدبخت ہوؤں گا''۔آپؐ نے فرمایا ''نہیں۔لیکن جب ایسا ہو تو تم ان کو ان کی امن کی جگہ واپس بھیج دینا''۔(مسند امام احمدؒ، ج ۷۔رقم ۲۶۶۵۷)۔

اول تو یہ حدیث ضعیف ہے۔شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں اس میں ایک راوی فُضیل بن سلیمان نمیری ہے۔عنده مناکیر و هذه منها اس کے پاس منکر روایتیں ہیں اور یہ روایت انہی میں سے ہے۔اس کی سند میں بھی اضطراب ہے۔ (حاشیہ مسند امام احمد بتحقیق شعیب الارنؤوط وغیرہ۔مؤسسۃ الرسالہ۔بیروت۔رقم الحدیث ۲۷۱۹۸)۔

فُضیل بن سلیمان نمیری کے متعلق امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں لیس بثقة ۔ امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں لین الحدیث ۔امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی ۔ امام ساجی فرماتے ہیں کان صدوقاً وعنده مناکیر (تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۵۰۱)۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تب بھی کوئی بات نہیں۔اس حدیث میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مابین ہونے والے کسی ناخوشگوار واقعے کی خبر دی ہے لیکن آپؐ نے قصوروار ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ حضرت علیؓ نے جب کہا کہ پھر تو میں بدبخت ترین انسان ہوؤں گا تو آپؐ نے فرمایا ''نہیں''۔مطلب یہ کہ اس واقعے میں تمہارا قصور یا تمہارا ارادہ شامل نہیں ہوگا بلکہ کچھ شرپسندوں کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ ایسا واقعہ ناگزیر ہو جائے گا۔لہٰذا جب ایسا ہو تو تم عائشہ صدیقہ (کے ساتھ کوئی بے ادبی، گستاخی نہ کرنا بلکہ ان) کو عزت کے ساتھ جائے امن کی طرف پہنچا دینا۔

حافظ ابن کثیرؒ کا بھی یہی کہنا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

و امّا ما شجر بینهم بعده علیه الصلوٰة و السلام فمنه ما وقع عن غیر قصد کیوم الجمل (الباعث الحثیث، ص ۱۷۲)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان میں ایسے بھی تھے جو بغیر ارادے کے واقع ہوئے جیسے جمل کا واقعہ۔(الباعث الحثیث ص ۱۷۲)

مشاجراتِ صحابہؓ میں سلف صالحین کا موقف

البانی صاحب کے برعکس دیکھئے صحابۂ کرامؓ کے مشاجرات کے بارے میں ہمارے سلف صالحین کا طرزِ عمل کیا تھا۔

سیدنا امام ابوحنیفہؒ سے جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا

اخاف ان اقد م علی اللّٰہ تعالیٰ بشیءٍ یسئلنی عنه ولو سکتُّ

لم اسئل عنه بل عما کلفت به فالاشتغال به اولیٰ (الخیرات الحسان ص ۱۱۵)۔و اذا اقامنی یوم القیامة بین یدیه لا یسالنی عن شیءٍ من امورهم ، یسالنی عما کلفنی فالاشتغال به اولی (عقود الجمان)۔

میں اگر اس بارے میں کچھ کہوں تو ڈرتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوؤں گا تو وہ مجھ سے اس گفتگو کے بارے میں باز پرس کرے گا۔اور اگر میں خاموش رہوں گا تو مجھ سے اس بارے میں باز پرس نہ ہوگی۔جب میں قیامت کے روز اللہ کے سامنے کھڑا ہوؤں گا تو وہ مجھ سے ان لوگوں کے معاملات کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔وہ مجھ سے انہی امور کے متعلق سوال کرے گا جن کا اس نے مجھے مکلّف کیا ہے۔پس انہی امور میں مشغول رہنا اولیٰ ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب،وہ پورے حالات کو جانتے تھے،ہم نہیں جانتے۔جس معاملے پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت محاسبی فرماتے ہیں ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو امام حسن بصریؒ نے کہی۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

فسبیلنا الکف والاستغفا ر للصحابة ولا نحب ما شجر بینهم و نعوذ باللّٰه منه (سیر اعلام النبلاء ۳۹/۳)۔

ہمارا راستہ یہ ہے کہ(ان معاملات میں) زبان بند رکھی جائے اور صحابۂ کرام کے لئے استغفار کیا جائے اور ان کے مشاجرات کے بارے میں کچھ کہنا ہم پسند نہیں کرتے۔اور اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اہلحدیث عالم ارشاد الحق اثری نے اپنی کتاب ’’مشاجراتِ صحابہ اور سلف کا موقف‘‘ میں اس موضوع پر مختلف ائمہ وعلماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ان میں سے چند ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں۔

’’(صحابہ کرامؓ) کی شان میں کوئی نازیبا بات نہ کہی جائے اور ان کے

مابین جواختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے''۔

(مشاجرات صحابہ بحوالہ لمعة الاعتقاد الهادی الی سبیل الرشاد)۔

امام ابوالحسن اشعریؒ لکھتے ہیں۔

و یعرفون حق الذین اختارهم الله سبحانه لصحبة نبیه صلی الله علیه و سلم و یاخذون بفضائلهم و یمسکون عما شجر بینهم صغیرهم و کبیرهم (مشاجرات صحابہ،ص ۱۰۰ بحوالہ اعتقاد اہل السنہ ص ۱۲۰)۔

وہ (یعنی سلف صالحین) ان لوگوں کے حق کو پہچانتے ہیں جن کو اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے پسند فرمایا۔ وہ ان کے فضائل کو قبول کرتے ہیں اور ان کے کسی چھوٹے اور بڑے کے درمیان (اگر) کوئی جھگڑا ہوا ہے تو اس کے بارے میں وہ اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں۔

و من اصول اهل السنة و الجماعة سلامة قلوبهم لاصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم --- و یمسکون عما شجر بین الصحابة ۔

اہل سنت کا اصول ہے کہ ان کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے (کسی بھی منفی جذبے سے) سلامتی میں ہوں۔۔۔اور صحابہ کرام کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کے بارے میں وہ خاموشی اختیار کریں''۔

(مشاجرات صحابہ ص ۱۱۶ بحوالہ قطف الثمر فی بیان عقیدة اهل الاثر)

امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور دیگر ہدایت یافتہ ائمہ اور علماء اور سلف صالحین کا بھی یہی موقف ہے کہ صحابۂ کرام کے مشاجرات اور اختلافات کے بارے میں ہم کو سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ اور یہی موقف صحیح ہے اور سلامتی کا ہے۔

تنقیص مزید

البانی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

عن قیس قال قالت عائشة و کانت تحدث نفسهاان تدفن فی بیتها انی احدثت بعد رسول الله ﷺ حدثاً ، ادفنونی مع ازواجه

فدفنت بالبقیع رضی اللہ عنھا، قلت تعنی بالحدث مسیرھا یوم الجمل فانھا ندمت ندامة کلیة ، و تابت من ذلك۔

یعنی قیس کہتے ہیں حضرت عائشہؓ اپنے دل میں کہا کرتی تھیں کہ وہ اپنے گھر میں دفن ہوں گی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک نیا کام کیا ہے۔ اس لئے مجھ کو دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ ہی دفن کرنا۔ پس آپؓ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ البانی کہتے ہیں نئے کام سے حضرت عائشہؓ کی مراد جمل میں جانے سے تھی۔ وہ اس پر کلی طور پر نادم تھیں اور انہوں نے اس سے توبہ کی۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، جلد اول، ص ۸۵۵)۔

اوپر کی عبارت میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) اس حدیث کا راوی بھی وہی قیس بن ابی حازم ہے جس نے حواب کے کتوں کے بھونکنے کی حدیث روایت کی ہے۔

(۲) ان موصوف کے متعلق پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ آخر عمر میں ان کا حافظہ بھی جواب دے گیا تھا۔ اور یہ ان لوگوں سے بھی روایت کیا کرتے تھے جن سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

(۳) یہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے دل میں کہا کرتی تھیں کہ وہ اپنے گھر مین دفن ہوں گی۔ سوال یہ ہے کہ جو بات حضرت صدیقہؓ اپنے دل میں کہا کرتی تھیں اُس بات کی ان صاحب کو کیسے خبر ہو گئی۔

(۴) اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے واقعۂ جمل کی وجہ سے اپنے گھر میں دفن ہونا پسند نہیں فرمایا جبکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپؓ نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اپنے گھر میں دفن ہونا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عروہؒ کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے (اپنے بھانجے) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت فرمائی۔

ادفنّی مع صواحبی [بالبقیع] ولا تَدفِنّی مع النبی ﷺ فی البیت فاِنی اکرہ ان اُزکّٰی [بہ ابداً] رواہ البخاری

مجھ کو میری ساتھنوں کے ساتھ بقیع قبرستان میں دفن کرنا۔ گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں پسند نہیں کرتی کہ اس

وجہ سے میری تعریف کی جائے۔(صحیح بخاری ۷۳۲۷ و ۱۳۹۱)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

هذا منها على سبيل التواضع و هضم النفس

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے برسبیل تواضع وکسرِ نفسی ایسا فرمایا۔(فتح الباری ج۳، ص ۳۰۳)۔

صحیح بخاری کی روایت کتنی صریح ہے۔لیکن صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ کو معاذ اللہ خطا کار ثابت کرنے کے لئے البانی صاحب نے صحیح بخاری کی روایت کو چھوڑ کر ایک نا قابل اعتبار روایت کا سہارا لیا ہے۔اگر صحیح بخاری کی روایت نقل کرتے تو حضرت عائشہؓ کی خطا کیسے ثابت ہوتی۔افسوس صد افسوس!

علامہ شوکانی کی تحریر کے مطابق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

فانا واهل بيتي مطهرون من الذنوب میں اور میرے گھر والے گناہوں سے پاک ہیں۔(تفسیر فتح القدیر، ج۴،ص ۳۰۳ بحوالہ حکیم ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ و دلائل النبوۃ للبیہقی عن ابن عباسؓ)۔

(۵) اس عبارت میں البانی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جمل کے واقعے پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ندامت تھی اور آپؓ نے اس سے توبہ فرمائی۔انا للہ وانا الیہ راجعون! احادیث کی کتابوں میں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی توبہ کا کہیں ذکر نہیں۔البانی صاحب کو اس توبہ کا کس ذریعے سے علم ہوا؟۔

البانی صاحب کی سوچ یہ ہے کہ کسی بھی طرح سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خطا ثابت ہو جائے۔خواہ راوی ضعیف ہو، روایت منکر ہو اور کسی بھی طبقے کی کتاب میں ہو۔جبکہ میری سوچ یہ ہے اور ہر مومن کی یہی سوچ ہونی چاہئے کہ ہم سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ حبیبۂ حبیب اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس کے خلاف کوئی بات ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کریں گے خواہ اس کو روایت کرنے والا کیسا ہی ثقہ سے ثقہ راوی ہو۔مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور ۱۶)۔

تنقیص مزید در مزید

ایسا لگتا ہے کہ البانی صاحب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان گھٹانے کے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، چنانچہ وہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ میں مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن عائشةؓ قالت لما رايتُ من النبی ﷺ طيب النفس قلتُ يا رسول الله ادع الله لی، قال " اللّٰهم اغفر لعائشة ما تقدم من ذنبها و ما تاخر و ما اسرت و ما اعلنت" فضحكت عائشةؓ حتى سقط راسها فی حجر رسول الله ﷺ من الضحك فقال " ا يسركِ دعائی؟" فقالت " و ما لی لا يسرنی دعاؤك؟"۔ فقال " والله انها لدعوتی لامتی فی كل صلاة"۔احرجه البزار فی مسنده كشف الاستار و قال لا يروی الا عن عائشةؓ ولا عنها الا بهذا الاسناد (سلسلة الصحيحة ٢٢٥٤)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو بہت اچھے موڈ میں دیکھا تو میں نے فرمائش کی کہ یارسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے۔ آپؐ نے دعا کی ''اے اللہ، عائشہ کے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے''۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ (فرطِ خوشی سے) اتنا ہنسیں کہ آپؓ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں جا گرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے پوچھا ''کیا میری دعا سے تم کو خوشی ہوئی؟''۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا'' مجھے آپ کی دعا سے خوشی کیوں نہ ہوگی''۔ آپؐ نے فرمایا'' اللہ کی قسم۔ یہی دعا میں ہر نماز میں اپنی امت کے لئے کرتا ہوں''۔ اسے امام بزارؒ نے روایت کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ اور کسی سے مروی نہیں اور صرف اسی اکلوتی سند سے مروی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج ۵، ۳۲۴، رقم ۲۲۵۴)۔ البانی لکھتے ہیں هذا اسناد حسن و رجاله ثقات اس کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس روایت کو غور سے پڑھئے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت بیان کی گئی ہے یا ان کی شان کو گھٹایا گیا ہے؟۔ اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے موڈ کو دیکھتے ہوئے آپؐ سے دعا کی فرمائش کی۔ آپؐ نے دعا بھی فرما دی۔ اس سے حضرت عائشہؓ بے حد خوش

بھی ہوگئیں۔لیکن پھر آپؐ نے یہ فرما کر کہ ’’ یہ دعا تو میں ہر نماز میں اپنے ہر امتی کے لئے کرتا ہوں‘‘ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ساری خوشی خاک میں ملادی کہ اس میں تمہاری کوئی خصوصیت نہیں۔ یہ دعا تو میں ہر امتی کے لئے کرتا ہوں۔اب ہم اس حدیث کے راویوں کے متعلق بہت مختصراً عرض کرتے ہیں۔

(۱) اس کا ایک راوی احمد بن منصور رمادی ہے۔امام ابوداؤدؒ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ان سے پوچھا گیا کہ آپ رمادی سے کیوں نہیں روایت کرتے تو جواب دیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ قائلینِ خلقِ قرآن کے ساتھ صحبت رکھتا ہے اس لئے میں اس سے روایت نہیں کرتا۔(تہذیب التہذیب، ج۱، ص ۵۷)۔

(۲)اس کا ایک اور راوی ابوصخر (حمید بن زیاد) ہے جس کو امام یحییٰ بن معینؒ اور امام نسائیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابن عدیؒ کہتے ہیں اس کی بعض روایات پر کوئی اس کی متابعت نہیں کرتا۔(تہذیب التہذیب، ج۲، ص ۲۷)۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے جو درج ذیل ہے۔

عن عائشةؓ انها جاء ت هی و ابواها ابو بکر و ام رومان الی النبی ﷺ فقالا انا نحب ان تدعو لعائشة بدعوة و نحن نسمع، فقال رسول اللّٰه ﷺ " اللّٰهم اغفر لعائشة بنت ابی بکر الصدیق مغفرة واجبة ظاهرة باطنة" فعجب ابواها لحسن دعاء النبی ﷺ لها، فقال " تعجبان ، هذه دعوتی لمن شهد ان لا اله الا اللّٰه و انی رسول اللّٰه"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور میرے والدین ابوبکر اور ام رومان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔میرے والدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ عائشہ کے لئے دعا کریں اور ہم دونوں سنیں۔آپؐ نے دعا فرمائی ’’اے اللہ عائشہ بنت ابی بکر الصدیق کی مغفرت فرما،مغفرتِ واجبہ،ظاہرہ،باطنہ‘‘۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والدین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی دعا پر تعجب ہوا۔آپؐ نے فرمایا’’تم دونوں تعجب کر رہے ہو،میری یہ دعا تو ہر اس شخص کے لئے ہے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ

کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔(مستدرک حاکم ۶۷۹۸)۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

منکر علی جودة اسناده (التلخیص)۔

اس کی سند اچھی ہونے کے باوجود یہ روایت منکر ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے بالکل صحیح فرمایا ہے اور ایک مومن کی سوچ یہی ہونی چاہئے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شان مبارک

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں شورش کشمیری نے ایک نظم لکھی ہے۔اس کے چند اشعار پیش ہیں۔

ہوں میرے ماں باپ قرباں اس مقدس نام پر

عائشہؓ کے سینکڑوں احسان ہیں اسلام پر

جس کی عفت کی گواہی دی کلام اللہ نے

جس کی سیرت کے نشاں ہیں گردش ایام پر

جس کو بخشا تھا پیمبرؐ نے حمیرا کا لقب

مہر ومہ کی رونقیں قربان اس کے نام پر

سید الکونین کی سیرت کا نورانی ورق

جیسے صیقل جگمگاتی ہو دلِ صمصام پر

3۔متقدمین کی غلطیوں کو غلط انداز میں بیان کرنا

البانی صاحب متقدمین کی غلطیوں کو غلط طور پر اجاگر کرتے ہیں۔مثلاً

(ا) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

فمن العجیب حقاً ان یتجرا شیخ الاسلام ابن تیمیةعلی انکار هذاالحدیث و تکذیبه فی منهاج السنة کما فعل بالحدیث المتقدم هناك ــــــــــــــفلا ادری بعد ذلك وجه تکذیبه للحدیث الا التسرع

و المبالغة فی الرد علی الشیعة۔(سلسلة الاحادیث الصحیحة۔ج ٥،
ص ٢٦٣۔٢٦٤، رقم ٢٢٢٣)۔

حقیقت میں یہ بات بہت عجیب ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب
منہاج السنہ میں اس حدیث کا انکار کرنے کی اور اس کو جھٹلانے کی جرأت کریں
جیسا انہوں نے اس سے پہلے والی حدیث کے ساتھ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے
اس حدیث کو جھٹلانے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ ہے شیعوں کا رد
کرنے کی جلدی اور اس بارے میں حد سے گزر جانا۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ،
ج۵، رقم ۲۲۲۳،ص ۲۶۳۔۲۶۴)۔

اللہ اکبر۔البانی صاحب حدیث ''من کنتُ مولاہ فعلی مولاہ'' کو صحیح
ثابت کرنے میں اتنا حد سے بڑھے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر
اتنا بڑا الزام لگا دیا۔اگر اس کے جواب میں میں یہ کہوں کہ البانی صاحب نے
حوأب کے کتوں والی حدیث کو جو صحیح کہا ہے اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور
وہ ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت تو کیسا رہے گا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وہ شخصیت ہے جن سے
محبت اور عقیدت اہل حق کی پہچان ہے۔جو اہل توحید کا مان ہیں۔ان پر یہ گھناؤنا
الزام لگانا کہ انہوں نے شیعوں کی مخالفت کی وجہ سے کسی صحیح روایت کا انکار کر دیا
ایک بہتان عظیم ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ البانی صاحب کس حد تک جا سکتے
ہیں۔ایسا الزام تو شاید اہل بدع نے بھی امام ابن تیمیہؒ پر نہ لگایا ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ نے جس حدیث کا انکار کیا ہے وہ فضائل علیؓ میں ہے اور
اس کی دونوں سندوں میں شیعہ راوی ہیں۔جعفر بن سلیمان اور اجلح۔لہٰذا امام ابن
تیمیہؒ کا اس حدیث کا انکار کرنا سمجھ میں آتا ہے۔لیکن البانی صاحب اس حدیث کو
کسی نہ کسی طرح صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔اور اس کے لئے شیعہ راویوں کی
روایت ماننے سے بھی ان کو گریز نہیں۔گویا حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف
ضعیف سے ضعیف روایت بھی البانی کے نزدیک صحیح ترین اور قابل قبول ہے
اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں جو ضعیف روایت بھی ہو وہ
بھی البانی صاحب کے نزدیک صحیح اور قابل قبول ہے۔اس رویہ کو ہم کیا نام

دیں؟۔ نیچے مزید بھی پڑھئے اور خود ہی نتیجہ نکالئے۔

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ (ہجرت کے سفر میں) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار (ثور) پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ، آپ ابھی غار میں داخل نہ ہوں جب تک میں پہلے اس کی صفائی نہ کرلوں۔ حضرت ابوبکرؓ غار کے اندر گئے۔ وہاں ان کی انگلی زخمی ہوگئی۔ وہ اپنی انگلی سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔ ''تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوئی ہے۔ اور جو تکلیف تجھے پہنچی ہے اللہ کے راستے میں پہنچی ہے''۔

اس حدیث کو روایت کرنے والے اسرائیل ہیں جو ثقہ ہیں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کے راوی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو ضعیف تو نہیں کہا جاسکتا۔ تو پھر اسے کیسے رد کیا جائے؟ اس کے لئے البانی صاحب کے پاس ایک بہت ہی تیر بہدف نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ اس حدیث کو شاذ کہہ دو۔ چنانچہ انہوں نے بلا تامل اس حدیث کو شاذ کہہ دیا۔ اور شذوذ کی یہ شاندار وجہ تلاش کی کہ دوسرے راویوں نے کسی دوسرے موقع پر اس شعر کا پڑھا جانا بیان کیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج ۷، ص ۸۴۱-۸۴۲)۔ فیاللعجب!

آپ خود سوچئے۔ بھلا یہ بھی کوئی وجہ ہوئی۔ کیا ایک شعر کئی مختلف مواقع پر نہیں پڑھا جاسکتا؟۔ کیا مختلف لوگ ایک جیسے موقع پر ایک ہی شعر نہیں پڑھ سکتے؟ مگر البانی صاحب کو تو اس حدیث کو ضعیف کہنا تھا سو انہوں نے کہہ دیا۔

(۲) البانی صاحب حافظ منذریؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

وقع للحافظ المنذری فی هذاالحدیث خطأ فاحش

حافظ منذری سے اس حدیث میں فحش غلطی ہوئی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، جلد اول، ص ۵۸۸، رقم ۲۹۲)۔

(۳) حافظ ذہبیؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

لا شك ان الذهبی له اوهام و تناقضات كثیرة فی تلخیصه علی المستدرك و انا بفضل الله من اعرف الناس بذلك

اس میں کوئی شک نہیں کہ (حافظ) ذہبی نے جو مستدرک حاکم پر تلخیص لکھی ہے اس میں اوہام ہیں اور بہت زیادہ تناقضات ہیں۔ اور اللہ کے فضل سے

میں ان اوہام وتناقضات کوسب سے زیادہ جاننے والےلوگوں میں سے ہوں۔

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، ج۲، ص ۹۲۴)۔

اللہ کی شان ہے کہ یہ بات وہ شخص لکھ رہا ہے جس کے اپنے تناقضات بے شمار ہیں۔جن تناقضات کوحسن السقاف نے جمع کر کے دوجلدوں میں شائع کیا ہے۔اس کو کہتے ہیں چھاج بولے تو بولے چھلنی بھی بولے جس میں بہتر سو چھید۔

(۴)علامہ سیوطی، علامہ شوکانی، عجلونی اور کوثری کے متعلق لکھتے ہیں۔

و قد ذكره السيوطی فی الجامع الصغير كما اوردته بدون الزيادة ولكنه عزاه لا صحاب السنن الاربعة و هذا وهم آخر فان النسائی منهم و لم يخرجه----و اما العجلونی فی الكشف فقد قلد اصله المقاصد فيها و لكنه اقتصر فی العزو علی ابن ماجة و ابن حبان و الحاكم و كل ذلك وهم نشأ من التقليد و عدم الرجوع الی الاصول و ممن وقع فی هذا التقليد مع انه كثير التنديد به العلامة الشوكانی ---فالشوكانی قد قلد ايضاً الحافظ السخاوی فی كلامه علی هذا الحديث مع ما فيه من الخطأ---علی ان للشوكانی فی هذا المقام خطأ آخر افحش من هذا و هو تضعيفه فی تفسيره لهذه الزيادة مقلداً ايضاً فی ذلك غيره مع انها زيادة صحيحة وردت عن غير واحد من الصحابة باسانيد جيدة كما قال بعض الائمة و ان تجاهل ذلك كله الكوثری اتباعاً منه للهوی و الا فمثله لا يخفی عليه ذلك (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج ١، ص ٤٠٣-٤٠٤، رقم ٢٠٣)۔

علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو بغیر زائد الفاظ کے ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے اس کے لئے سنن اربعہ کا حوالہ دیا ہے جو ان کا ایک اور وہم ہے کیونکہ یہ حدیث نسائی میں نہیں ہے۔ ---اور علامہ عجلونی نے ''کشف الخفاء'' میں (حافظ سخاویؒ کی) المقاصد الحسنہ کی تقلید کی ہے۔لیکن انہوں نے صرف ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا ہے۔اور یہ سب کچھ اس وہم کا نتیجہ ہے جو پیدا ہوا ہے تقلید کی وجہ سے اور اصل کتابوں کی طرف رجوع نہ کرنے کی وجہ سے۔اور جو جو لوگ اس تقلید (کے گڑھے) میں گرے ان میں سے ایک علامہ

شوکانی بھی ہیں باوجود اس کے کہ وہ تقلید کے بہت زیادہ خلاف ہیں۔۔۔۔۔۔۔

اورشوکانی نے بھی اس حدیث پر کلام کرنے میں حافظ سخاوی کی تقلید کی اس کے باوجود کہ اس میں غلطی ہے۔۔۔۔۔۔۔اور پھر اس مقام پر شوکانی کی ایک اور بھی اس سے بھی زیادہ فحش غلطی ہے۔اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے اس زیادتی کو ضعیف کہا ہے جبکہ یہ زیادتی بالکل صحیح ہے جو کئی صحابہ سے اچھی سندوں کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ بعض ائمہ نے کہا۔اگرچہ (علامہ) کوثری اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر اس سے انجان بن گئے ہیں ورنہ ان جیسے (عالم) سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوسکتی (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، ج۱، ص۴۰۳۔۴۰۴، رقم ۲۰۳)۔

(۵) عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال قال اللہ عز و جل اذا احب عبدی لقائی احببتُ لقاء ہ و اذا کرہ لقائی کرھتُ لقاء ہ ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بندہ مجھ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہوں اور وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتا تو میں بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

حافظ منذریؒ نے یہ حدیث موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی کے حوالے سے نقل کی ہے۔(الترغیب والترہیب، رقم ۵۱۱۹)۔

البانی اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ذِکْرُہُ البخاری معھم ! و ھو وھم ، تبعہ علیہ السیوطی فی جامِعَیہ ۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۷، ص ۱۵۱۳)۔

یعنی حافظ منذریؒ نے موطا امام مالک، صحیح مسلم وغیرہ کے ساتھ صحیح بخاری کا جو حوالہ دیا ہے یہ ان کا وہم ہے جس پر سیوطی نے بھی اپنی جامعات میں ان کی پیروی کی ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، ج۷، ص۱۵۱۳، رقم ۳۵۵۴)۔

میں کہتا ہوں کہ وہم حافظ منذریؒ کا نہیں بلکہ خود البانی صاحب کا ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔اگر البانی صاحب کو اس کا علم نہیں تو یہ ان کے علم کا قصور ہے۔جو دوسرے ائمہ کی غلطیاں بڑھ بڑھ کر نکالتے تھے وہ خود ایسی ہی غلطی میں پھنس گئے۔قارئین کی سہولت کے لئے عرض ہے کہ یہ حدیث

صحیح بخاری میں کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ میں موجود ہے اور اس حدیث کا نمبر ہے ۷۵۰۴۔

4۔مخالفین کے لئے قابل اعتراض زبان استعمال کرنا

اپنے جن مخالفین کے لئے البانی صاحب نے قابل اعتراض زبان استعمال کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

حسن السقاف، حسان عبدالمنان، رمضان محمود عیسی، عبداللہ الغماری، عبداللہ الدرویش، الشیخ الکوثری، حبیب الرحمان اعظمی، الدکتور اسماعیل منصور، عادل مرشد، محمد بن علی الصابونی وغیرہ وغیرہ۔

حسن السقاف کے متعلق البانی صاحب لکھتے ہیں۔

الجاھل المتعالم الطاعن فی ائمة السلف و المفتری علی اھل السنة شتی الافتراء ات (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ۱، ص ۹)۔

ا الجھمی المبتدع بل الجاحد (سلسلة ، ج ۷، ص ۳۵۵)۔

عدو السلف و السنة و حفاظ الامة (سلسلة، ج ۱،ص ۹۲٤)

الھالك فی تقلیدھم السقاف، بل انه زاد علیھم طغیاناً و غروراً (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ۱، ص ۱۱)۔

جاھل جاحد مکابر (سلسلة، ج ۱، ص ۱۱)۔

فانه یطفح حقداً و جھلاً و غروراً ـــــفھو اتفه عندی و احقر من ان اضیع فی ذلك وقتی (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ۱، ص ۱۲ـ۱۳)۔

الجائر الجانی (سلسلة، ج ۱، ص ۱٦)۔

افاك اثیم ــــــــــ و من خباثته لم یذکر لفظه تضلیلاً لقرائه (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ۱، ص ۱٦)۔

السقاف الجاھل الحاقد (سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج۷، ص ٦۱۸)۔

رمضان محمود عیسی کے متعلق لکھتے ہیں۔

ناقداً بجهله و هواه (سلسلة، ج ۱، ص ۲)

شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کے متعلق لکھتے ہیں۔

المتعصب الحاقد (سلسلة الصحيحه، ج ۷، ص ۲۰)۔

عادل مرشد کے متعلق لکھتے ہیں

لم يات هو بشيءٍ الا الكشف عن جهله و انه ليس اهلاً
للخوض فى مثل هذا الموضوع الخطير (سلسلة الاحاديث
الصحيحة، ج ۷، ص ۵۵۲)۔

علامہ محمد بن علی الصابونی کے متعلق لکھتے ہیں

و هو فى ذلك قد سبق كل من كتب فى هذا العلم الشريف
جهلاً و تضليلاً و دعوى فارغة (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج ٤،
ص "و")۔و هو فى قوله هذا افاك كذاب (حواله مذكور)

کتاب ریاض الصالحین کو جید علماء کی ایک جماعت کی تحقیق کے ساتھ
شائع کیا گیا۔البانی صاحب ان علماء کی جماعت کے متعلق لکھتے ہیں۔

جماعة من العلماء ام الجهلة

علماء کی جماعت یا جاہلوں کی جماعت (سلسلۃ الصحیحہ ،ج ۶،ص ۹۱۶)۔

یک اور عالم کے متعلق لکھتے ہیں

لقد كشف الله عن سرقة هذا المدعى و عن جهله و عجبه و
غروره۔(سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج ٦ ، ص ۹۱۷)۔

اللہ نے اس مدعی کی چوری کو بھی ظاہر کر دیا اور اس کی جہالت کو بھی اور اس
کی خود بینی کو بھی اور اس کے غرور کو بھی۔

دوسرے عالموں کے لئے ایسے الفاظ اور ایسی زباان ستعمال کرنا کیا ایک
عالم کو زیب دیتا ہے؟۔ لیکن ان علماء کی البانی صاحب کے نزدیک کیا حیثیت
ہے۔جبکہ وہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شان میں گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے۔امام
یحییٰ بن سعید القطانؒ اور امام ابو حاتمؒ جیسی شخصیتوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔امام
ابن تیمیہؒ پر طعن کرتے ہیں۔حافظ ابن القیمؒ کو بدعتی ثابت کرتے ہیں۔ان کے
علاوہ حافظ ذہبیؒ،حافظ ذہبیؒ،حافظ ہیثمیؒ،حافظ ابن حجر عسقلانیؒ،حافظ ابو بکر ابن

العربیؒ، جلال الدین سیوطیؒ، قاضی شوکانیؒ۔ ان اجلّہ میں سے کون ہے جو البانی صاحب کی تیر اندازی سے بچا ہو۔

میں اب تک البانی صاحب کا بہت معترف تھا اور ان کی تحقیقات پر اندھا یقین رکھتا تھا لیکن اب جب میں نے ایک حدیث کے ضمن میں ان کی چند کتابوں کا تحقیقی مطالعہ کیا تو ان کی اصل شخصیت ظاہر ہو گئی اور ان پر میرا اعتماد بہت بری طرح مجروح ہو گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے ائمہ اور اساتذہ مثلاً شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، حافظ منذریؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ہیثمیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ سیوطیؒ، قاضی شوکانیؒ وغیرہ پر طنز کئے ہیں۔ ان کے تسامحات کو غلط انداز میں اچھالا ہے۔ اپنے مخالفین کے لئے گھٹیا زبان استعمال کی ہے اور یہ باتیں ایک عالم کو تو کجا، ایک شریف آدمی کو بھی زیب نہیں دیتیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان گھٹیا باتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ لیکن ان سب باتوں سے بڑھ کر انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں جو گستاخیاں اور ہرزہ سرائیاں کی ہیں ان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی وجہ سے وہ انتہائی پستیوں میں گر گئے ہیں۔

میں نے اپنی سابقہ تحریروں میں البانی صاحب کے حوالے جا بجا دیئے ہیں اور اِس کتاب میں بھی۔ لیکن اب ان کی حیثیت، ان کی اصلیت اور ان کا مقام واضح ہو جانے کے بعد میں اپنی اس کتاب کو ان کے نام سے پاک کر رہا ہوں۔ اب اگر اس کتاب میں کہیں ان کا نام رہ جائے تو یہ سمجھا جائے کہ وہ غلطی سے رہ گیا ہے۔

(۱۰) تشہد کے بعد کی دعا

(۱) سنت رسول ﷺ

(۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم کان یدعو فی الصلاۃ

"اللّٰھم انی اعوذ بك من عذاب القبر و اعوذ بك من فتنة المسيح الدجال و اعوذ بك من فتنة المحيا و فتنة الممات اللّٰھم انی اعوذ بك من الماثم والمغرم"۔ فقال له قائل ما اكثر ما تستعيذ من المغرم ، فقال " ان الرجل اذا غرم حدث فكذب و وعد فاخلف"۔متفق عليه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

"اللّٰھم انی اعوذ بك من عذاب القبر و اعوذ بك من فتنة المسيح الدجال و اعوذ بك من فتنة المحيا و فتنة الممات اللّٰھم انی اعوذ بك من الماثم والمغرم"۔

''اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری قبر کے عذاب سے، دجال کے فتنے سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے، اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری گناہوں سے اور قرض سے''۔آپؐ سے کسی نے کہا کہ آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں (اس کی کیا وجہ؟)۔آپؐ نے فرمایا'' بے شک جب انسان مقروض ہوتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی بھی کرتا ہے''۔(صحیح بخاری ۸۳۲، مسلم ۱۳۲۵)۔

(۲) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے

كان رسول اللّٰه ﷺ يدعو " اللهم انی اعوذ بك من عذاب القبر و من عذاب النار و من فتنة المحيا و الممات و من فتنة المسيح الدجال " متفق عليه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تھے ''اے اللہ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنے سے'' (صحیح بخاری ۱۳۷۷، صحیح مسلم ۱۳۲۸)۔

(۲) حکم رسولؐ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اذا فرغ احدكم من التشهد الا خر فليتعوذ باللّٰه من اربع

مـن عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات ومن شر المسيح الدجال رواه مسلم ۔ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد (یعنی التحیات) سے فارغ ہو جائے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے۔(صحیح مسلم ۱۳۲۶)۔

(۳) اس دعا کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ دعا پڑھتے تھے اور آپ ؐ نے امت کو بھی اسے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔اس دعا کی مزید اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپؐ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللّٰه ﷺ كان يعلمهم هذا الدعاء كما يعلمهم السورة من القرآن يقول "قولو اللّٰهم انا نعوذبک من عذاب جهنم و اعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من فتنة المسيح الدجال واعوذبک من فتنة المحيا و الممات رواه مسلم

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورۃ سکھاتے تھے۔آپ ﷺ فرماتے تھے" کہو اے اللہ ہم جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنے سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔" (صحیح مسلم ۱۳۳۳)۔

قال مسلم بلغني ان طاؤ سا قال لا بنه أدعوت بها في صلاتک ؟ فقال لا قال أعدصلا تک

امام مسلمؒ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت طاؤسؒ نے اپنے بیٹے سے پوچھا" کیا تم نے نماز میں یہ دعا پڑھی؟ اس نے کہا نہیں۔تو حضرت طاؤسؒ نے فرمایاؒ: اپنی نماز کو لوٹاؤ، یعنی دوبارہ نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم ۱۳۳۳)۔

یہاں حضرت طاؤسؒ کا مختصر تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کبار تابعین میں سے تھے۔ پچاس صحابہ کرامؓ کو دیکھا تھا۔ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ وہ ساداتِ تابعین میں سے تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ امام سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں بادشاہوں کی صحبت سے بچنے والے تین تھے۔ ابوذرؓ اپنے زمانے میں، طاؤس اپنے زمانے میں اور سفیان ثوریؒ اپنے زمانے میں۔ اور سب سے بڑھ کر صحابیِ رسول، حبر الامۃ، ترجمان القرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ان کے متعلق گواہی۔ آپؓ فرماتے ہیں

انی لاظن طاؤساً من اھل الجنة

بے شک میں طاؤس کو اہل جنت میں خیال کرتا ہوں (تہذیب التہذیب، ج۳، ص۹)۔

مندرجہ بالا احادیث اور حضرت طاؤسؒ کے اثر سے اس دعا کی اہمیت بہت واضح ہے لیکن لوگوں نے اس کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے اس دعا کی اہمیت واضح کی اور اس کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۱) سکتاتِ امام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دو سکتے کیا کرتے تھے

(۱) عن سمُرةَ بنِ جُندُبٍ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم اَنہ کان یسکت سکتَتَینِ اذا استفتح الصلا ةَ و اذا فرغ من القراء ة کُلّھا رواہ ابو داود

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے۔ جب نماز شروع کرتے اور جب پوری قرأت سے فارغ ہوتے۔ (ابوداؤد ۷۷۸)۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں

الحدیث حسنہ الترمذی ---و قد صحح الترمذی حدیث الحسن عن سمرة فی مواضع من سننہ ---فکان ھذا الحدیث علی

مقتضی تصرفه جدیراً بالتصحیح (نیل الاوطار، ض ۲، ص ۲۳۹)۔

اس حدیث کوامام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے۔اورامام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں کئی جگہ سمرہ بن جندبؓ سے حضرت حسنؒ کی روایت کوصحیح کہا ہے۔اس لحاظ سے یہ حدیث صحیح کہلانے کے لائق ہے۔(نیل الاوطار،ج۲،ص۲۳۹)۔

امام دارقطنیؒ نے کہا رواۃ الحدیث کلھم ثقات اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔(نیل الاوطار،ج۲،ص۲۳۹)۔

اسے امام ابوحاتمؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔چنانچہ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں

و قد صح حدیث السکتتین من روایة سمرةؓ و ابی بن کعبؓ و عمران بن حصینؓ ذکر ذلك ابو حاتم فی صحیحه۔

سکتتین کی حدیث صحیح ہے جوحضرت سمرہؓ،حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے۔اسے امام ابوحاتمؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔(زادالمعاد،ج۱،ص۱۴۲)۔

علامہ احمد محمد شاکرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔(صلوٰۃ المسلمین،ص۳۴۸)

حافظ زبیرعلی زئی لکھتے ہیں۔

''راقم الحروف نے نیل المقصو د میں بعض تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ حسن بصری کی سمرہ بن جندبؓ سے روایت صحیح ہوتی ہے''۔(نصر الباری،ص۲۹۴)

(۲) عن الحسن ان سَمُرَةَ بن جُندبؓ و عمران بن حُصینؓ تذاکرا فحدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم سکتتین ، سکتة اذا کبر و سکتة اذا فرغ من قراء ته عند رکوعه رواه الحاکم و صححه علی شرط الشیخین وقال لا یتوهم متوهم ان الحسن لم یسمع من سمرة فانه قد سمع منه

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ اورحضرت عمران بن حصینؓ آپس میں مذاکرہ کررہے تھے۔حضرت سمرہ بن جندبؓ نے فرمایا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسکتے یاد ہیں۔ایک سکتہ جب آپؐ اللہ اکبر کہتے (یعنی نماز شروع کرتے) اور ایک سکتہ رکوع کے وقت جب آپؐ اپنی قرأت سے فارغ ہوتے۔(مستدرک حاکم ۸۱۱)۔

مام حاکمؒ نے اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ کوئی وہم کرنے والا یہ وہم نہ کرے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت سمرہؓ سے نہیں سنا۔ انہوں نے بےشک ان سے سنا ہے۔ (مستدرک حاکم، رقم ۸۱۱)۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی تصدیق

عن سَمُرَۃؓ قال سکتتان حفظتُھما عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم [سکتۃ اذا کبّر الامام حتی یقرأ و سکتۃ اذا فرغ من فاتحۃ الکتاب و سورۃ عند الرکوع] فاَنکر ذلك عمرانُ بنُ حُصینؓ و قال حفظنا سکتۃ، فکتبنا الی اُبیّ بن کعب بالمدینۃ فکتب اُبی ان حفظ سَمُرَۃُ رواہ احمد و الترمذی و ابو داود و ابن ماجۃ و الدارمی و ابن خزیمۃ و ابن حبان و الدارقطنی و رواہ البخاری فی جزء القراءۃ

حضرت سمرہؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے۔ (ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسرا سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد رکوع کرتے وقت)۔ حضرت عمران بن حُصینؓ نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ہمیں تو صرف ایک سکتہ یاد ہے۔ پھر حضرت اُبی بن کعبؓ کو جو مدینہ منورہ تھے خط لکھ کر پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سمرہ کو صحیح یاد ہے۔ (مسند امام احمدؒ ۱۹۵۷۷،۱۹۶۵۳،۱۹۷۱۶، ۱۹۷۳۱،۱۹۷۳۳، جزء القراءۃ للامام البخاریؒ رقم ۲۷۳و۲۷۷و۲۷۸، ترمذی ۲۵۱، ابوداود ۷۷۷، ابن ماجہ ۸۴۴و ۸۴۵، دارمی ۱۲۴۳، ابن خزیمہ ۱۵۷۸، ابن حبان ۱۸۰۷، دارقطنی ۱۲۶۰)۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (نصر الباری ص ۲۹۴)۔

اکثر ائمہ نے حضرت سمرہؓ کی حدیث سے تین سکتات پر استدلال کیا ہے۔ دو سکتے پہلی رکعت میں، ایک قرأت سے پہلے اور دوسرا قرأت کے بعد اور تیسرا سکتہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ چنانچہ علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

و قد ذھب الی استحباب ھذہ السکتات الثلاث الاوزاعی و الشافعی و احمد و اسحاق۔۔۔و ھذہ الثلاث السکتات قد دل علیھا

حديث سمرة باعتبار الروايتين المذكورتين

ان تین سکتات کے استحباب کی طرف گئے ہیں امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ ۔۔۔ اور ان تین سکتات کی دلیل مذکورہ بالا دو روایتوں کے اعتبار سے حضرت سمرہؓ کی حدیث ہے۔ (نیل الاوطار، ج۲، ص۲۳۹)۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

و الظاهر انما هی اثنتان فقط، و اما الثالثة فلطيفة جداً لاجل تراد النفس ، ولم يكن يصل القراءة بالركوع بخلاف السكتة الاولى فانه كان يجعلها بقدر الاستفتاح و الثانية قد قيل انها لاجل قراءة المأموم فعلى هذا ينبغي تطويلها بقدر فاتحة الكتاب ، و اما الثالثة فللراحة و النفس فقط و هی سكتة لطيفة فمن لم يذكرها فلقصرها و من اعتبرها جعلها سكتة ثالثة، فلا اختلاف بين الروايتين

ظاہر بات یہی ہے کہ سکتے فقط دو ہی ہیں۔ تیسرا سکتہ تو سانس کی بحالی کے لئے ہے اور بہت چھوٹا ہے۔ اور (اس لئے بھی ہے کہ) آپؐ قرأۃ کو رکوع سے ملاتے نہیں تھے۔ بخلاف پہلے سکتہ کے، وہ دعاء استفتاح پڑھنے کے بقدر ہوتا تھا۔ اور دوسرے سکتے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے ہوتا تھا کہ مقتدی (سورۃ فاتحہ) پڑھ لیں۔ اس لئے یہ سکتہ اتنا لمبا ہونا چاہئے کہ اس میں سورۃ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ اور تیسرا سکتہ تو صرف راحت کے لئے اور سانس لینے کے لئے ہوتا تھا اور بہت چھوٹا ہوتا تھا، تو جس نے اس کا ذکر نہیں کیا اس نے اس کے بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا اور جس نے اس کا اعتبار کیا اس نے اس کو تیسرا سکتہ بنا دیا۔ پس دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ (زاد المعاد، ج۱، ص۱۴۲)۔

سکتوں کے محل کے بارے میں صلوٰۃ المسلمین (صفحات ۳۴۸ تا ۳۵۴) میں بڑی تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دوسرے سکتے کا محل سورت کے بعد (رکوع سے پہلے) ہے۔ بہر حال یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ دوسرا سکتہ پوری قرأۃ ختم کرنے کے بعد ہے اور بعض نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد ہے۔ اور اسی وجہ سے بعض نے تین سکتے شمار کر دیئے۔ بہر حال اس بارے میں تشدد مناسب نہیں، اس لئے کہ دونوں طرف

ہمارے محترم ائمہ ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ سکتے دو ہی ہیں۔ایک پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد اور دوسرا دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ صلوٰۃ المسلمین میں صفحہ ۳۴۸ پر جو روایت نقل کی گئی ہے وہ ضعیف ہے۔اس میں ایک راوی ابو الصلت عبد السلام بن صالح الھروی رافضی ہے اور ضعیف ہے۔اس کے کئی جواب ہیں۔

اول: شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں '' اگرچہ ابوالصلت ضعیف ہے لیکن سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہے۔امام یحیٰ بن معینؒ، امام ابوسعید الہرویؒ نے اسے ثقہ کہا ہے۔(جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک ۔امام کے دو سکتے۔ص ۷۳۹)۔

دوم: بعض محدثین نے اسے رافضی خبیث کہا ہے۔لیکن امام احمد بن سیارؒ نے ان الزامات کی تردید کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

صاحب قشافة وزهد و لم ا ره يفرط فى التشييع و ناظر بشر المرسى عند المامون و كان الظفر له، و رايته يقدم ابا بكرؓ و عمرؓ و يترحم على علىؓ و عثمانؓ و لايذكر الصحابة الا بجميل الا ان ثم احاديث يرويها فى المثالب (تهذيب التهذيب، ج ٣، ص ٤٥٠)۔

وہ سادہ زندگی گزارنے والا اور زہد والا تھا۔میں نے اس کو تشیع میں حد سے بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔اس نے مامون الرشید کے دربار میں بشر مرسی (معتزلی) سے مناظرہ کیا اور کامیاب رہا۔میں نے دیکھا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو مقدم سمجھتا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ پر رحمتیں بھیجتا تھا۔اور (دیگر) صحابۂ کرامؓ کا ذکر بھی بہت اچھے انداز میں کرتا تھا۔بس اتنا ہے کہ وہ مثالب (برائیوں) کی بھی کچھ احادیث روایت کرتا تھا۔(تہذیب التہذیب، ج ۳،ص ۴۵۰)۔

سوم : حافظ ابن حجرؒ مزید لکھتے ہیں۔

سئل ابن معین عن ابی الصلت فقال ثقة صدوق الا انه یتشیع و قال مرة اخری ولم یکن ابو الصلت عندنا من اهل الکذب و قال الدوری سمعت ابن معین یوثق ابا الصلت وقال ایضاً لیس ممن یکذب، و قال صالح بن محمد رایت ابن معین یحسن القول فیه و قال الحاکم وثقه امام اهل الحدیث یحیی بن معین و قال الآجری عن ابی داود کان ضابطا و رایت ابن معین عنده (تهذیب التهذیب، ج ۳، ص ۴۵۰ـ۴۵۱)۔

امام یحیٰی بن معینؒ سے ابوالصلت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ ثقہ ہے، سچا ہے مگر اس میں تشیع ہے۔ اور دَوری کہتے ہیں میں نے سنا امام یحیٰی بن معین اس کی توثیق کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اور صالح بن محمد کہتے ہیں میں نے دیکھا امام یحیٰی بن معینؒ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ اور امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کے امام حضرت یحیٰی بن معینؒ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اور آجری کہتے ہیں امام ابوداودؒ نے کہا وہ ضابط تھا اور میں نے امام یحیٰی بن معین کو اس کے پاس دیکھا۔ (تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۴۵۰۔۴۵۱)۔

اس کا مطلب ہے کہ امام ابوداودؒ نے اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ بلکہ یہ بتایا کہ امام یحیٰی بن معینؒ اس کے پاس تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام یحیٰی بن معینؒ کا اس سے ملنا جلنا تھا۔ ایسی صورت میں امام یحیٰی بن معینؒ سے زیادہ اس کے متعلق کون جان سکتا ہے۔ فن رجال میں اول تو امام یحیٰی بن معینؒ کا قول ویسے ہی بہت وقیع ہوتا ہے اور پھر اس صورت میں تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں دیگر اقوال کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بقول امام یحیٰی بن معینؒ، ابو الصلت ثقہ بھی ہے، سچا بھی ہے بس اس میں تشیع ہے لیکن تشیع میں بھی غلو نہیں ہے اور بقول امام احمد بن سیارؒ وہ تمام صحابہ کا ذکر بہت اچھی طرح کرتا ہے۔ ایسے راویوں کی روایتیں عام طور پر مقبول ہوتی ہیں سوائے ان روایات کے جو فضائل اہل بیت سے تعلق رکھتی ہوں یا جن میں کسی دوسرے اصحاب کی شان کے خلاف کوئی بات ہو۔

شیعہ راویوں کی روایات

اب ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ راویوں کی روایات کے متعلق اہلحدیث کے عالم ناصر الدین البانی کیا کہتے ہیں۔ اجلح بن عبداللہ الکندی کے متعلق ''تقریب'' میں لکھا ہے ''صدوق شیعی''۔ یعنی یہ راوی سچا ہے اور شیعہ ہے۔ اس راوی کی ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے البانی صاحب لکھتے ہیں۔

فان قال قائل راوی هذا الشاهد شیعی و کذلك فی سند المشهود له شیعی آخر و هو جعفر بن سلیمان، افلا یعتبر ذلك طعناً فی الحدیث و علة فیه، فاقول کلا، لان العبرة فی رواة الحدیث انما هو الصدق و الحفظ و اما المذهب فهو بینه و بین ربه فهو حسیبه۔

(سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ٥، ص ٢٦٢)۔

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اس روایت کا راوی شیعہ ہے اور دوسری روایت میں بھی ایک اور شیعہ راوی جعفر بن سلیمان ہے تو کیا اسے حدیث میں باعث طعن اور علت نہیں سمجھا جائے گا تو میں کہوں گا کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ روایتِ حدیث میں جس چیز کا اعتبار ہے وہ صدق اور حفظ (یعنی سچائی اور اچھا حافظہ) ہے۔ رہی بات مذہب کی تو مذہب تو اس کے اور اس کے رب کے درمیان کا معاملہ ہے اور وہی اس کا حساب لے گا۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج ۵، ص ۲۶۲)۔

یہ بات البانی صاحب جعفر بن سلیمان کے متعلق لکھ رہے ہیں جس کے متعلق خود البانی صاحب نے امام ابن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ وہ غالی شیعہ تھا اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے بغض رکھتا تھا۔ جب ایسے غالی شیعہ کی روایت البانی صاحب کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے تو ابو الصلت کی روایت کیوں نہیں صحیح ہو سکتی جبکہ وہ تو بقول امام احمد بن سیارؒ نہ تو غالی شیعہ تھا۔ نہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ یا کسی دوسرے صحابی کو برا کہتا تھا۔ اور بقول امام یحییٰ بن معینؒ وہ جھوٹا بھی نہیں تھا۔ بلکہ ثقہ اور صدوق تھا۔

یہ صحیح ہے کہ چند ائمہ نے ابو الصلت پر جرح کی ہے لیکن ان کی جرح کی امام یحییٰ بن معینؒ کے اقوال کے مقابلے میں کیا حیثیت؟۔ لیکن ایک صاحب

جن کو فن حدیث سے کوئی واقفیت نہیں وہ اپنی نادانی اور کم علمی کی وجہ سے اور فن رجال میں امام یحییٰ بن معینؒ کے مقام سے ناواقفیت کی وجہ سے اور اپنے مزعومہ موقف پر ہٹ دھرمی کی وجہ سے امام یحییٰ بن معینؒ کے قول کے مقابلے میں دیگر ائمہ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔اور یہی ان کے فن حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے جیسا کہ حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔

''ابن معینؒ کا نقاد حدیث میں جو مقام ہے وہ حدیث کے ابتدائی طالب علموں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے''۔(نور العینین ص ۱۵۶)۔

چہارم:

راوی ضعیف ہونے کے باوجود بھی اس کی حدیث صحیح ہوسکتی ہے۔البانی صاحب لکھتے ہیں۔

فقدیکون المتن صحیحا مع ضعف اسناده

یعنی سند ضعیف ہونے کے باوجود متن صحیح ہوسکتا ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ،المجلد السادس،القسم الثانی،ص۹۵۲)۔

پنجم:

امام کے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی روایت بیان کرنے میں ابو الصلت تنہا نہیں بلکہ اس کے اور بھی شواہد ہیں۔امام بیہقیؒ لکھتے ہیں۔

فلقراء ۃ الماموم فاتحۃ الکتاب فی سکتات الامام شواھد صحیحۃ ۔(کتاب القراء ۃ خلف الامام، ص ۸۱)۔

''امام کے سکتے میں مقتدی کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں صحیح شواہد موجود ہیں''۔(کتاب القراءۃ خلف الامام للامام البیہقیؒ، ص ۸۱)۔

ان صحیح شواہد کی وجہ سے یہ روایت بھی صحیح شمار ہوگی جیسا کہ حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں۔

''اصول حدیث کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو روایت شواہد کے ساتھ صحیح ثابت ہو جائے اسے صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔(تسہیل الوصول،ص ۱۹۵)۔

اسی وجہ سے فرقہ اہلحدیث کے علماء نے بھی اس روایت کو صحیح /قابل قبول مانا ہے۔حافظ ثناءاللہ مدنی لکھتے ہیں''اثر ہذا سند کے اعتبار سے اگرچہ قابل

قبول ہے''۔(فتاویٰ حافظ ثناء اللہ مدنی، ج ۲، ص ۴۰۶)۔

حافظ محمد گوندلوی کا علمائے اہلحدیث میں بہت بلند مقام ہے۔ وہ اپنی کتاب میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث چونکہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے اس لئے ضعیف ہے''۔ اس کے بعد انہوں نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت پر اعتراض کا جواب دیا ہے اور آخر میں حافظ ذہبیؒ کا فیصلہ نقل کیا ہے کہ ''اس کی حدیث حسن قسم کی ہے''۔(خیر الکلام فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام، ص ۲۸۸۔۲۸۹)۔

گوندلوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہمارے ہاں سکتات میں پڑھنا بہتر ہے''،(ایضاً ص ۲۸۸)۔

پس ثابت ہوا کہ صلوٰۃ المسلمین میں صفحہ ۳۳۸ پر جو روایت درج ہے وہ صحیح ہے اور اس پر اعتراض کرنے والوں کا اعتراض کم علمی پر مبنی ہے۔

(۱۲) فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن رواہ البخاری وروی مسلم نحوہ

۔رسول اللہ ﷺ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھتے تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے۔(صحیح بخاری ۱۱۶۰)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے مثل روایت کیا ہے (صحیح مسلم ۱۷۱۸ و ۱۷۳۲)۔

نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں کے بعد خود لیٹتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اذا صلی احد کم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینه رواه احمدو الترمذی و ابوداود و ابن حبان وصححه الترمذی۔ جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اسے چاہئے کہ دائیں کروٹ لیٹ جائے (مسند امام احمدؒ ۹۱۰۴، ترمذی ۴۲۰، ابوداؤد ۱۲۶۱، ابن حبان ۲۴۶۸)۔ اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے۔۔

رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر عمل تقریباً بالکل متروک ہے۔ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اس پر خود عمل کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا اور اس طرح ایک مردہ سنت کو زندہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ مندرجہ بالا روایت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے جسے حدیث کے ایک راوی عبدالواحد بن زیاد نے بطور قول روایت کر دیا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ عبدالواحد بن زیاد بالکل ثقہ راوی ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوزرعہؒ، امام ابو حاتمؒ، امام عجلیؒ، امام ابن حبانؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے امام دارقطنیؒ کہتے ہیں وہ ثقہ اور مامون ہیں اور امام یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں ثقة لم یعتل علیه بقادح کسی برا کہنے والے کی وجہ سے ان کی تعلیل نہیں کی جا سکتی۔ ابن سعد کہتے ہیں وہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں أجمعوا لا خلاف بینهم ان عبد الواحد ثقة ثبت یعنی محدثین کا اجماع ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عبدالواحد بن زیاد ثقہ اور ثبت ہیں (تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۵۲۱)۔

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں ان عبدالواحد بن زیاد قد احتج به الائمة الستة ووثقه أحمد بن حنبلؒ وأبو زرعة و أبو حاتم والنسائی وابن حبان وروی معاویة بن صالح عن یحیی بن معین أنه صرح بأن عبدالواحد من أثبت أصحاب الأعمش قال العراقیؒ عما روی عنه من أنه لیس بثقة فلعله اشتبه علی ناقله بعبد الواحدبن زید و کلاهما بصری (نیل الأوطار، ج ۳، ص ۲۳)۔ عبدالواحد بن زیاد سے صحاح ستہ کے اماموں

نے حجت لی ہے اور ان کو امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو زرعہؒ، امام ابو حاتمؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن حبانؒ نے ثقہ کہا ہے اور امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ وہ امام اعمشؒ کے معتبر ترین شاگردوں میں ہیں اور امام عراقیؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معینؒ سے جو روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے عبدالواحد بن زیاد کو غیر ثقہ کہا تو ایسا لگتا ہے کہ ان سے یہ بات نقل کرنے والے کو دھوکہ ہو گیا کہ اس نے عبدالواحد بن زید کے بجائے عبدالواحد بن زیاد کہہ دیا کیونکہ عبدالواحد بن زیاد اور عبدالواحد بن زید دونوں بصری ہیں (نیل الاوطار، ج۳، ص۲۳)۔

پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے۔ امام نوویؒ نے اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح کہا ہے اور پھر لکھا ہے فھذا حدیث صحیح صریح فی الأمر بالاضطجاع یعنی یہ حدیث صحیح اور صریح ہے لیٹنے کے حکم کے بارے میں (شرح مسلم، ج۶، ص۱۹)۔ امام شوکانیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۲۱)۔ پھر مزید لکھتے ہیں وقد عرفت ثبوت القول من وجه صحیح یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (حکم) کا ثبوت آپ کو صحیح سند سے معلوم ہو چکا ہے (نیل الاوطار، ج۳، ص۲۳)۔

(۱۳) تحیۃ المسجد

مسجد میں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنا ضروری ہے اور اس کی بہت تاکید ہے۔

حضرت ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اذا دخل احد کم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس متفق علیه ۔ جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے

(صحیح بخاری ۴۴۴، صحیح مسلم ۱۶۵۴)۔

یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی مسجد میں بیٹھے نہیں جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔ حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں۔

دخلت المسجد و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جالس بین ظهرانی الناس قال فجلست فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مامنعک ان ترکع رکعتین قبل أن تجلس؟ قال فقلت یارسول الله رایتک جالسا والناس جلوس قال فاذا دخل احد کم المسجد لا یجلس حتی یرکع رکعتین رواه مسلم ورواه البخاری مختصراً بدون القصة ۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ (مسجد میں) بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کس نے روکا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا (تو میں بھی بیٹھ گیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھے نہیں جب تک دو رکعت نہ پڑھ لے۔ (صحیح مسلم ۱۶۵۵۔ صحیح بخاری مختصراً ۱۱۶۳ و ۴۴۴)۔

تحیۃ المسجد کی اس سے بھی زیادہ اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حکم دے کر یہ نماز پڑھواتے تھے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دخلت المسجد فاذا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جالس وحده [فجلستُ فقال یااباذرٍّ هل صلیتَ ؟ قلتُ لا] فقال یا اباذرا ن للمسجد تحیة وان تحیته رکعتان فقم فارکعهما قال فقمتُ فرکعتُهما ....رواه احمد وابن حبان والبزار والطبرانی و سکت علیه الحافظ فی الفتح۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی (آپؐ کے پاس) بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا "کیا تم نے (تحیۃ المسجد کی) نماز پڑھی؟"۔ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "اے ابو ذر، بے شک مسجد کے لئے تحیہ (تحفہ) ہے اور مسجد کا تحیہ دو رکعتیں ہیں۔ لہٰذا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں

پڑھو۔'' حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں میں کھڑا ہو گیا اور دو رکعتیں پڑھیں (مسند امام احمد ۲۱۰۳۶/۵ و ۲۱۰۴۲، صحیح ابن حبان ۳۶۱، طبرانی اوسط، بزّار۔ مجمع الزوائد ۲۶/۷)۔ نسائی نے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ رقم ۵۵۰۹)۔

اگر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ضروری نہ ہوتیں تو نہ تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس فرماتے نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے دو رکعتیں پڑھواتے۔ رسول اللہ ﷺ اس نماز کو اتنی اہمیت دیں اور اس پر عمل کروائیں اور بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھنے سے منع فرمائیں لیکن ہمارے علماء بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھنے کی اجازت دیں اور کہیں کہ بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

جمعہ کا خطبہ سننے کی کتنی اہمیت ہے۔ دوران خطبہ نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے۔ باتیں کرنے کی بھی ممانعت ہے حتیٰ کہ کسی بات کرنے والے سے ''چپ رہو'' کہنے کی بھی ممانعت ہے لیکن تحیۃ المسجد دوران خطبہ بھی پڑھنے کا حکم ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اذا جاء احدكم (يوم الجمعة) والامام يخطب أوقد خرج فليصل ركعتين متفق عليه وزاد مسلم وليتجوز فيهما ۔ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن (مسجد) آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ دینے کے لئے نکل آیا ہو تو اسے چاہئے کہ دو رکعت پڑھے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ان میں اختصار کرے۔ (صحیح بخاری ۱۱۶۶، صحیح مسلم ۲۰۲۴)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

جاء رجل والنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یخطب الناس یوم الجمعة (فقعد قبل ان یصلی) فقال (له النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم) اصلیت یا فلان؟ [أرکعت رکعتین ۔مسلم] فقال لا قال قم فارکع [صل رکعتین ۔مسلم ۲۰۲۰] متفق علیه ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا ''کیا تم نے دو رکعتیں پڑھیں؟'' اس نے کہا

نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ’’کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت پڑھو۔‘‘ (صحیح بخاری ۹۳۰،صحیح مسلم ۲۰۱۸،۲۰۲۰) ان صحابی کا نام سلیک غطفانیؓ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں اتنی ضروری ہیں کہ حضرت سُلیک غطفانیؓ انہیں پڑھے بغیر بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے دوران خطبہ ان سے ان دو رکعتوں کے متعلق سوال کیا اور جب انہوں نے کہا کہ میں نے نہیں پڑھیں تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں پڑھو۔

رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر بھی عمل تقریباً متروک تھا الا ماشاء اللہ۔ان احادیث کی روشنی میں شیخ الاسلامؒ نے تحیۃ المسجد کی اہمیت بیان کی اور ان پر عمل کروایا۔

(۱۴) جمعہ کا خطبہ

اہل حدیث کی مساجد میں جمعہ کے خطبوں کا مقررہ دورانیہ عام طور پر ایک گھنٹہ ہوتا ہے۔ جو بہت زیادہ ہے اور پھر بعض خطیب حضرات ایک گھنٹے کی بھی پابندی نہیں کرتے اور اپنی تقریر کی روانی میں ڈیڑھ گھنٹے تک بھی بولتے رہتے ہیں۔اس سے مقتدی حضرات کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور یہ سنت کے بھی خلاف ہے۔رسول اللہ ﷺ اتنے لمبے خطبے نہیں دیا کرتے تھے۔آپ ﷺ کے خطبے مختصر ہوتے تھے۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کنت اصلی مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الصلوات فکانت صلاتہ قصدا و خطبتہ قصداً رواہ مسلم .

میں نبی ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھا کرتا تھا۔آپ ﷺ کی نماز بھی درمیانہ ہوتی تھی اور خطبہ بھی۔(صحیح مسلم ۲۰۰۴)۔

ایک حدیث میں خطبے کے چھوٹا ہونے کی تعریف کی گئی ہے اور اسے چھوٹا

کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة وان من البيان سحراً ، رواه مسلم.

”بے شک انسان کی نماز کا طویل ہونا اور اس کے خطبے کا چھوٹا ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے پس تم نماز کو طویل کیا کرو اور خطبے کو چھوٹا کیا کرو۔اور بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔“(صحیح مسلم ۲۰۰۹)۔

حضرت حکم بن حزن کلفیؓ سے روایت ہے۔

وفدت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم سابع سبعة او تاسع تسعة فد خلنا عليه فقلنا يا رسول الله زرناک فادع الله لنا بخير فامر بنا او امرلنا بشيءٍ من التمر والشان اذ ذاک دون، فاقمنا بها ايا ما شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام متوكئا علىٰ عصاً او قوسٍ فحمد الله واثنى عليه كلماتٍ خفيفات طيباتٍ مباركاتٍ ثم قال ايُّها النَّاس انكم لن تطيقوا اولن تفعلوا كل ما امرتم به ولكن سددوا وابشروا. رواه احمد وابو داود وصححه ابن خزيمة وابن السكن و حسَّن اسناده الحافظ (نيل الاوطار ج ۳، ص ۲۶۹ و سبل السلام ج ۲، ص ۵۹) و حسَّنه السيد مسعود احمد رحمة الله عليه (منهاج ۲۰۶)۔

میں سات یا نو آدمیوں کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ۔ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ ہمارے لئے خیر کی دعا فرمایئے۔آپ ﷺ نے ہمارے لئے کھجوریں منگوائیں۔اس وقت (مالی)حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ہم آپ ﷺ کے پاس کئی دن ٹھہرے،اسی دوران ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی پڑھی۔آپ ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے۔آپ ﷺ نے عصا یا کمان پر ٹیک لگائی ہوئی تھی۔آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثناء بیان فرمائی۔ ہلکے ہلکے پاکیزہ اور مبارک کلمات ادا فرمائے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا:”اے لوگو،تم ہرگز نہ کرسکو گے یا نہ کرو گے ہر

وہ بات جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے لیکن تم درمیان کی راہ اختیار کرو اور خوشخبری حاصل کرو"۔ (مسند امام احمدؒ ج ۵، رقم ۱۷۴۰۰، ابوداؤد ۱۰۹۶، ابن خزیمہ ۱۷۸۴)۔

اسے امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن السکنؒ نے صحیح کہا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا۔ (نیل الاوطار ج ۳، ص ۲۶۹، سبل السلام ج ۲، ص ۵۹)۔ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ (منہاج المسلمین، ص ۲۰۶)۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يطيل الموعظة يوم الجمعة انما هن كلمات يسيرات رواه ابو داود و رجاله ثقات، سكت عليه ابو داود والمنذري و قال العظيم آبادي سنده صحيح (عون المعبود)

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نصیحت کو لمبا نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے ارشادات (چند) ہلکے پھلکے جملے ہوا کرتے تھے۔ ابوداؤد)۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم باقصار الخطب رواه ابو داود و سنده حسن ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبوں کو چھوٹا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد ۱۱۰۶)۔

رسول اللہ ﷺ کے خطبات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ علامہ محمد صاحب جوناگڑھی نے آپ ﷺ کے خطبات کو "خطبات محمدی" کے نام سے جمع کیا ہے اور بھی کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کے خطبات کو جمع کیا ہے۔ ان خطبات میں کوئی خطبہ اتنا طویل نہیں جو دس منٹ سے زیادہ کا وقت لے۔ میرے علم کے مطابق خطبہ حجۃ الوداع آپ ﷺ کا سب سے لمبا خطبہ ہے۔ لیکن وہ بھی دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا نہیں۔ لہٰذا بہتر اور سنت طریقہ یہی ہے کہ خطبہ دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا نہ ہو۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی اس پر عمل کیا اور عمل کروایا۔

(۱۵)خطبۂ جمعہ میں سورۃ ق کا پڑھنا

رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو خطبہ میں سورۂ قٓ پڑھا کرتے تھے۔حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمانؓ فرماتی ہیں:

لقد کان تنورنا و تنور رسول اللّٰہ ﷺ واحدًا سنتین او سنة وبعض سنةٍ وما اخذتُ [حفظتُ] قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ اِلَّاعن لسان رسول اللّٰہ ﷺ ، یقرؤھا کلَّ یوم جُمعةٍ علی المنبر اذا خطب النَّاسَ (صحیح مسلم)

دوسال یا ایک سال اور کچھ مہینے ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تندور ایک تھا اور میں نے نہیں سیکھی اور یاد کی سورۃ ق والقران مجید مگر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے۔آپ ﷺ اسے ہر جمعہ کو منبر پر پڑھتے تھے جب آپ ﷺ لوگوں سے خطاب فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم ۲۰۱۲ تا۲۰۱۵)۔

آج کل کوئی خطیب جمعہ کے خطبے میں سورۃ قٓ نہیں پڑھتا۔اس متروکہ سنت کو والد صاحب نے زندہ فرمایا اور الحمدللہ جماعت المسلمین کی تمام مساجد میں جمعہ کے خطبہ میں سورۃ قٓ پڑھی جاتی ہے۔

(۱٦)عیدگاہ میں خواتین کی حاضری

اسلام میں خواتین کا عیدگاہ جانا انتہائی ضروری ہے۔حضرت اُمِ عطیہؓ فرماتی ہیں

أمَرَنا نبیُّنا صلَّی اللّٰہُ علیه و سلَّم أنْ نُخرِجَ العواتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِو یَعْتَزِلْنَ الْحُیَّضُ المُصَلّٰی مُتَّفَقٌ علیه ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم نوجوان پردہ نشین لڑکیوں کو (بھی) عیدگاہ جانے کے لئے باہر نکالیں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں(صحیح بخاری ۹۷۴ و صحیح مسلم ۲۰۵۴)۔

عن اُمّ عطیّةؓ قالت اُمِرْنا أن نُخرِجَ [العواتقَ و] الحُیَّضَ یومَ العیدَینِ و ذوات الخُدورِ فَیشهدن جماعة المسلمین و دعوتَهم و

يعتزلُ الحُيَّضُ عن مصلّاهنَّ، قالت امرأةٌ يا رسولَ اللّٰه اِحداناليس لها جلبابٌ قال "لِتُلبِسُها صاحبَتُها [اُختُها] مِن جلبابها" مُتَّفَقٌ عليه ۔

حضرت اُمِ عطیہؓ فرماتی ہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عیدین کے دن ہم حائضہ عورتوں اور نوجوان پردہ نشین لڑکیوں کو باہر نکالیں تاکہ وہ مسلمین کی جماعت میں اور ان کی دعاؤں میں حاضر ہوں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں ۔ایک عورت نے کہا ''یارسول اللہ، اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو (تو وہ کیا کرے)؟'' ۔آپؐ نے فرمایا ''اُس کی ساتھ والی (یا اس کی بہن) کو چاہئے کہ وہ اسے اپنی چادر میں سے پہنا دے'' ۔(صحیح بخاری ۳۵۱،صحیح مسلم ۲۰۵۶)۔

عن أم عطيةؓ قالت كنا نؤمر أن نَخرُجَ يوم العيد حتّى نُخرِجَ البِكرمِن خِدرِها،حتّى نُخرِج الحُيَّضَ فيكُنَّ خلف النّاسِ فيُكَبّرن بتكبيرهم و يدعون بدعائهم يرجون بَرَكَةَ ذلك اليوم و طُهرَتَه رواه البخاریؒ۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں ہم کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے دن نکلیں (اور عیدگاہ جائیں) یہاں تک کہ ہم کنواری لڑکی کو بھی اس کے پردے سے باہر نکالیں اور یہاں تک کہ ہم حائضہ خواتین کو بھی باہر نکالیں۔حائضہ عورتیں (عیدگاہ میں) لوگوں کے پیچھے بیٹھی رہیں،ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتی رہیں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگتی رہیں اور اس (بابرکت) دن کی برکت اور پاکیزگی کی امیدوار رہیں(صحیح بخاری ۹۷۱)۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ولیشهدن الخیر یعنی حائضہ عورتیں (عیدگاہ کی) خیر میں حاضر ہوں (صحیح بخاری ۱۶۵۲،صحیح مسلم ۲۰۵۶)۔

عن حفصةقالت كنا نمنع عواتقنَا ان يخرُجن [فى العيدين]، فقدمت امرأة فنزلت قصرَ بنى خَلَفٍ فحدثت انَّ اختها كانت تحت رجلٍ من اصحاب رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم قد غزا مع رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم ثِنتَى عشَرَةَ غزوة و كانت اُختى معه فى ستّ غزوات، قالت كنا نُداوى الكلمىٰ و نقوم على المرضىٰ، فسألت اختى رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم فقالت هل على اِحدانا باس ان لم يكن لها جلباب ان لاتخرُجَ فقال "لِتُلبِسُها صاحبتُها من جلبابها و

لتشهد الخير و دعوةالمؤمنين"، فلما قدِمت امُّ عطيَّةَ سالتُها اَ سمعتِ
النبيَّ صلى اللّٰه عليه و سلم؟۔فقالت ـــو كانت لا تذكر رسول اللّٰه
صلى اللّٰه عليه و سلم ابداً الا قالت بأَبی--- قلنا اَ سمعتِ رسولَ اللّٰه
صلى اللّٰه عليه و سلم يقول كذا و كذا ؟۔ قالت نعم بأَبی فقال
"لِتَخرُجُ العواتقُ و ذواتُ الخدور و الحُيَّضُ فيشهدن الخيرَو دعوة
المسلمين و يعتزل الحُيَّضُ المصلى"۔ فقلتُ آلحائض؟۔ فقالت[نعم،
ا وليس [الحائض] تشهد عرفةَ[عرفات] و [تشهد] كذا و[تشهد]
كذا رواه البخاریؒ ٣٢٤، ٩٨٠، ١٦٥٢

حفصہ بیان کرتی ہیں کہ ہم اپنی جوان لڑکیوں کو عیدگاہ جانے سے منع کرتے تھے۔پھر ایسا ہوا کہ ایک خاتون (ہمارے شہر) آئیں اور قصر بنی خلف میں ٹھہریں۔انہوں نے بیان کیا کہ ان کی بہن ایک صحابی کی بیوی تھیں۔ان صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ جنگیں لڑیں اور چھ جنگوں میں میری بہن بھی اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔میری بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس جلباب (چادر) نہ ہو اور اس وجہ سے وہ عیدگاہ نہ جائے تو کیا اس پر کچھ حرج ہے؟۔آپؐ نے فرمایا ''اس کی ساتھ والی کو چاہئے کہ وہ اپنی چادر میں سے اسے بھی اڑھا دے۔اور وہ خیر (کے اس مجمع) میں حاضر ہو اور مومنین کی دعاؤں میں شریک ہو۔حفصہ کہتی ہیں کہ پھر جب حضرت ام عطیہؓ تشریف لائیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے۔انہوں نے فرمایا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔اور وہ جب کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتی تھیں تو کہتی تھیں میرے باپ آپؐ پر قربان ہوں۔میں نے سنا ہے آپؐ نے فرمایا''پردہ نشین کنواری لڑکیاں اور حائضہ عورتیں سب عیدگاہ جائیں اور خیر (کے اس اجتماع) میں حاضر ہوں اور مومنین کی دعاؤں میں شریک ہوں۔اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں''۔حفصہ کہتی ہیں میں نے (بڑے تعجب سے) پوچھا ''کیا حائضہ بھی؟''۔ حضرت ام عطیہؓ نے فرمایا'' (تعجب کی کیا بات ہے۔کیا حائضہ عورت عرفہ (منی،

مزدلفہ) وغیرہ وغیرہ مقامات پر نہیں جاتی؟'۔ (صحیح بخاری ۱۶۵۲ و ۳۲۴ و ۹۸۰)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

انہ حق علی النساء الخروج الی العید حکاہ القاضی عیاضؒ عن أبی بکرؓ و علیؓ و ابن عمرؓ وقد روی ابن أبی شیبةؒ عن أبی بکرؓ و علیؓ أنهما قالا حق علیٰ کلّ ذات نطاق الخروج الی العیدین (نیل الأوطار، ج ۳، ص ۲۸۸)۔ قاضی عیاضؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ عورتوں پر عیدگاہ جانا فرض ہے اور امام ابن ابی شیبہؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت کیا ہے کہ ہر جوان عورت پر عیدین میں (عید کی نماز کے لئے) نکلنا ضروری ہے (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۲۸۸)۔

عید کا دن بڑی خیر و برکت، مغفرت اور انعامِ ربانی کا دن ہے اور اس دن کی برکتوں سے مستفید ہونے اور اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کی مغفرت میں شامل ہونے کا عورتوں کو بھی حق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں خواتین کی حاضری کو ہر حال میں ضروری قرار دیا۔ حتی کہ کسی کے پاس چادر نہ ہونے کا عذر بھی قبول نہیں فرمایا۔ پردہ نشین لڑکیوں حتی کہ حائضہ عورتوں کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ ان کو بھی حکم دیا کہ وہ عیدگاہ ضرور جائیں تا کہ وہ اس دن کی خیر و برکت، طہارت و پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم نہ رہیں۔ حائضہ عورتیں البتہ نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اتنے واضح حکم اور اتنی تاکید کے باوجود کسی فرقے والوں نے اس حکم کو وہ اہمیت نہیں دی جو دینی چاہئے تھی حتیٰ کہ بعض لوگوں کی جرأت پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کے عیدگاہ جانے کو مکروہ قرار دے دیا۔ جس بات کا رسول اللہ ﷺ حکم دیں اور اتنی تاکید فرمائیں اس کو مکروہ قرار دینا بہت بڑی جرأت کا کام ہے۔ کیا ایک مسلم سے جو نبی کا کلمہ پڑھتا ہے، اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے؟

(۱۷) سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جب سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو آپ ﷺ مسجد میں نماز کا اہتمام فرماتے اور اس وقت تک نماز پڑھاتے جب تک گرہن ختم نہ ہو جاتا (صحیح بخاری ۱۰۴۰، ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷)۔ اس نماز میں عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں (صحیح بخاری ۹۲۲، صحیح مسلم ۲۱۰۷، ۲۱۰۸)۔

نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے گرہن کی نماز پڑھائی بلکہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی حکم دیا کہ جب گرہن ہو تو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے اس وقت تک نماز پڑھتے رہو۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فاذارأ يتموهما فافزعوا الى الصلاة وفى رواية فصلو ا حتى يفرج عنكم متفق عليه

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھو تو گھبرا کے نماز کی طرف جاؤ اور نماز پڑھتے رہو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری ۱۰۴۶، ۱۲۱۲، صحیح مسلم ۲۰۹۱)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فاذا رأيتمو هما فصلو ا متفق عليه

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھو تو نماز پڑھو (صحیح بخاری ۱۰۴۲، صحیح مسلم ۲۱۲۱)۔

۳۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا۔

فاذا رأيتموهما فادعو ا اللّٰه وصلو احتى ينجلى (ينكشف) متفق عليه

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری ۱۰۶۰، صحیح مسلم ۲۱۲۲)۔

۴۔ حضرت ابوبکرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

فاذا رأيتموها فصلوا وادعوا حتى ينكشف ما بكم رواه البخاري ۔جب تم گرہن دیکھوتو نماز پڑھواور دعا مانگو یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجائے (صحیح بخاری ۱۰۴۰)۔

۵۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

فاذا رايتم شيئا من ذلك فصلوا حتى تنجلي رواه مسلم

جب تم سورج یا چاند گرہن میں سے کچھ دیکھوتو نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجائے۔(صحیح مسلم ۲۱۰۲)۔

۶۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

فاذا رأيتموها فقوموا فصلوا متفق عليه وزاد مسلم في رواية حتى يكشف ما بكم

جب تم گرہن دیکھوتو کھڑے ہوجاؤ اور نماز پڑھو (صحیح بخاری ۱۰۴۱، صحیح مسلم ۲۱۱۵) یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجائے (صحیح مسلم ۲۱۱۴)۔

مندرجہ بالا احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتو فوراً نماز پڑھواور اس وقت تک پڑھتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ اس نماز کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اعلان کرواتے تھے **الصلاة جامعة** ۔نماز کے لئے جمع ہوجاؤ (صحیح بخاری ۱۰۴۵، صحیح مسلم ۲۱۱۳)۔ مرد اور عورتیں سب جمع ہوجاتے تھے اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور اس نماز کی اتنی اہمیت تھی کہ ضعیف العمر، کمزور اور بیمار عورتیں بھی جماعت میں شامل ہوتی تھیں (صحیح مسلم ۲۱۰۷، ۲۱۰۸)۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اتنے واضح احکامات اور اتنی تاکید کے باوجود کسی فرقے کی مسجد میں ان نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سنت کو زندہ کیا اور اپنی مساجد میں ان نمازوں کا باقاعدہ اہتمام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(۱۸) قیام اللیل کے مسنون طریقے کا اجراء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے تھے اور اسی کا آپؐ نے اپنی امت کو بھی حکم دیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اذاقام من الليل افتتح صلاته بركعتين خفيفتين رواه مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو (نماز تہجد) کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتدا دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے۔ (صحیح مسلم ۱۸۰۶)۔

عن زيد بن خالد الجهني أنه قال لأرمُقَنَّ صلاةَ رسول الله صلى الله عليه و سلم الليلة ، فصلّى ركعتين خفيفتين ثم صلّى ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلّى ركعتين و هما دون اللتين قبلهما ثم صلّى ركعتين و هما دون اللَّتَينِ قبلَهما ثم صلّى ركعتين و هما دون اللتين قبلهما ثم صلّى ركعتين و هما دون اللَّتَيْنِ قبلَهما ثم أوتر فذلك ثلاث عشرة ركعةً رواه مسلم ۔

حضرت زید بن خالد الجہنیؓ فرماتے ہیں میں نے کہا آج رات میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا۔ آپؐ نے دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر دو رکعتیں (بہت) لمبی، (بہت) لمبی، (بہت) لمبی پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلے کی رکعتوں سے کم (لمبی) تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلے والی دو رکعتوں سے کم تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلے کی دو رکعتوں سے کم تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلے کی دو رکعتوں سے کم تھیں۔ پھر آپؐ نے (ایک رکعت) وتر پڑھا۔ پس یہ (کُل) تیرہ (۱۳) رکعتیں ہوئیں۔ (صحیح مسلم ۱۸۰۴)۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا قام أحدكم من الليل فليفتتح الصلاة بركعتين خفيفتين رواه مسلم ۔جب تم میں سے کوئی رات کو قیام کرے تو اسے چاہئے کہ نماز کی ابتدا دو ہلکی رکعتوں سے کرے (صحیح مسلم ۱۸۰۷)۔

پس قیام اللیل (تہجد وتر اوتح) کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دو رکعتیں ہلکی پڑھے پھر دو رکعتیں بہت لمبی پڑھے پھر بتدریج ہلکی رکعتیں پڑھتا رہے۔اس کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر کسی مسجد میں عمل نہیں ہوتا۔شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سنت کو زندہ فرمایا۔اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

(۱۹) تین رکعت وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔امام محمد بن نصر مروزیؒ فرماتے ہیں

لم نجد عن النبيّ صلى اللّٰه عليه و سلم خبراً ثابتاً صريحاً أنّه أوتر بثلاث موصولة نعم ثبت عنه أنه أوتر بثلاث لكن لم يبين الراوى هل هى موصولة أو مفصولة (نيل الاوطار، ج ٣، ص ٣٦)۔

ہمیں کوئی صحیح ،صریح حدیث نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت وتر موصول (یعنی ایک سلام سے) پڑھے ہوں۔ہاں یہ ضرور ثابت ہے کہ آپؐ نے تین رکعت وتر پڑھے لیکن اس میں راوی نے یہ صراحت نہیں کی کہ آپؐ نے موصول پڑھے یا مفصول (یعنی ایک سلام سے

پڑھے یا دو سلام سے)۔ (نیل الاوطار، ج ۳، ص ۳٦)۔

تین رکعت وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت پڑھے۔

(۱) حضرت نافعؒ فرماتے ہیں۔ان عبد اللّٰہ بن عمرؓ کان یسلم بین الرکعتین و الرکعة فی الوتر حتی یأمرَ ببعض حاجته رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ (اسی دوران) اپنے کسی کام کا حکم دے دیا کرتے تھے (صحیح بخاری ۹۹۱)۔

عن ابن عمرؓ أنَّه کان یفصل بین شفعه و وتره بتسلیمةٍ و أخبر أنَّ النبیَّ صلی اللّٰه علیه و سلم کان یفعله رواه الطحاوی و قال الحافظ ابن حجر اسناده قوی (فتح الباری، ج ۲، ص ۵۵۹)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی (نماز کی) جفت اور طاق (رکعتوں) کے درمیان سلام پھیر کر ان کو جدا کر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (طحاوی)۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کی سند قوی ہے (فتح الباری، ج ۲، ص ۵۵۹)۔

(۲) صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح وتر پڑھنا ثابت ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث تو بہت مشہور ہے جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ ''رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپؐ پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے نہ پوچھو وہ کتنی حسین (خوبصورت) اور کتنی طویل ہوتی تھیں۔ پھر آپؐ چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ نہ پوچھو وہ بھی کتنی حسین وطویل ہوتی تھیں۔ پھر آپؐ تین رکعتیں پڑھتے تھے (صحیح بخاری ۱۱۴۷)۔ اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنے کی دلیل لینا درست نہیں اس لئے کہ اگر ہم اس حدیث سے یہ دلیل لیں گے تو پھر چار رکعتوں کا بھی ایک سلام سے پڑھنا لازم آئے گا جس کا کوئی قائل نہیں ۔پس معلوم ہوا کہ نہ چار رکعتیں آپؐ ایک سلام سے پڑھتے تھے اور نہ تین رکعتیں

ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ بلکہ آپؐ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے بالوضاحت ثابت ہے۔

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ خود ہی ان گیارہ رکعات کے پڑھنے کی تفصیل بیان فرماتی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یُصَلّی فیما بین أن یفرغَ من صلاۃِ العشاءِ الی الفجر احدی عشرۃ رکعةً یُسَلّمُ بین کُلّ رکعتَینِ و یُوتِرُ بواحِدۃٍ رواہ مسلم

عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے فجر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر آپؐ سلام پھیرتے تھے اور (پھر) ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ۱۷۱۸)۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں

کان رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یُصَلّی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ و یوتر برکعةٍ رواہ مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ۱۷۶۱)۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ ہر دو رکعت پہ سلام پھیرتے تھے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔ فصلّی رکعتین ثم رکعتین ثُمَّ رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم أوتر متفق علیہ۔

آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپؐ نے وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری ۱۸۳، صحیح مسلم ۱۷۸۹)۔

(۶) حضرت زید بن خالد جُہَنیؓ اس سے بھی زیادہ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لأرمُقَنَّ صلاۃَ رسولِ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ و سلّم اللّیلۃَ ، فصلّی رکعتَینِ خفیفتَینِ ،ثُمَّ صلّی رکعتین طویلتَینِ طویلتین طویلتین ،ثم صلّی رکعتین و ھما دون اللّتَینِ قبلَھُما، ثم صلّی رکعتین و ھما دون اللّتَینِ

قبلهما، ثم صلّی رکعتین و هما دون اللّتَینِ قبلَهما، ثم صلّی رکعتین و هما دون اللتين قبلهما، ثم أوتر، فذٰلِك ثلاثَ عشْرةَ رکعةً، رواه مسلم

(میں نے سوچا کہ) آج رات میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا۔ آپ ؐ نے (سب سے پہلے) دو رکعتیں ہلکی پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی، لمبی، (بہت) لمبی پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اِن سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اِن سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں، پھر آپ ؐ نے وتر پڑھا۔ یہ کُل تیرہ (۱۳) رکعتیں ہوئیں۔ (صحیح مسلم ۱۸۰۴)۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ایک شخص نے کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ اللیل کے متعلق سوال کیا۔ آپ ؐ نے فرمایا

صلاة الليل مثنٰی مثنٰی، فاِذا خشيتَ الصُّبحَ فأوتر بواحدةٍ متفق عليه۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب تمہیں ڈر ہو کہ صبح ہونے والی ہے تو ایک رکعت وتر پڑھ لو (صحیح بخاری ۱۷۵۰، صحیح مسلم ۱۷۶۳)۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ ''مثنٰی مثنٰی'' کا کیا مطلب ہے۔ آپؐ نے فرمایا '' أن تُسَلّمَ فی کُلّ رکعتین '' کہ تم ہر دو رکعت پہ سلام پھیر دو'' ۔(صحیح مسلم ۱۷۶۳)۔

نوٹ: مسند احمد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے یعنی ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے سیدنا امام احمد بن حنبلؒ نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے دادا عبدالسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم يوتر بثلاث لا يفصل بينهن رواه احمد و النسائی(۱۶۹۹) و لفظه کان لا يسلم فی رکعتی الوتر وقد ضعف احمد اسناده (نيل الاوطار، ج ۳، ص۳۵)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ان کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے۔(مسند امام احمدؒ، نسائی ۱۶۹۹) اور نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں کہ آپؐ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔(یہ روایت دارقطنی میں بھی ہے۔حدیث نمبر ۱۶۴۹)۔سیدنا امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔(نیل الاوطار ج ۳، ص ۳۵)۔

اس کے علاوہ دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر الليل ثلاث كوتر النهار صلاة المغرب (دارقطني رقم الحديث ١٦٣٧)۔رات کے وتر تین ہیں،دن کے وتر نماز مغرب کی طرح۔امام دارقطنی کہتے ہیں اس میں ایک راوی یحیٰی بن زکریا جس کو ابن ابی الحاجب بھی کہا جاتا ہے ضعیف ہے۔علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں اسے دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت کیا ہے اس میں اسمٰعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے (مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول،ص ۳۳۶)۔ مجھے یہ روایت دارقطنی مین نہیں ملی۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا'' کا استعمال

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا'' کا استعمال تحریر و تقریر میں عام تھا اور اس لفظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا تھا۔بڑے بڑے علماء یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ''اللہ اسم عَلَم ہے۔نہ اس کا ترجمہ ہوسکتا ہے اور نہ اس نام کا کوئی متبادل ہوسکتا ہے۔شروع شروع میں لوگوں کو یہ بات بہت عجیب لگی اور انہوں نے آپ کی بہت مخالفت کی لیکن پھر آہستہ آہستہ بہت لوگ اس بارے میں آپ کے ہم خیال ہوگئے۔اور انہوں نے اس بارے میں شیخ الاسلام کی تائید کی۔

ایک صاحب ہیں رشید اللہ یعقوب۔انہوں نے اس موضوع پر دو کافی

تفصیلی کتابیں تحریر کیں:

ا۔'' اللہ رب العالمین، خدا یا گوڈ''۔

۲۔'' اللہ وحدہ لاشریک لہ اور خدا''

مجھے ان دو کتابوں میں سے صرف ایک ہی مل سکی۔

علامہ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی سجادہ نشین گولڑہ شریف نے بھی ایک کتاب ''لفظ اللہ کی تحقیق'' کے نام سے اسی موضوع پر لکھی ہے۔ یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری البتہ اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں

'' میری کوشش رہتی ہے کہ خدا کی جگہ لفظ ''اللہ'' ہی استعمال کروں۔ جن اشعار میں خدا کا لفظ استعمال کر دیا وہ تو ہو گیا لیکن جب سے یہ بات بطور مسئلہ سمجھ میں آئی تو اس کے بعد کوشش یہی رہتی ہے کہ نظم و نثر میں خدا کی جگہ لفظ ''اللہ'' ہی لکھوں''۔

میں نے بھی اپنی کتاب ''طیب الریاحین'' جلد اول میں کافی تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں بھی مختصراً عرض ہے۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''اللہ اسم ذات ہے۔ یہ خالق کائنات کا اصلی نام ہے۔ اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ لفظ اللہ کے جو ترجمے اب تک کئے جاتے رہے ہیں خواہ وہ کسی زبان میں ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے شایان شان نہیں''۔

''خدا'' یہ فارسی لفظ ہے۔ پارسیوں کے عقیدے کے مطابق خدا دو ہیں۔ ایک نیکی کا خدا جسے یزدان کہتے ہیں۔ دوسرا بدی کا خدا جسے اہرمن کہتے ہیں۔ گویا ہر خدا ناقص ہے۔ ہر ایک کی بادشاہت ناقص ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات نقص سے منزّہ ہے۔ اس کی بادشاہت کامل ہے۔ ناقص نہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ تمام کمزوریوں، مجبوریوں، برائیوں اور نقائص سے بالکل پاک ہے۔ اس کی حکومت نیکی پر بھی ہے اور بدی پر بھی۔ کیونکہ پارسیوں کے عقیدے کے مطابق ''خدا'' ناقص ہے لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ''خدا'' استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفسیر قرآن عزیز، جلد اول، ص ۲۲)۔

" اللہ" کے لفظ کا یہ امتیاز ہے کہ یہ ہر صورت میں صرف اللہ سبحانہ و
تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہ وہ لفظ ہے جس کی نہ جمع ہے نہ اس کی جنس
ہے۔ انگریزی کا لفظ God بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شایانِ شان نہیں اس
لئے کہ God کی جمع Gods ہے جبکہ ''اللہ'' کی کوئی جمع نہیں۔ اسی
طرح God کا مؤنث Goddess ہے جبکہ اللہ کی کوئی جنس نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا'' کے استعمال پر
مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا بطلان اظہر من الشمس
ہے۔ ایسا اجماع تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ ''خدا'' فارسی زبان کا لفظ ہے
اور یہ برصغیر پاک و ہند اور ایران کے علاوہ کہیں اور مستعمل ہی نہیں۔ عرب
ممالک مثلاً سعودی عرب، مصر، لیبیا، شام، اردن، لبنان، کویت، امارات،
بحرین، قطر، یمن، اومان، الجزائر، مراکش، تیونس، سوڈان وغیرہ۔ ان کے علاوہ
ترکی، البانیہ، چین، وسطی ایشیائی ریاستیں، انڈونیشیا، ملیشیا، برونائی، فلپائن وغیرہ
وغیرہ جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد ہے وہاں یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ پھر
اجماع کا دعویٰ چہ معنی دارد!

لفظ ''خدا'' اس لئے بھی لفظ ''اللہ'' کا متبادل نہیں ہو سکتا کہ لفظ
''اللہ'' خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے اور یہ بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے
کہ کونسا نام اس کے لئے مناسب اور اس کے شایانِ شان ہے۔

(۲۱) اَلتَّیَمُّن

(دائیں طرف سے ابتداء کرنا، دائیں ہاتھ سے دینا، دائیں ہاتھ سے لینا)

رسول اللہ ﷺ ہر کام دائیں جانب سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یعجبه [یحب] التَّیمُّن فی تَنعَلُّه وترجّله وطُهُوره [وضوئه] وفی شانه کلّه متفق علیه ۔نبی پاک ﷺ دائیں جانب سے ابتدا کرنا پسند فرماتے تھے، جوتی پہننے میں بھی، کنگھی کرنے میں بھی، پاکی اور وضو کرنے میں بھی اور اپنے تمام کاموں میں۔ (صحیح بخاری ۱۶۸ و ۵۹۲۶، صحیح مسلم ۶۱۷)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا لبس قمیصاً بدأ بمیامنه رواه الترمذی وصححه وقال التلیدی وتفرد عبد الصمد برفعه لا یضر فانه امام ثقه فزیادته مقبولة .

رسول اللہ ﷺ جب قمیص پہنتے تو دائیں جانب سے شروع کرتے (ترمذی ۱۷۶۶، منہاج ص ۴۳۵)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لَمَّا رمی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الْجَمرة وَنَحر نُسُکَهُ وَحَلَقَ ناول الحالق شِقَّهُ الأیمنَ فحلقه ثم دعاا باطلحة الانصاریَّ فاعطاه ایاه ثم ناوله الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین الناس ، رواه مسلم

جب رسول اللہ ﷺ (حجۃ الوداع کے موقع پر) رمی سے فارغ ہوئے، اپنی قربانی ذبح کی اور سر کے بال منڈوانے کے لئے آپ ﷺ نے

نائی (حجام) کی طرف اپنے سر کا دایاں حصہ کر دیا۔ اس نے اسے مونڈا پھر آپ ﷺ نے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال انہیں دے دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے (اپنے سر کا) بایاں حصہ نائی کی طرف کیا اور اس سے کہا ''مونڈو'' اس نے مونڈا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ بال بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیئے اور ان سے فرمایا ''انہیں لوگوں میں تقسیم کردو'' (صحیح مسلم ۳۱۵۵)۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد اور حضرت ام سلیمؓ کے شوہر تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحب التَّیامن، یاخذ بیمینہ ویعطی بیمینہ و یحب التیمن فی جمیع امورہ رواہ النسائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب (سے ابتدا کرنے) کو پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ لیتے بھی دائیں ہاتھ سے تھے اور دیتے بھی دائیں ہاتھ سے تھے اور اپنے تمام کاموں میں دائیں جانب سے کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (نسائی ۵۰۲۶)۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اُتِیَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقدح فشرب منہ وعن یمینہ غلام اصغر القوم والا شیاخ عن یسارہ فقال ''یا غلام أتأذَن لی ان اعطیہ الاشیاخ؟ ''قال ما کنت لاوثر بفضلی (بنصیبی) منک احداً یارسول اللہ، فاعطاہ ایاہ متفق علیہ .

نبی ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے پیا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک لڑکا تھا جو ان لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا اور بزرگ حضرات آپ ﷺ کے بائیں جانب تھے۔ آپ نے لڑکے سے فرمایا۔ ''اے لڑکے، کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں (یہ پیالہ) بزرگ حضرات کو دے دوں؟'' اس لڑکے نے کہا ''یارسول اللہ۔ آپ کی طرف سے مجھ کو جو مل رہا ہے۔ میں اس پر کسی اور کو ترجیح نہ دوں گا۔'' پس رسول اللہ ﷺ نے وہ پیالہ اس لڑکے کو دے دیا۔ (صحیح بخاری ۲۳۵۱، صحیح مسلم ۵۲۹۲)۔

رسول اللہ ﷺ نہ صرف یہ کہ دائیں ، جانب سے ابتداء فرماتے تھے، دائیں ہاتھ سے دیتے تھے، دائیں ہاتھ سے لیتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے ان باتوں کا اپنی امت کو حکم بھی دیا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے

اتـا نـا رسـول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاستسقی فحلبنا له شـاة لـنـا ثـم شُبْتُهُ مـن مـاء بئرنا هذه فاعطیته وابو بکرؓ عن یساره وعـمـرؓ تـجـاهـه واعرابی عن یمینه فلمّا فرغ قال عمرؓ [وخاف ان یـعـطیـه الاعـرابـی اعط ابابکر] هذا ابوبکر (یارسول اللّٰه) فاعطی الاعـرابـی فـضـلـه (وتـرک ابـا بـکـرؓ و عـمـرؓ) ثم قال "اَلأیمنُونَ اَلأیـمَـنُون ، الا فَیَمِنّوا" قال انس فهی سنة فهی سنة ،ثلاث مرات ' متفق علیه .

رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے ۔آپ ﷺ نے پانی مانگا۔ہم نے آپ ﷺ کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہا پھر اس میں اپنے اس کنویں کا پانی ملایا۔ پھر وہ میں نے آپ ﷺ کو دیا۔آپ ﷺ کے بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے تھے اور ایک اعرابی آپ ﷺ کے دائیں جانب تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ پی چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ (بچا ہوا دودھ) اعرابی کو نہ دے دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ یہ ابوبکر ہیں ان کو دے دیجئے۔آپ ﷺ نے اعرابی کو دے دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، پھر فرمایا۔''دائیں طرف والے، دائیں طرف والے۔خبردار دائیں طرف سے ابتداء کرو۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''پس یہ سنت ہے، یہ سنت ہے، یہ سنت ہے۔'' (صحیح بخاری ۲۵۷۱، ۲۳۵۲، صحیح مسلم ۵۲۹۱)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اذا انتـعـل احد کم فلیبدأ بالیمین واذاانتزع فلیبدأ بالشمال، لتکن الیـمـنی اولهما تنعل و آخرهما تنزع متفق علیه واللفظ للبخاری ۔

''جب تم میں سے کوئی جوتی پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے

بائیں پیر سے اتارے۔ دائیں جوتی پہننے میں اول ہونی چاہیے اور اترنے میں آخر‘‘ (صحیح بخاری ۵۸۵۶، صحیح مسلم ۵۴۹۵)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

”اذا لبستم واذا توضا تم فابدء و بمیا منکم (بایا منکم) “

رواہ احمد و ابو داود وابن حبان والبیھقی ۔”جب تم پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں اعضاء سے شروع کرو۔“ (مسند امام احمدؒ ۸۴۳۸، سنن ابی داؤد ۴۱۴۱، صحیح ابن حبان ۱۰۹۰، سنن بیہقی ۔تھذیب الترمذی ج ۲، ص ۳۲۳۔ منھاج المسلمین ص ۴۳۵)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لا یا کلن احد منکم بشماله و لا یشر بن بھا فان الشیطان یا کل بشماله ویشرب بھا و لا یاخذ بھا و لا یعطی بھا رواہ مسلم

تم میں سے کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیئے۔ کیونکہ بے شک شیطان اپنے الٹے ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔ اور نہ کوئی الٹے (بائیں) ہاتھ سے لے اور نہ دے (صحیح مسلم ۵۲٦۷)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لیا کل احد کم بیمینه و لیشرب بیمینه و لیا خذ بیمینه و لیعط بیمینه فان الشیطان یا کل بشماله ویشرب بشماله ویعطی بشماله ویاخذ بشماله رواہ ابن ماجة قال البوصیر ی قال فی الزوائد اسنادہ صحیح رجاله ثقات (کفایة الحاجة فی تحقیق سنن ابن ماجه للبوصیری).

تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنے سیدھے (دائیں) ہاتھ سے کھائے اور سیدھے ہاتھ سے پیئے اور سیدھے ہاتھ سے لے اور سیدھے ہاتھ سے دے۔ بے شک شیطان اپنے الٹے (بائیں) ہاتھ سے کھاتا ہے، الٹے ہاتھ سے پیتا ہے، الٹے ہاتھ سے دیتا ہے اور الٹے ہاتھ سے لیتا ہے۔ (ابن ماجہ۔ ۳۲٦٦۔ منھاج

المسلمین ۔ص ۳۹۷ و ۴۱۹)۔ بوصیری لکھتے ہیں، زوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اوراس کے راوی ثقہ ہیں (کفایۃ الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یعقد التسبیح رواہ النسائی والحاکم وزاد الترمذی وابن جبان "بیدہ" وزاد ابو "داود بیمینه"، قال التلیدی سندہ، صحیح ورجاله ثقات (تهذیب الترمذی، ج ۳، ص ۳۸۲) وقال فی موضع آخر سندہ صحیح علی شرط البخاری وعطاء بن السائب وان کان قد اختلط فان شعبة والثوری ممن سمع منه قبل الاختلاط وهما من رواۃ هذا الحدیث (تهذیب الترمذی، ج ۳، ص ۲۱۰) والحدیث سکت عنه ابو داود والمنذری وصححه الحاکم ووافقه الذهبی .

میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ تسبیح کا حساب رکھتے تھے (نسائی ۱۳۵۶، حاکم ۲۰۴۹) اپنے ہاتھ سے (ترمذی ۳۴۱۱ و ۳۴۸۶، ابن حبان ۸۴۳) اور ابوداؤد میں ہے کہ آپ سیدھے ہاتھ سے تسبیح گنتے تھے۔ (ابوداؤد ۱۵۰۲) (منہاج المسلمین ، ص ۳۹۷)۔اس حدیث پر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت کیا ہے۔امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت کی ہے۔تلیدی لکھتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اوراس کے راوی ثقہ ہیں (تھذیب الترمذی، ج ۳، ص ۳۸۲)۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں اس کی سند امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر صحیح ہے۔اس کے ایک راوی عطاء بن سائب کا حافظہ اگرچہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا لیکن امام شعبہ اور امام ثوریؒ نے ان کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے ان سے سنا تھا اور وہ دونوں اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ (تھذیب الترمذی ج ۳، ص ۲۱۰)

عطاء بن سائب سے اس حدیث کو امام اعمشؒ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، حاکم، ابن حبان) اور امام شعبہؒ (مستدرک حاکم) نے روایت کیا ہے جبکہ سفیان ثوری کی روایت مجھے نہیں ملی۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں طرف سے ابتداء کرنے کی اور

دائیں ہاتھ سے دینے اور دائیں ہاتھ سے لینے کی کتنی اہمیت ہے۔لیکن میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عمل بالحدیث کے دعوے دار اس معاملے میں بہت مداہنت سے کام لیتے ہیں۔جبکہ والد صاحب اس پر بڑی سختی سے خود بھی عمل کرتے تھےاور دوسروں سے بھی کرواتے تھے۔اگر آپ کسی کو کوئی چیز دیتے اور وہ لینے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ بڑھاتا تو اسے نہ دیتے اور اس سے کہتے کہ دائیں ہاتھ سے لو۔ اسی طرح اگر کوئی آپ کو کوئی چیز بائیں ہاتھ سے دیتا تو آپ نہ لیتے اور اس سے کہتے کہ دائیں ہاتھ سے دو۔اگر آپ کے سامنے کوئی پہلے دائیں پیر سے جوتی اتارتا تو آپ اس سے کہتے کہ دوبارہ پہنو اور پہلے بائیں پیر سے اتارو اور اگر کوئی پہلے بائیں پیر میں جوتی پہنتا تو آپ اس سے جوتی اترواتے اور اس سے کہتے کہ پہلے دائیں پیر میں پہنو۔الغرض آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور موقع پر ہی اصلاح فرما دیا کرتے۔

دوسری بات یہ کہ دوسروں کی نظر میں کوئی سنت کتنی ہی معمولی اور غیر اہم ہو لیکن آپ ہر سنت کو اہمیت دیتے ،اس پر خود بھی عمل کرتے اور دوسروں سے بھی کرواتے۔

اور تیسری بات یہ کہ کیسی ہی محفل ہو آپ سنت پر عمل کرنے سے نہ ہچکچاتے اور نہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے۔مثلاً کیسی ہی محفل ہو آپ ہمیشہ کھانا کھانے کے بعد اپنی رکابی کو صاف کرتے اور اپنی انگلیوں کو چاٹتے اور اس میں کسی قسم کی خفت محسوس نہ کرتے بلکہ اس کے برعکس سنت رسول پر عمل کرنے میں فخر محسوس کرتے اور فرماتے کہ سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔تو جو شخص سب سے اچھے طریقے پر عمل کر رہا ہو اس کو شرمانے کی یا احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

(۲۲) کھانے کے آداب

عن کعب بن مالکؓ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یأکل بثلاث اصابع فاذا فرغ لعقها (رواه مسلم)۔ حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔ (صحیح مسلم ۵۲۹۸)۔

انگلیوں کو چاٹنا نہ صرف سنت ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذااکل احدکم طعاما فلا یمسح یده حتی یَلعَقها او یُلعِقها (متفق علیه)

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے جب تک اسے چاٹ نہ لے یا چٹوا نہ لے۔ (صحیح بخاری ۵۴۵۶، صحیح مسلم ۵۲۹۴)۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ولا یمسح یده بالمندیل حتی یلعق اصابعه فانه لایدری فی ایّ طعامه البرکة

یعنی اپنے ہاتھ کورومال سے نہ پونچھے جب تک اپنی انگلیوں کو چاٹ نہ لے اس لئے کہ اسے نہیں معلوم اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ (صحیح مسلم ۵۳۰۱)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ أمر بلعق الاصابع والصحفة وقال انکم لاتد رون فی ایه البرکة (رواه مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا تم نہیں جانتے اس کے کس حصے میں برکت ہے۔ (صحیح مسلم ۵۳۰۰)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذااکل احدکم فلیلعق اصابعه فانه لایدری فی أیتهن البرکة (رواه مسلم)

جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے۔ اسے نہیں

معلوم کہ ان میں سے کس میں برکت ہے۔ (صحیح مسلم ۵۳۰۷)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

وامرنا ان نسلُت القصعة قال فانکم لاتد رون فی ای طعامکم البرکة

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم رکابی کو چاٹیں اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم نہیں جانتے تمہارے کس کھانے میں برکت ہے (صحیح مسلم ۵۳۰۶)۔

یہ تمام صحیح بخاری، صحیح مسلم کی احادیث ہیں جن کے مطابق کھانا (دائیں ہاتھ کی) تین انگلیوں سے کھانا چاہئے اور کھانے کے بعد انگلیوں اور رکابی کو چاٹ لینا چاہئے۔ ان احادیث کو تسلیم تو سب کرتے ہیں لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ والد صاحب نے بڑی تاکید کے ساتھ ان باتوں پر عمل کرایا۔ جماعت کے اجتماعات کے دوران کھانے سے پیشتر کھانے کے آداب بڑی تفصیل سے بیان کئے جاتے تھے اور اب بھی بیان کئے جاتے ہیں اور کھانے کے دوران ان پر پوری طرح عمل کیا جاتا ہے۔

(۲۳) کھڑے ہوکر پینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں

عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم انہ نھیٰ ان یشرب الرجل قائماً رواہ مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر پیئے۔ (صحیح مسلم ۵۲۷۵)۔

(۲) حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (صحیح مسلم ۵۲۷۸)۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا بلکہ اس بات پر ڈانٹا بھی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم زجرعن الشرب قائماً۔ رواہ مسلم

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پینے پر ڈانٹا (صحیح مسلم ۵۲۷۷)۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ڈانٹنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا

لا یشربنَّ احد منکم قائماً، فمن نسی فلیستقیء رواہ مسلم

''تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر **ہرگز** نہ پیئے۔ اگر کوئی بھولے سے پی لے تو قے کردے (صحیح مسلم ۵۲۷۹)۔

(۵) عن ابی ھریرۃؓ عن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ و سلم انہ رای رجلاً یشرب قائماً فقال لہ قہ، قال لمہ؟، قال "اَیسرُّك ان یشرب معك الھر؟" قال لا، قال " فانہ قد شرب معك من ھو شر منہ الشیطان رواہ احمد والدارمیؒ والبزّار

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھڑے ہوکر پانی پیتے دیکھا تو اس سے فرمایا ''قے کردو''۔ اس نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا ''کیا تمہیں یہ اچھا لگے گا کہ تمہارے ساتھ بلّی پیئے؟''۔ اس شخص نے کہا ''نہیں''۔ آپؐ نے فرمایا '' تو پھر تمہارے ساتھ تو اس نے پیا ہے جو بلی سے بھی زیادہ برا ہے یعنی شیطان''۔ (مسند امام احمدؒ ۷۹۴۳، دارمی ۲۱۲۸، بزار)۔ اس کے راوی ابوزیاد الطحان کو جو حضرت حسنؓ کے غلام تھے امام یحیی بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۸۵ و نیل الاوطار۔ ج ۸، ص ۱۹۴)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۸۲۴۱)۔

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لو یعلم الذی یشرب و ھو قائم ما فی بطنہ لاستقاءہ رواہ احمد و ابن حبان

کھڑے ہوکر پینے والے کو اگر معلوم ہوجائے کہ اس کے پیٹ میں کیا (چلا) گیا ہے تو وہ قے کرکے اسے باہر نکال دے۔ (مسند امام احمد ج ۲، رقم ۷۷۴۹، ابن حبان ۵۳۲۴)۔ اسے امام ابن حبانؒ نے صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰، ص ۸۵)۔ اور حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۸۹، رقم ۸۲۴۲)۔

مندرجہ بالا احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم نے کھڑے ہوکر پینے سے کتنی سختی سے منع فرمایا ہے، اس بات پر آپ ؐ نے ڈانٹا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ اگر بھولے سے بھی کھڑے ہوکر پی لو تو قے کردو۔ جو کھڑے ہوکر پیتا ہے شیطان اس کا ہم پیالہ بن جاتا ہے۔ کیا اتنی سختیوں کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں۔ کھڑے ہوکر پینا جائز ہے۔ یا یہ کہ کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت صرف تنزیہی ہے؟۔

میرا سوال ہے کہ اگر یہ جائز ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پینے والے کو کیوں ڈانٹا؟۔ کیا کسی جائز کام پر کسی کو ڈانٹنا صحیح ہے؟ کیا کسی جائز کام پر کسی کی سرزنش کی جاسکتی ہے؟۔

امام ابن حزمؒ اسی طرف گئے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینا حرام ہے۔

اور شاید یہی بات صواب کے قریب ہے۔ اس لئے کہ ''زجر'' کا لفظ اور ''قے کردینے کا حکم'' ممانعت تنزیہی کا ساتھ نہیں دیتے۔

یہاں سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۱، ص ۳۴۰
سے عبارت نقل کی گئی تھی جسے حذف کردیا گیا

کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت کی جو احادیث اوپر نقل کی گئیں ان کی موجودگی میں اگر ہمیں صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا کسی صحابی کا کھڑے ہوکر پینے کا ذکر ملتا ہے تو ایسی صورت میں ہمارا کیا فرض بنتا ہے؟۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ایسی صورت میں احادیث کو باہم ٹکرانے کے بجائے ہم متعارض احادیث میں تطبیق کی صورتیں تلاش کریں۔

(۱) اگر کسی صحابی سے کھڑے ہوکر پینے کا ثبوت ملتا ہے تو ہم حسن ظن رکھتے ہوئے کہیں گے کہ اس صحابی کو ممانعت کا علم نہ ہوگا۔ اور اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں کہ بعض اکابر صحابہ کو بھی کسی مسئلے کا علم نہیں ہوتا۔

بقول حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ (بیشتر اوقات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ (صحیح بخاری ۳۶۷۷ و ۳۶۸۵)۔ لیکن اس کے باوجود آپؓ کو کسی کے گھر جاکر زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ اجازت لینے کے مسئلے کا علم نہیں تھا۔ یہ مسئلہ آپ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے بتایا (صحیح بخاری ۶۲۴۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ

رہتے تھے۔ آپؐ کی نعلین مبارک، تکیہ، مسواک اور لوٹا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے پاس ہی ہوتا تھا (صحیح بخاری ۳۷۶۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اتنا زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جاتے تھے کہ نئے لوگ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھتے تھے (صحیح بخاری ۳۷۶۳)۔ اتنا ہر وقت کا ساتھ ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تطبیق کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوسکا۔ (صحیح مسلم ۱۱۹۱ و ۱۱۹۳۔ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۲۴۴)۔

اس قسم کی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

ان السنَّةَ قد تخفىٰ علىٰ بعض اكابر الصحابة و يطلع عليه آحادهم (فتح البارى، ج ۱، ص ۹۶)۔

بے شک (اکثر) ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی سنت بعض بڑے بڑے صحابہ سے پوشیدہ رہ جاتی ہے اور ان کا ایک عام آدمی اس سے واقف ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ہمیں کسی صحابی کے متعلق یہ ملے گا کہ اس نے کھڑے ہوکر پیا تو ہم اس صحابی سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہی کہیں گے کہ اس کو کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت کا علم نہیں تھا۔

(۲) جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ملتا ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہوکر پانی پیا تو اس میں تطبیق کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) یا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے اور ہم کو آپؐ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا فعل آپؐ کے قول کے خلاف ہوتا ہے تو ہم کو آپؐ کے قول پر عمل کرنا ہوتا ہے، فعل پر نہیں۔ مثلاً ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھنا، وصال کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ وصال کے روزوں سے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ (وصال کے روزوں کا مطلب ہے بغیر افطار اور بغیر کچھ کھائے پیئے لگا تار روزے رکھنا)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

نهىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم عن الوصال فى الصوم، فقال له رجل من المسلمين اِنك تواصل يا رسول اللّٰه، قال " و ايكم مثلى؟ انى ابيت يُطعِمنى ربى و يسقينِ"۔ فلما ابوا ان ينتهوا عن الوصالِ واصل بهم يوماً ثم يوماً ثم راو الهلال فقال" لو تاخر لزدتُكم" كالتنكيل لهم حين ابوا ان ينتهوا متفق عليه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزوں سے منع فرمایا۔ مسلمین

میں سے ایک شخص نے آپؐ سے کہا یا رسول اللہ۔ آپ (خود) تو وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”تم میں کون میرا جیسا ہے؟۔ مجھے تو رات کو میرا رب کھلا پلا دیتا ہے“۔ پھر جب (اس ممانعت کے باوجود) کچھ لوگ وصال کے روزے رکھنے سے باز نہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وصال کیا، پھر دوسرے دن وصال کیا۔ پھر (عید کا) چاند نظر آ گیا تو آپؐ نے فرمایا ”اگر ابھی چاند نظر نہ آیا ہوتا تو میں ابھی اور بھی وصال کرتا“۔ گویا اس طرح آپؐ ان لوگوں کو عبرتناک سزا دینا چاہتے تھے جو وصال کے روزے رکھنے سے باز نہ آئے تھے۔ (صحیح بخاری ۱۹۶۵، صحیح مسلم ۲۵۶۶)۔

اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اگر کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں مطابقت نہیں ہے تو وہاں ہمیں آپؐ کے قول پر عمل کرنا ہے۔ عمل پر نہیں۔ اس کے متعلق بڑی تفصیل سے ”قول اور فعل میں تضاد“ کے عنوان کے تحت پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

و قد تقرر فی الاصول ان القول ارجح من الفعل

یہ اصول طے شدہ ہے کہ قول زیادہ راجح ہے فعل سے۔ (نیل الاوطار، ج ۲، ص ۶۲)۔

(۲) تطبیق کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم کہیں یہ صرف آبِ زم زم پینے کے لئے مخصوص ہے۔

(۳) یا آپؐ نے ایسا کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا۔

(۴) لیکن سب سے اچھی تطبیق یہ ہے جو حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت کھڑے ہوئے نہیں تھے بلکہ او نٹ پر سوار تھے جیسا خود حدیث سے ثابت ہے

عن الشعبی ان ابن عباسؓ حدثه قال سقیتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم من زمزمَ فشرب و هو قائم قال عاصم فحلف عکرمةُ ما کان یومئذٍ الا علیٰ بعیر رواه البخاری

امام شعبیؒ نے جب یہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا تو آپ نے وہ پی لیا اور آپ کھڑے ہوئے تھے تو حضرت عِکرِمہؒ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے مگر اونٹ پر۔ (یعنی اس دن آپؐ اونٹ پر ہی بیٹھے رہے ۔ اس سے اترے ہی نہیں) (صحیح بخاری ۱۶۳۷)۔

عند ابن ماجة من هذاالوجه قال عاصم فذكرتُ ذلك لعكرمةَ فحلف باللّٰه ما فعل ای ما شرب قائماً لانه کان حینئذٍ راکباً انتھیٰ۔ (فتح الباری، ج ۳، ص ۵۷۷)۔

ابن ماجہ میں اسی سند کے ساتھ یہ مروی ہے (ابن ماجہ ۳۴۲۲) کہ عاصم نے کہا میں نے یہ بات عکرمہؒ کو بتائی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا یعنی کھڑے ہو کر نہیں پیا کیونکہ آپؐ اُس وقت (اونٹ پر) سوار تھے۔ (فتح الباری، ج۳، ص ۵۷۷)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

قال عکرمة ان مراد ابن عباسؓ بقوله فی الروایة التی جاء ت عن الشعبی فی الذی قبله انه شرب قائماً انما اراد و ھو راکب (فتح الباری ج ۳، ص ۸۸، کتاب الاشربة، باب من شرب و ھو واقف علی بعیره)

حضرت عکرمہؒ نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا اس سے حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ آپؐ سوار تھے۔ (فتح الباری، ح ۵۶۱۸)۔

حضرت عکرمہؒ کی اس وضاحت کے بعد کوئی شک نہیں رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبِ زمزم کھڑے ہو کر نہیں پیا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آبِ زمزم پیا اس وقت آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔

مزید وضاحت کے لئے عرض ہے کہ عربی میں سوار کے لئے ''قائم'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ دلیل کے لئے مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ کیجئے۔

(ا) کان ابن عمرؓ اذا صلّی بالغداة بذی الحُلیفةِ امر براحلته فرُحِلت ثم رکب فاذا استوت به استقبل القبلة قائماً ثم یُلبّی ----- ----- رواه البخاری فی باب الاھلال مستقبل القبلة

حضرت عبداللہ بن عمرؓ صبح کی نماز ذی الحلیفہ میں پڑھتے۔ پھر اپنی سواری تیار کرواتے۔ پھر آپ اس پر سوار ہو جاتے۔ پھر جب وہ ان کو لے کر سیدھی (کھڑی) ہو جاتی تو آپؓ کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف رخ کرتے اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کہنا شروع کر دیتے۔۔۔ (صحیح بخاری ۱۵۵۳)۔

اس حدیث میں ''قائماً'' کا لفظ آیا ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں ''کھڑے ہوئے''۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

قائماً ای مستویا علی ناقته او وصفه بالقیام لقیام ناقته و قد

وقع فی الروایة الثانیة بلفظ " فاذا استوت به راحلته قائمة"۔(فتح الباری، ج ۳، ص ٤٨٣)۔

"قائماً" سے مراد ہے کہ آپ اپنی اونٹنی پر جم کر بیٹھ جاتے۔اوراس حالت کو قیام اونٹنی کے قیام کی وجہ سے کہا ہے اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی۔(فتح الباری، ج ۳،ص ۴۸۳)۔

(۲) عن ام الفضل بنت الحارثؓ اَنّ ناساً اختلفوا عندها یومَ عرَفَةَ فی صوم النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فقال بعضهم هو صائم و قال بعضهم لیس بصائم فاَرسلتُ الیه بقدَحِ لبنٍ و هو واقف علی بعیره فشربه رواه البخاری

حضرت ام فضل بنت حارث (ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن) فرماتی ہیں کہ عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ آپؐ روزے سے ہیں، بعض نے کہا روزے سے نہیں ہیں۔ میں نے آپؐ کو ایک پیالے میں دودھ بھیجا۔ اس وقت آپؐ اپنے اونٹ پر کھڑے تھے (یعنی سوار تھے)۔ آپؐ نے اسے پی لیا۔(صحیح بخاری ۱۶۶۱ و ۱۹۸۸ و ۵۶۱۸)۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاشربہ میں اس حدیث پر باب باندھا ہے۔

باب من شرب و هو واقف علی بعیره

باب اس بارے میں کہ جو پئے اس حال میں کہ وہ اپنے او نٹ پر کھڑا ہو (یعنی سوار ہو)۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵۶۱۸)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

قال ابن العربی : و لا حجة فی هذا علی الشرب قائماً لان الراکب علی البعیر قاعد غیر قائم (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۸۸)۔

ابن عربیؒ کہتے ہیں اس حدیث میں کھڑے ہو کر پینے کی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ جو اونٹ پر سوار ہوتا ہے وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ کھڑا ہوا نہیں ہوتا۔(فتح الباری، ج ۱۰، ص ۸۸)

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث میں کھڑے ہو کر پینا ثابت نہیں۔ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے ان میں کھڑے ہونے سے مراد سوار ہونا ہے۔ تاہم اگر بالفرض کوئی ایسی حدیث مل جائے جس میں آپؐ کے کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہو (جو کہ نہیں ہے) تو ہم کہیں

گے کہ یا تو وہ واقعہ ممانعت سے پہلے کا ہے یا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ واللہ اعلم

(۲۴) ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو رنگنا

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الیھود والنصا رٰی لایصبغون فخالفوھم (متفق علیہ)۔

بے شک یہود اور نصاریٰ (اپنے بالوں) کو نہیں رنگتے۔ تم ان کی مخالفت کرو۔ (صحیح بخاری ۵۸۹۹، صحیح مسلم ۵۵۱۰)۔

(۲) حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہی

خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ سلیه و سلم علی مشیخة من الانصار بیض لحاهم فقال یا معشر الانصا ر حمّروا و صفّروا و خالفوا اهل الکتاب ، قال الهیثمی رواه احمد و الطبرانی و رجال احمد رجال الصحیح خلا القاسم و هو ثقة و فیه کلام لا یضر ۲۱۷۸۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر انصار کے بزرگوں کی طرف نکلے۔ ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ آپؐ نے فرمایا ”اے انصار کے گروہ، (اپنی ڈاڑھیوں کو) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو“۔ (مسند امام احمدؒ ۲۱۷۸۰)۔

حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے قاسم کے اور وہ ثقہ ہے۔ اس میں کلام ہے جس کا کوئی نقصان نہیں۔ (مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۸۵۷۶ و ۸۷۸۱)۔ (سلسلۃ الصحیحہ ۱۲۴۵)۔

یہ بالوں کو رنگنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور جیسا پہلے بیان کیا گیا الامر للوجوب۔ حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کی اکثریت کو یا تو اس حکم کا علم ہی نہیں یا علم ہوتے ہوئے اس پر ان کا عمل نہیں۔ والد صاحب نے اس حکم کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی اور اس پر عمل کیا بھی اور کرایا بھی۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بالوں پر کالا خضاب لگانا منع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واجتَنِبوا السواد کالے رنگ سے اجتناب کرو (صحیح مسلم ۵۵۰۹)۔

کالے رنگ کے علاوہ کوئی بھی رنگ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن مہندی اور وسمہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انّ أحسنَ ما غیَّرتُم به هذا

لشیب الحنّاء و الکَتَم   بے شک سب سے اچھی چیز جس سے تم اس بڑھاپے (کے سفید رنگ) کو بدلو وہ مہندی اور وسمہ ہے (مسند امام احمدؒ ۲۰۷۷۹، ۲۰۸۵۴، ۲۰۸۷۸، و ۲۰۹۷۸، ترمذی ۱۷۵۳، ابوداؤد ۴۲۰۵، نسائی ۵۰۸۱ و ۵۰۸۲، ابن ماجہ ۳۶۲۲)۔اسے امام ترمذی نے صحیح کہا۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

’’جب بال سفید ہو جائیں تو انہیں رنگ لے لیکن سیاہ خضاب نہیں لگائے‘‘۔(منہاج المسلمین ص ۴۰۱)۔

’’بہتر ہے کہ مہندی اور وسمہ سے سر رنگے‘‘ (منہاج المسلمین ص ۴۰۱)

’’جب ڈاڑھی کے بال سفید ہو جائیں تو اہل کتاب کی مشابہت نہ کرے بلکہ انہیں رنگ لے لیکن سیاہ خضاب نہ لگائے‘‘۔(منہاج المسلمین ص ۴۰۲)

(۲۵) نتف الابط

(بغل کے بال نوچنا)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الفطرة خمس: الختان والاستحداد ونتف الابط وقص الشارب وتقليم الاظفار (متفق عليه)

پانچ باتیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، بغل کے بال نوچنا، مونچھوں کو پست کرنا اور ناخن کاٹنا (صحیح بخاری ۶۲۹۷، صحیح مسلم ۵۹۷)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عشر من الفطرة: قص الشارب واعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء، قال مصعب ونسيت العاشرة الا أن تكون

المضمضة وقال وكيع انتقاص الماء يعنى الاستنجاء (رواه مسلم)

دس باتیں فطرت میں سے ہیں: مونچھوں کو پست کرنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، جوڑوں کو (چڈوں کو) دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیرناف کے بال مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا۔ حدیث کے راوی مصعب کہتے ہیں کہ دسویں بات میں بھول گیا۔ ہوسکتا ہے وہ کلی کرنا ہو۔ (صحیح مسلم ۶۰۴)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

وقت لنا فی قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة أن لانترك اكثر من اربعين ليلة (رواه مسلم)

مونچھیں پست کرنے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال مونڈنے میں ہمارے لئے وقت مقرر کیا گیا ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں (صحیح مسلم ۵۹۹)

فطرت سے کیا مراد ہے؟

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

من الفطرة ای من السنة يعنى من سنن الانبياء

فطرت کا مطلب ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سنت ہے (النھایۃ، ج ۳، ص ۴۵۷)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

أی من السنة القديمة التى اختارها الانبياء واتفق عليه الشرائع

یعنی یہ قدیم سنتوں میں سے ہے جن کو انبیاء نے اختیار فرمایا اور تمام شریعتیں ان پر متفق ہیں۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۳، ص ۸۵)

قال الخطابى ذهب اكثر العلماء الى أن المراد بالفطرة هنا السنة

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ فطرت سے یہاں سنت مراد ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۵۱-۳۵۲)

ایک حدیث میں پانچ باتوں کو فطرت کہا گیا ہے اور دوسری حدیث میں دس باتوں کو۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ دس باتیں فطرت میں شامل ہیں جن میں سے پانچ باتیں زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہیں۔

حلق اور نتف:

اوپر ہم نے صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایتیں نقل کی ہیں۔ان میں زیرناف بالوں کے لئے ''استحداد'' اور ''حلق'' کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ہیں ''مونڈنا''، جبکہ بغل کے بالوں کے لئے ''نتف'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں ''نوچنا''۔دو علیحدہ علیحدہ الفاظ کا استعمال اس بات کا متقاضی ہے کہ زیرناف بالوں کو مونڈنا مطلوب ہے اور بغل کے بالوں کو نوچنا مطلوب ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ دو علیحدہ علیحدہ الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

قال الغزالى هوفى الابتداء موجع ولكن يسهل على من اعتاده قال والحلق كاف لان المقصود النظافة وتعقب بان الحكمة فى نتفه أنه محل للرائحة الكريهة وانماينشأ ذلك من الوسخ الذى يجتمع بالعرق فيه فيتلبد ويهيج فشرع فيه النتف الذى يضعفه فتخفف الرائحة به بخلاف الحلق فانه يقوى الشعرويهيجه فتكثر الرائحة لذلك

امام غزالیؒ کہتے ہیں بالوں کو نوچنا شروع شروع میں تو تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن جو اس کا عادی ہو جائے اس کے لئے آسان ہوتا ہے۔اور مونڈنا بھی کافی ہے کیونکہ اصل مقصد تو صفائی ہے۔لیکن (امام غزالی کی) اس بات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بغل کے بال نوچنے میں حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ بغل میں ناگوار بدبو ہوتی ہے جو اس میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے جو پسینے کی وجہ سے جمع ہو جاتا ہے اور سخت اور خشک ہو جاتا ہے۔اس لئے بغل کے بالوں کے لئے نوچنا شروع فرمایا جس سے میل کم ہوتا ہے اور بدبو ہلکی ہو جاتی ہے بخلاف مونڈنے کے کہ اس سے بال مضبوط، موٹے اور خشک ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بدبو زیادہ ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج۱، ص۳۵۷)

امام ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں:

وقد فرق لفظ الحديث بين ازالة شعرالعانة وازالة شعرالابط فذكرفى الاول الاستحداد وفى الثانى النتف وذلك مما يدل عليه رعاية ها تين الهيئتين فى محلهما ولعل السبب فيه أن الشعر بحلقه يقوى اصله ويغلظ جرمه ولهذا تصف الاطباء تكرار حلق الشعر فى المواضع التى يراد قوته فيها والابط اذا قوى فيه الشعر وغلظ جرمه كان أفوح للرائحة الموذية الكريهة لمن يقاربها فناسب أن يسن فيه النتف

المضعف لاصله المقلل للرائحة الكريهة وأماالعانة فلا يظهر فيها من الرائحة الكريهة مايظهر فى الابط فزال المعنى المفتضى للنتف ورجع الى الاستحداد لأنه أيسروأخف على الانسان من غير معارض (احكام الاحكام، ج ١، ٨٦)

زیرناف بالوں کودور کرنے کے لئے اور بغل کے بالوں کودور کرنے کے لئے حدیث میں علیحدہ علیحدہ لفظ استعمال ہوئے ہیں۔زیرناف بالوں کے لئے استحداد(مونڈنا)اور بغل کے بالوں کے لئے نتف (نوچنا) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔اوراس سے دونوں ہیئتوں کی اپنی اپنی جگہ رعایت کا پتہ چلتا ہےاورشایداس کا سبب یہ ہے کہ مونڈنے سے بالوں کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور بال موٹے ہوجاتے ہیں۔اسی لئے جہاں بالوں کومضبوط کرنا مطلوب ہوتا ہےتو اطباء(حکیم،ڈاکٹر) تجویز کرتے ہیں کہ وہاں کے بال بار بار مونڈے جائیں۔اوراگر بغل کے بال مضبوط اورموٹے ہوں تواس سے قریب والوں کو بہت تکلیف دہ اورناگوار بدبوآئے گی۔اس لئے مناسب تھا کہ اس میں نتف (نوچنے) کو مشروع کیا جائے جس سے بالوں کی جڑیں کمزورہوں اورناگوار بدبوکم ہو۔اور زیرناف بالوں میں چونکہ بغل کے بالوں جیسی ناگوار بدبونہیں ہوتی اس لئے وہاں مونڈنے کو مشروع کیا جوانسان کے لئے آسان اور ہلکا ہے۔(احکام الاحکام، ج۱،ص۸۶)

بغلوں کے بالوں کونوچنے کے واضح اورصریح احکام کے باوجوداکثر علماء نے بغل کے بالوں کومونڈنے کی اجازت دے کرنوچنے کی سنت کوتقریباً بالکل متروک کرادیا۔والدصاحب نے حکم شرعی کی مصلحت وافادیت کواجاگر کرکے اس متروک سنت کوزندہ فرمایا۔ فجزاه الله خيرا۔

(۲٦) التحليق (التسبيد)

(۲٦) سر کے بال منڈوانا

علامہ ڈاکٹر طاہرالقادری نے ایک کتاب لکھی ہے ''دہشت گردی اور فتنۂ خوارج''۔ مجھ سے اس کتاب پر تبصرہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میرا وہ تبصرہ سہ ماہی مجلّہ ''الاقرباء'' اسلام آباد کے اپریل ۲۰۱۰ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اُس تبصرے میں سر کے بال منڈوانے کے متعلق بھی اظہارِ خیال کیا گیا تھا۔ اس کا متعلقہ اقتباس معمولی ترمیم واضافے کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَخرُجُ ناسٌ مِن قِبَلِ المشرقِ و يقرئُون القُرآنَ لا يُجاوِزُ تَراقِيَهُم يَمرُقون من الدّينِ كما يمرُقُ السَّهمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لا يعودون فيه حتَّى يعود السَّهمُ الى فُوقه، قيل ما سيماهم؟ قال " سيماهُمُ التَّحليقُ" أو قال " التسبيد" رواه البخاريُّ

" مشرق کی جانب سے کچھ لوگ نکلیں گے۔ وہ قرآن مجید پڑھتے ہوں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ تیر اپنے سوفار کی طرف واپس آئے''۔ آپؐ سے پوچھا گیا ان لوگوں کی نشانی کیا ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا ''ان کی نشانی سر منڈوانا ہوگی''۔ (صحیح بخاری ۷۵٦۲)۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے معاشرے میں سر منڈوانے کا رواج نہیں تھا۔ صرف حج یا عمرے پر سر منڈوایا جاتا تھا یا پھر بچوں کے سر منڈوائے جاتے تھے۔ بڑے لوگ عموماً بال رکھتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے مبارک نصف کانوں سے لے کر کندھوں تک تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں

كان النبيُّ صلى الله عليه و سلم مربوعاً بعيدَ ما بين المنكِبَينِ، [عظيمَ الجُمَّةِ] له شعرٌ يبلُغُ شحمةَ أُذُنَيهِ (وفى روايةٍ شعره يضرب منكبيه) رأيتُه فى حُلَّةٍ حمراءَ لم أرَ شيئاً قطُّ أحسنَ منه متفق عليه۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے۔ دونوں کندھوں کے درمیان زیادہ فاصلہ تھا (یعنی آپؐ کا سینہ چوڑا تھا)۔ آپؐ کے بال بہت لمبے تھے۔ کانوں کی لو تک یا کندھوں تک پہنچتے تھے۔ میں نے آپؐ کو سرخ جوڑے میں دیکھا۔ میں نے آپؐ سے زیادہ خوبصورت کچھ نہیں دیکھا (صحیح بخاری ۳۵۵۱، صحیح مسلم ۲۰۶۴ و ۲۰۶۵)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں

كان يضرب شعر النبيّ صلى الله عليه و سلم منكبيه و فى رواية بين اذنيه و عاتقه متفق عليه۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال آپؐ کے کندھوں تک یا آپؐ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان تک ہوتے تھے (صحیح بخاری ۵۹۰۴ و ۵۹۰۵، صحیح مسلم ۲۰۶۸ و ۲۰۶۷)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ کے بال آپؐ کے کانوں کے نصف تک تھے (صحیح مسلم ۲۰۶۹)۔

بال رکھنا سنتِ رسولؐ ہے اور سلف صالحین کا طریق بھی یہی تھا۔ علامہ کرمانیؒ لکھتے ہیں

ان السلف كانوا لا يَحلِقون رءوسهم الا للنسك أو فى الحاجة والخوارج اتخذوه ديدناً فصار شعاراً لهم و عرفوا به (فتح البارى، ج ١٣، ص ٥٤٦)۔

بے شک سلف صالحین اپنے سر نہیں منڈواتے تھے سوائے حج اور عمرے کے موقع پر یا کسی ضرورت کے تحت (مثلاً سر میں جوئیں ہو جانے کی صورت میں یا کسی بیماری کی وجہ سے)۔ لیکن خوارج نے سر منڈوانے کو اپنا طریقہ بنالیا۔ سر منڈوانا ان کا شعار بن گیا اور وہ اسی علامت سے پہچانے جانے لگے۔ (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۵۴۶)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

و کان السلف یوفرون شعورهم لا یحلقونها و کانت طریقة الخوارج حلق جمیع رء وسهم

سلف صالحین بڑے بڑے بال رکھتے تھے اور ان کو منڈواتے نہیں تھے۔ جبکہ خارجیوں کا طریق یہ تھا کہ وہ اپنے پورے سر منڈواتے تھے (فتح الباری، ج ۷، ص ۶۶۷)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

روی الدارقطنی فی الافراد عن النبیّ صلی اللّٰه علیه و سلم أنه قال لا توضع النواصی الا فی حج أو عمرةٍ ۔ امام دارقطنیؒ نے '' افراد'' میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' بال نہ مونڈے جائیں مگر حج یا عمرے میں (نیل الاوطار، ج۱، ص ۱۲۵)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

سأل رجلٌ من بنی یربوع أو من بنی تمیم عمر بن الخطابؓ عن الذاریات و المرسلات و النازعات أو عن بعضهن فقال عمرؓ ضع عن رأسك فاذا له وفرة فقال عمرؓ " أما واللّٰه لو رأیتُك محلوقاً لضربت الذی فیه عیناك [بالسیف] "۔ رواه الأموی باسناد صحیح

قبیلہ بنی یربوع یا قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص (ضبیع بن عسل) نے حضرت عمر فاروقؓ سے سورۂ ذاریات، سورۂ مرسلات، سورۂ نازعات یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں سوال کیا۔ (اس شخص کا سوال غالباً معترضانہ یا مناظرانہ ہوگا، اسی لئے) حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ اپنا سر کھولو۔ (اس نے سر کھولا تو) اس کے بڑے بڑے بال تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا '' اللہ کی قسم۔ اگر تیرا سر منڈا ہوا ہوتا تو میں (تیرے سر کو) جس میں تیری آنکھیں ہیں تلوار سے مارتا (یعنی تجھے قتل کر دیتا)''۔ اسے اموی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول، ص ۱۸۸ و نیل الاوطار، ج۱، ص ۱۲۵)۔

اس کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

فهٰذا عمرؓ يحلف بين المهاجرين و الانصار أنه لو رأى العلامة التى وصف بها النبى صلى اللّٰه عليه و سلم الخوارج لضرب عنقه

یہ حضرت عمرؓ ہیں جو مہاجرین اور انصار کے سامنے قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ اگر وہ اس شخص میں وہ علامت دیکھ لیتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی بتائی ہے تو وہ اس کی گردن اڑا دیتے۔ (الصارم المسلول،ص ۱۸۹)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے معاشرے میں کسی کا سر منڈا ہونا اس کے فتنہ پرور ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

بال انسان کی زینت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ اس لئے ان کی قدر کرنی چاہیئے اور ان کی عزت کرنی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ ان میں ایک کے جسم پر برص کے داغ تھے، دوسرا شخص اندھا تھا اور تیسرا شخص گنجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی۔ ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا۔ اس نے ان سے ان کی سب سے پسندیدہ خواہش پوچھی۔ ان میں سے جو شخص گنجا تھا اس نے اپنی سب سے پسندیدہ خواہش بتائی '' شعرٌ حسنٌ '' یعنی ''خوبصورت بال'' (صحیح بخاری ۳۶۴۶، صحیح مسلم ۷۴۳۱)۔

سچ ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر انسان کو اسی وقت ہوتی ہے جب وہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں۔

دلِ مہجور سے سُن لذّتِ وصل نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ

آجکل آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جن لوگوں کے سر پر قدرتی بال نہیں ہوتے وہ مصنوعی بال اگوانے کے لئے کتنے جتن کرتے ہیں، کتنا پیسہ خرچ کرتے ہیں اور کتنا خطرہ مول لیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بال اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں۔ لہٰذا شکرگزاری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اچھے بالوں کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے وہ ان بالوں کی قدر کریں نہ یہ کہ ان کو مونڈ کر پھینک دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔

من كان له شَعرٌ فليُكرِمْه۔ رواه أبوداود و البيهقى فى شعب

الایمان و الطحاوی فی مشکل الآثارعن أبی هریرةؓ وقال الحافظ هذا
اسناد حسن (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۱) و قال الشوکانی سکت
عنه أبوداود والمنذری (نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۲۳)۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بال عطا فرمائے ہیں اسے چاہئے کہ ان کی
عزت کرے (ابوداوٗد ۴۱۶۳، شعب الایمان للبیہقیؒ، طحاوی)۔حافظ ابن حجرؒ
لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۱)۔علامہ شوکانیؒ لکھتے
ہیں اس حدیث پر امام ابوداوٗد اور حافظ منذریؒ نے سکوت کیا ہے (نیل الاوطار،
ج ۱، ص ۱۲۳)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

و فیه دلالة علی استحباب اکرام الشعر بالدهن و التسریح و
انتفاءه عن الحلق لانه یخالف الاکرام (نیل الأوطار، ج ۱، ص ۱۲۳

اس حدیث میں بالوں میں تیل ڈال کر، کنگھی کر کے اور ان کو نہ مونڈ کر
ان کے اکرام (عزّت) کرنے کے استحباب کی دلیل ہے کیونکہ بالوں کو مونڈنا ان
کے اکرام کے خلاف ہے۔(نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۲۳)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

أکرِموا الشَّعرَ أخرجه البزَّار و ابن عدی و أبو نعیم و الدیلمیُّ

بالوں کا اکرام کرو(بزّار، کامل ابن عدی، ابونُعیم، مسند فردوس للدیلمی۔
سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم ٦٦٦)۔حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے
(فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۱)۔

بالوں کی عزت کیا ہے؟ بال رکھنا، ان کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا، ان
میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، یہ بالوں کی عزت ہے یا ان کو مونڈ کر کوڑے کرکٹ میں
پھینک دینا ان کی عزت ہے؟۔

عن أبی قتادةؓ أنَّه قال لرسولِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه و سلم انَّ لی
جمَّةً [ضخمةً] أ فأُرَجّلُها ؟ قال " نعم ، و أکرِمْها رواه مالك وفی روایةٍ
للنَّسائیّ أنَّ النبیَّ صلی اللّٰه علیه و سلم أمره أن یُحسِنَ اِلیهاو یَترجَّلَ
فی کُلّ یومٍ

حضرت ابوقتادہؓ کے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے بال بہت لمبے اور گھنے ہیں۔کیا میں ان میں کنگھی کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں۔اوران کی عزّت کرو'' (موَطّا امام مالکؒ، ج۲،ص ۹۴۹)۔نسائی کی روایت میں ہے آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ بالوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور روزانہ کنگھی کریں (سنن نسائی،رقم ۵۲۳۹)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں رجال اسناده كلهم رجال الصحيح اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں (نیل الاوطار، ج۱، ص ۱۲۴)۔ علامہ ابوالوزیر بھی لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (تنقیح الرواۃ، ج۳،ص۲۵۱)۔

حضرت عطا بن یسارؒ سے روایت ہے

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم فى المسجد فدخل رجل ثائر الرّأسِ و اللحية فأشار اليه رسول الله صلى الله عليه و سلم بيده أن اخرج كأ نه يعنى اصلاح شعر رأسه ولحيته ففعل الرجل ثم رجع فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم " أ ليس هذا خيراً من أن يأ تى أحدكم ثائر الرأ سِ كأنه شيطان رواه مالك و قال الحافظ وهو مرسل صحيح السند و له شاهد من حديث جابرؓ أخرجه ابو داود و النسائى بسند حسن (فتح البارى، ج ۱۰، ص ۳۷۹۔۳۸۰)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا ۔اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ تھے۔آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ کیا کہ باہر جاؤ۔گویا کہ آپؐ نے اس کو اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی اصلاح کرنے کے لئے فرمایا۔اس شخص نے ایسا ہی کیا پھر وہ واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' کیا یہ بہتر نہیں ہے اس بات سے کہ تم میں سے کوئی پراگندہ بال آئے گویا کہ وہ شیطان ہے (موطّا امام مالکؒ، ج ۲،ص ۹۴۹)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں یہ مرسل ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کا شاہد حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جسے ابوداؤد اور نسائی نے حَسَن سند کے ساتھ روایت کیا ہے (فتح الباری، ج۱۰، ص ۳۷۹۔۳۸۰)۔

حضرت جابرؓ کی حدیث جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے

مندرجہ ذیل ہے۔

عن جابرؓ قال أتانا النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فرأی رجلاً ثائر الرأس فقال " أما یجد هذا مایُسَکّنُ به شعره " رواه النسائی

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال پراگندہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''کیا اس شخص کو کوئی چیز نہیں ملتی جس سے یہ اپنے بال سنوارے''۔ (سنن نسائی ۵۲۳۸)۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں کیا طریقہ تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یکثر دهن رأسِه رواه البیهقی فی شعب الایمان و البغوی فی شرح السنة و الترمذی فی الشمائل (مشکوٰة المصابیح، رقم ٤٤٤٥)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں بہت زیادہ تیل ڈالتے تھے۔

(شعب الایمان للبیہقیؒ، شرح السنہ للبغویؒ، شمائلِ ترمذیؒ۔ مشکوٰۃ رقم ۴۴۴۵)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۹۳ تا ۱۴۱۔

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یکثر دَهنَ رأسه و یُسَرّح لِحیَتَه بالماء رواه البیهقی فی شعب الایمان و ابن الأعرابی فی المعجم (سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم ٧٢٠)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں بہت تیل ڈالتے تھے اور اپنی ڈاڑھی میں پانی کے ساتھ کنگھی کرتے تھے۔ (شعب الایمان للبیہقی، المعجم لابن الاعرابی۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم ۷۲۰)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کی دیکھ بھال کا کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تھے

اس حالت میں بھی آپؐ بالوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے تھے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

اِنْ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم لَیُدخِلُ علیَّ رأسَه و هو فی المسجد فأُرَجّلُه و کان لا یدخل البیت الا لحاجة اذا کان معتکفاً ، متفق علیه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں (اعتکاف میں) ہوتے تو اپنا سر میری طرف (حجرے کے) اندر داخل کر دیتے اور میں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیتی۔اور آپؐ جب اعتکاف میں ہوتے تو گھر میں نہ آتے مگر کسی ضرورت کے لئے۔ (صحیح بخاری ۲۰۲۹،صحیح مسلم ۶۸۵)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ سر منڈوانے کے جواز کے لئے حدیث احلقوه کله أو اترکوه کله (سر کے سارے بال منڈوا دو یا سارے بال چھوڑ دو) سے دلیل لیتے ہیں جو صحیح نہیں۔اس لئے کہ یہ حدیث بچوں کے متعلق ہے۔اُس زمانے میں بعض لوگ بچوں کے سر کے کچھ حصوں کے بال منڈوا دیتے تھے اور کچھ حصوں کے بال چھوڑ دیتے تھے اور اس طرح بال کٹوانے کو ''قزع'' کہتے تھے۔اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم نهٰی عن القزع، قال قلتُ لنافع و ماالقَزَعُ ؟ قال یُحلَقُ بعضُ رأسِ الصبیّ و یُترَكُ بعضُ متفق علیه و اللفظ لمسلم ۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے'' قَزَع '' سے منع فرمایا ہے'' ۔

حدیث کے راوی کہتے ہیں میں نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ قزع کیا ہوتا ہے؟ حضرت نافعؒ نے فرمایا'' بچے کے سر کے بعض حصے کے بال منڈوا دیئے جائیں اور بعض حصے کے بال چھوڑ دئے جائیں''۔(صحیح بخاری ۵۹۲۰، ۵۹۲۱وصحیح مسلم ۵۵۵۹)۔

سنن ابی داؤد کی روایت میں زیادہ وضاحت ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں

أنَّ النبيَّ صلى اللّٰه عليه و سلم رأى صبيّاً قد حُلِق بعضُ رأسِه و تُرِك بعضُه فنهاهم عن ذلك و قال " احلقوه كُلَّه أو اتركوه كُلَّه " رواه أحمد وأبو داودوالنسائى وصححه الشوكانى(نيل الاوطار، ج ١، ص ١٢٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا۔اس کے سر کے بعض حصے کے بال مونڈ دیئے گئے تھے اور بعض حصے کے بال چھوڑ دیئے گئے تھے۔ آپؐ نے اس سے منع کیا اور فرمایا ''یا تو سارے سر کو مونڈ دو یا سارے سر کو چھوڑ دو''۔(مسند امام احمدؒ ۵۵۸۳، ابوداؤد ۴۱۹۵، نسائی ۵۰۵۱)۔علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں اس کی سند صحیح ہے (نیل الاوطار، ج۱، ص ۱۲۵)۔

(۲۷) اخصاء البہائم

(جانوروں کو خصی کرنا)

جانوروں کو خصی کرنے کی سخت ممانعت ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

اَنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم نهى عن صبرِ ذى الرُّوحِ و اِخصاءِ البهائمِ نهياًشديداً رواه البزّارو قال الهيثميُّ رجاله رجال الصحيح و قال الشوكانى اسناده صحيح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جاندار کو باندھ کر مارنے (شکار کرنے) اور چوپایوں کو خصی کرنے سے **بڑی سختی** سے منع فرمایا ہے (مسند

بزار)۔

حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۹۳۶۸)۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (نیل الاوطار، ج ۸، ص ۸۸)۔

مصلحت: جانوروں کو خصی کرنے کی ممانعت میں کیا کیا مصلحتیں ہیں یہ تو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں مندرجہ ذیل مصلحتیں آتی ہیں۔

(۱) اس عمل سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور رحمان ورحیم عزوجل اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ادنیٰ تکلیف بھی گوارا نہیں

(۲) جانوروں کو خصی کرنا ''فليغيرن خلق الله ـ النساء ۱۱۹'' کے ذیل میں آتا ہے لہذا یہ ایک شیطانی فعل ہے۔

اب ہم ان باتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں

(i) جانوروں کا خیال رکھنا اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

اسلام میں جانوروں کا خیال رکھنے کی اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بہت تاکید ہے اوراس کی بہت فضیلت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بينما رجل يمشي بطريق اشتد عليه العطش فوجد بئراً فنزل فيها فشرب ثم خرج فاذا كلب يلهث يأ كل الثرى من العطش فقال الرجل لقد بلغ هذا الكلب من العطش مثل الذى كان بلغ بى فنزل البئر فملأ خفّهٗ ثم أمسكه بفيه [ثم رقى] فسقى الكلب [فجعل يغرف له به حتى أرواه] فشكر الله له فغفر له [فأدخله الجنة] ـ قالوا يا رسول الله و ان لنا فى البهائم أجراً؟ـ فقال " فى كل ذات كبدِ أجر"ـ متفق عليه

ایک آدمی کہیں جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے سخت پیاس لگی۔ اسے ایک کنواں ملا۔ وہ اس میں اترا اور پانی پیا۔ جب وہ پانی پی کر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کے مارے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے سوچا کہ اس کتے کا بھی پیاس کی شدت سے ایسا ہی برا حال ہے جیسا میرا حال تھا۔ پس وہ پھر کنویں میں اترا۔ اپنے موزے میں پانی بھرا، پھر موزے کو اپنے منہ سے پکڑ کر اوپر چڑھا اور کنویں سے باہر نکل کر کتے کو پانی پلایا۔ وہ اس کو پانی پلاتا رہا یہاں تک کہ وہ پانی پی کر سیراب ہو گیا۔ اللہ تعالی نے اس شخص کے عمل کو قبول فرمایا۔ اس کی بخشش فرما دی اور اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ (یہ سن کر) صحابۂ کرامؓ نے پوچھا۔ ''یا رسول اللہ، کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے پر بھی اجر ملے گا؟''۔ آپؐ نے فرمایا ''ہر تر جگر والے (یعنی ہر جاندار) کے ساتھ بھلائی کرنے پر اجر ملے گا''۔ (صحیح بخاری ۶۰۰۹، صحیح مسلم ۵۸۵۹)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

غفر لامرأةٍ مومسةٍ مرّت بکلبٍ علیٰ راس رکیّ یلهث کاد یقتله العطش فنزعت خفّها فاوثقته بخمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذ لك متفق علیه و اللفظ للبخاری

ایک بدکار عورت کا گزر ایک کتے کے پاس سے ہوا جو ایک کنویں کے پاس ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے مرنے کے قریب تھا۔ اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اور اس کو اپنے دوپٹے سے باندھ کر کتے کے لئے کنویں سے پانی نکالا۔ اس کی اس نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بخش دیا۔ (صحیح بخاری ۳۳۲۱، صحیح مسلم ۵۸۶۱)۔

اس کے برعکس ایک عورت ایک بلی کو بھوکا پیاسا باندھنے پر جہنم میں چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عُذّبت امراة فی هرّةٍ ربطتها [سجنتها] حتی ماتت فدخلت فیها النار لا هی اطعمتها و لا سقتها اذ حبستها و لا هی ترکتها تاکل من خشاش الارض۔ متفق علیه۔

ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب کیا گیا۔ اس نے ایک بلی کو

باندھے رکھا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ وہ عورت اس بلی کی وجہ سے دوزخ میں گئی
کیونکہ اسے قید رکھنے کے دوران نہ اس عورت نے اسے کھانے کو دیا، نہ اسے پانی
پلایا اور نہ ہی اس نے اسے آزاد کیا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ
بھر لیتی (صحیح بخاری ۳۴۸۲، صحیح مسلم ۵۸۵۲)۔

(ii) جانوروں کے حقوق

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا سافرتم فی الخصب فاعطوا الابل حظّها من الارض و اذا
سافرتم فی السنةِ فأسرعوا عليها السير [و فی روايةٍ فبادروا بها نِقيها]
و اذا عرّستم بالليل فاجتنبوا الطريق فانها [طُرُق الدوابّ و] ماوى
الهوام بالليل رواه مسلم

جب تم ہریالی میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے ان کا حصہ دو (یعنی
ان کو زمین میں چرنے کا موقع دو) اور جب تم قحط سالی میں سفر کرو تو جلدی جلدی
سفر کرو (تاکہ جلد منزل پر پہنچو جہاں اونٹوں کو چارہ وغیرہ مل جائے) اور جب تم
رات کو پڑاؤ ڈالو تو راستے میں پڑاؤ نہ ڈالو اس لئے کہ رات کو وہاں سے جانور،
کیڑے، سانپ وغیرہ گزرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ۴۹۵۹ و ۴۹۶۰)۔

حضرت خالد بن معدانؒ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا

ان اللّٰه رفيق يحب الرفق و يرضى به و يعين عليه ما لا يعين على
العُنف فاذا ركبتم هذه الدواب العُجم فانزلوها منازلها ، فان كانت
الارض جدبةً فانجوا عليها بنِقيِها و عليكم بسير الليل فان الارض
تُطوى بالليل ما لا تُطوى بالنهار و اياكم و التّعريس على الطريق فانها
طُرُقُ الدواب و ماوى الحيات رواه مالك والطبرانی

بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے

اوراس پر مدد کرتا ہے جبکہ سختی پر مدد نہیں کرتا۔پس جب تم ان بے زبن جانوروں پر سفر کرو توان کوان کی منزلوں پر ٹھہراؤ(تا کہ یہ وہاں پر کھا پی کر تازہ دم ہو جائیں)اوراگر علاقہ بنجر ہو تو پھر جلدی جلدی سفر پورا کروتا کہ ان جانوروں کی چربی اور گودا راستے ہی میں ختم نہ ہو جائے۔اور رات کوسفر کیا کرواس لئے کہ رات کا سفر دن کے سفر کی نسبت زیادہ آسانی سے کٹتا ہے۔اور رات کو تم کہیں ٹھہرو تو راستے کے اوپر پڑاؤ مت ڈالو اس لئے کہ وہاں سے جانور،سانپ وغیرہ گزرتے ہیں۔(موطاامام مالکؒ،طبرانی۔سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج۲، ص ۳۰۱)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں

كنا اذا نزلنا منزلًا لا نسبح حتى نحُلَّ الرّحالَ رواه ابو داود باسناد على شرط مسلم (رياض الصالحين رقم ٩٦٨)۔

ہم جب کسی منزل پر اترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے اپنے جانوروں کے کجاوے کھول دیتے تھے(تا کہ وہ آزادی کے ساتھ چر سکیں)۔

حضرت سہل بن حنظلیہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک اونٹ کے پاس سے ہوا جو اتنا دبلا ہو گیا تھا کہ اس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے مل گئی تھی۔یعنی وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔آپؐ نے فرمایا

اتقوا اللّٰه فى هذه البهائم المعجمة فاركبوها صالحة و كِلوها صالحة رواه ابو داود و صححه النووى فى الرياض

ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو(ان کے کھانے پینے کا اور آرام کا خیال رکھو)۔ان پر جب تم سواری کرو تب بھی (یہ خیال رکھو کہ) یہ تندرست و توانا ہوں اور جب انہیں چھوڑو تب بھی یہ تندرست وتوانا ہوں۔(ابوداود ۲۵۴۸)۔اسے امام نوویؒ نے صحیح کہا ہے(ریاض الصالحین)۔

۱

(iii) جانوروں پر ہر وقت سوار رہنے کی ممانعت

حضرت معاذ بن انس جُہنیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِرکبوا هذه الدواب سالمة و دعوها [وابتدعوها] سالمة و لا تتخذوها كراسىَّ [لاحاديثكم فى الطرق و الاسواق] رواه احمد والحاكم و البيهقى وقال الهيثمى اسناده حسن و قال السيد مسعود احمدؒ سندهٗ صحيح (مجمع الزوائد رقم ١٦١٥٦، منهاج المسلمين ص ٥٣٥)

ان جانوروں پر سواری کرو جب یہ تندرست ہوں اور ان سے اترو تب بھی یہ تندرست ہوں اور ان کو کرسی نہ بناؤ (کہ ہر وقت ان پر بیٹھے ہی رہو حتی کہ ان کو بیمار ڈال دو)۔(مسند امام احمدؒ ۱۷۵۹۰، ۱۵۲۰۲، ۱۵۲۱۲، ۱۵۲۱۹، حاکم ۱۶۶۷، ۲۵۳۲۔منہاج المسلمین ص ۵۳۵)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ايّاكم ان تتخذوا ظهور دوابكم منابر فان اللّٰه انما سخَّرها لكم لتبلّغكم الى بلدٍلم تكونوا بالغيه الا بشق الانفس و جعل لكم الارض فعليها فاقضوا حاجاتكم رواه ابو داود

اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ (یعنی بڑی دیر تک ان پر سوار ہو کر لمبی لمبی باتیں یا لمبی لمبی تقریریں مت کرو)۔اللہ نے ان کو اس لئے تمہارے قابو میں کیا ہے تا کہ یہ تم کو دوسرے شہر تک پہنچائیں جہاں تم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔(تمہاری دوسری ضروریات کے لئے) اس نے تمہارے لئے زمین بنائی ہے۔پس تم (جانوروں سے اتر کر) زمین پر اپنی ضروریات کو پورا کرو (ابوداؤد ۲۵۶۷۔سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ رقم ۲۲)۔

(iv) جانوروں کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت

کچھ لڑکے ایک مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کر رہے تھے۔ اس اثنا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ لڑکے بھاگ گئے۔ (مرغی کو بندھا ہوا دیکھ کر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اسے کس نے باندھا ہے۔ [اللہ اس پر لعنت کرے جس نے ایسا کیا۔ مسلم ۵۰۶۲] بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے جو ایسا کرے۔ (صحیح بخاری ۵۵۱۵، صحیح مسلم ۵۰۶۱)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے

نھیٰ رسول اللّٰہ ﷺ ان تصبر البھائم متفق علیه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری ۵۵۱۳، صحیح مسلم ۵۰۵۷)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے

رای رسول اللّٰہ ﷺ حماراً موسوم الوجه فانکر ذلك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کے چہرے پر گودا گیا تھا۔ آپؐ نے اس بات کو بہت برا سمجھا۔ (صحیح مسلم ۵۵۵۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباس ہی سے روایت ہے

نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن الضرب فی الوجه و عن الوسم فی الوجه رواہ مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی بھی جاندار کے) چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے اور چہرے پر گودنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم ۵۵۵۰)

حضرت جابر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کے منہ پر گودا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اس پر لعنت فرمائے جس نے اس کو (چہرے پر) گودا ہے۔ (صحیح مسلم ۵۵۵۲)۔

(۷) جانوروں کوناحق مارنے کی ممانعت

حضرت شریدؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من قتل عصفوراً عبثاً عج الی اللّٰہ عز و جل یوم القیامة یقول یا رب ان فلاناً قتلنی عبثاً ولم یقتلنی لمنفعةٍ رواہ الشافعی و احمد و النسائی و ابن حبان

جس شخص نے ایک چڑیا کو بھی عبث (بے کار، بلافائدہ) مارا تو وہ چڑیا قیامت کے روز چلا چلا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گی اور کہے گی اے میرے رب۔ فلاں شخص نے مجھے عبث قتل کیا۔ کسی فائدے کے لئے قتل نہیں کیا۔ (مسند امام احمد ۱۸۹۷۶، نسائی ۴۴۵۱، ابن حبان)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من قتل عصفوراً [فما فوقها] فی غیر شیءٍ الا بحقه ساله اللّٰه عز و جل یوم القیامة ، قیل یا رسول اللّٰه فما حقها؟۔ قال حقها ان تذبحها فتاکلها ولا تقطع راسها فیرمی بها [ولا یاخذ بعنقه فیقطعه] رواہ احمدوالنسائی و الدارمی و الحاکم و حسنه السیوطی و قال المناوی اسنادہ جید

جس نے کسی چڑیا کو اس کے حق کے بغیر قتل کیا اس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز باز پرس فرمائے گا۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ اس کا حق کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''اس کا حق یہ ہے کہ تم اس کو ذبح کر کے کھاؤ۔ یہ نہیں کہ تم اس کی گردن مروڑ کے یا سر کاٹ کے پھینک دو'۔ (مسند امام احمد ج ۲، رقم ۶۹۲۱، نسائی ۴۴۵۰، دارمی، حاکم ۷۶۴۸)۔ اسے علامہ سیوطیؒ نے حسن کہا اور علامہ مناویؒ نے کہا اس کی سند جید ہے۔ (فیض القدیر، رقم ۸۹۱۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا

ان اعظم الذنوب عند اللّٰه رجل تزوج امراةً فلما قضى حاجته منها طلقها و ذهب بمهرها و رجل استعمل رجلاً فذهب باجرته و آخر يقتل دابةً عبثاً رواه الحاكم و صححه علىٰ شرط البخاري

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بڑے گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے، پھر اس سے اپنی حاجت پوری کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر ادا نہ کرے۔ اور وہ شخص جو کسی کو مزدوری پہ لگائے اور اسے اس کی مزدوری نہ ادا کرے۔ اور وہ شخص جو کسی جانور کو بے فائدہ قتل کرے۔ (مستدرک حاکم ٢٧٩٧)۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (منہاج المسلمین، ص ٦٦٧)۔

(vi) جانوروں کو ذبح کرنے کے آداب

جانوروں کو ذبح کرنے کے بارے میں بھی اسلام نے بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔ ذبح کرنے سے پہلے یا ذبح کرتے وقت جانوروں کو غیر ضروری تکلیف نہ دی جائے۔ چھری تیز ہونی چاہیئے تا کہ جانور کی جان جلدی نکل جائے۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللّٰه كتب الاحسان على كل شيءٍ فاذا قتلتم فاحسنوا القِتلةَ و اذا ذبحتم فاحسنوا الذّبحةَ و ليُحِدّ احدكم شَفرَتَه و ليُرِح ذبيحته رواه مسلم

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو

تو خوبی کے ساتھ قتل کرو (یعنی اگر کسی کو قصاص میں سزا کے طور پر قتل کرنا ہو تو اسے اذیت دے کر قتل نہ کرو)۔ اور جب تم جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے جانور کو آرام پہنچاؤ (چھری اگر کند ہو گی تو جانور کو تکلیف ہو گی)۔ (صحیح مسلم ۵۰۵۵)۔

حضرت قُرّہ کہتے ہیں میں نے کہا

یا رسولَ اللّٰہ انی لآخذ الشاۃَ لاذبحھا فاَرحمُھا قال " و الشَّاۃُ ان رحمتَھا رحمك اللّٰہ رواہ احمد و البخاری فی الادب المفرد و الطبرانی و الحاکم و قال صحیح الاسناد وقال الھیثمی لہ الفاظ کثیرۃ و رجالہ ثقات یارسول اللہ، میں بکری کو ذبح کرنے کے لئے پکڑتا ہوں تو اس پر رحم کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "اگر تم بکری پر رحم کرو گے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا"۔ (مسند امام احمد ۱۵۱۶۵ و ۱۹۸۵۱، الادب المفرد ۳۷۳، حاکم ۶۵۴۱ و ۶۳۶۷، طبرانی)۔ اسے امام حاکمؒ نے صحیح کہا۔ حافظ ہیثمیؒ کہتے ہیں اس روایت کے بہت سے الفاظ ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد، ج ۴، رقم ۶۰۲۹۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ، رقم ۲۶)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بکری کو ذبح کرنے کے لئے اس کی ٹانگوں سے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا

ویلك قُد ھا الی الموت قَوداً جمیلاً

" تیری خرابی ہو۔ اس کو مارنے کے لئے لے جا رہا ہے تو خوبصورتی کے ساتھ لے کر جا"۔ (مصنف عبدالرزاق۔ الترغیب والترہیب، رقم ۱۶۳۵)۔

حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"من رحم ولو ذبیحۃ [عُصفورٍ] رحمہ اللّٰہ یوم القیامۃ رواہ البخاری فی الادب المفرد، قال الھیثمی رجالہ ثقات و قال السید مسعود احمد سندہ حسن و رجالہ ثقات و قال الالبانی سندہ حسن

جس نے کسی ذبیحے پر رحم کیا۔ خواہ وہ چڑیا کا ہی ذبیحہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر رحم فرمائے گا۔ (الادب المفرد للامام البخاریؒ)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد، ج ۴، رقم ۶۰۳۰) شیخ الاسلام

سید مسعود احمدؒ لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں (منہاج المسلمین ٦٦٦)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

مرَّ رسول اللّٰه ﷺ علیٰ رجلٍ واضع رجله علی صفحة شاةٍ و هو یُحِدُّ شفرتَه و هی تلحظ الیه ببصرها فقال " ا فلا قبل هذا؟ اَ تُریدُ ان تمیتها موتتین [موتات؟ هلاَّ اَحددتَ شَفرتَك قبل ان تُضجِعها؟] ۔ رواه الطبرانی و البیهقی و الحاکم وصححه هو و الذهبی و قال المنذری و الهیثمی رجاله رجال الصحیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو ایک بکری کو لٹا کر اس کی گردن پہ اپنا پیر رکھ کر اپنی چھری تیز کر رہا تھا۔ اور وہ بکری اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا ''تو نے اپنی چھری پہلے سے تیز کیوں نہ کی؟ کیا تو اس بکری کو کئی موتیں مارنا چاہتا ہے؟''۔ (طبرانی، بیہقی، حاکم ٧٦٣٧، ٧٦٤٤)۔ اسے امام حاکم، حافظ منذری، اور حافظ ذہبی نے صحیح کہا۔ (الترغیب والترہیب ١٦٣١، مجمع الزوائد ٤، رقم ٦٠٣٣، منہاج المسلمین ٦٦٧، تفسیر قرآن عزیز ج٦، صفحہ ٨٨١)۔

عن ابن عمرؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم اَمر بِحَدّ الشفار و ان تواری من البهائم و اذا ذبح احدکم فلیُجهِز رواه احمد (٥٨٣٠) و ابن ماجة (٣١٧٢) الحدیث اخرجه المنذری بصیغة رُوِی و قال الهیثمی مدار الاسناد علی ابن لهیعة و هو ضعیف و شیخه قرة بن حیوئیل ایضاً ضعیف (الترغیب و الترهیب ١٦٣٢) و صححه الشیخ احمد شاکر (سلسلة الاحادیث الصحیحة، المجلد السابع، القسم الاول، رقم ٣١٣٠)۔

(vii) جانوروں پر رحمت وشفقت کی انتہا

حضرت سوادہ بن ربیعؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپؐ سے کچھ سوال کیا۔ آپؐ نے مجھے دس اونٹنیاں عطا فرمائیں۔ پھر مجھ سے فرمایا

اذا رجعتَ الی بیتك فمرهم فلیحسنوا غذاء رباعهم و مُرهم فلیُقلّموا اظفارهم ولا یعبطوا [یخدشوا] بها ضروع مواشیهم اذا حلبوا رواه احمد و الطبرانی فی الکبیر و قال الهیثمی اسناده جید

جب تم اپنے گھر واپس جاؤ تو اپنے گھر والوں سے کہنا کہ وہ اپنے جانوروں کو اچھی غذا دیں اور ان کو حکم دینا کہ وہ اپنے ناخن کتر لیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اپنے مویشیوں کا دودھ دوہیں تو اُن کے تھنوں کو (اپنے ناخنوں) سے زخمی کر دیں (مسند امام احمد ج ۴، رقم ۱۵۵۳۱، طبرانی۔ منہاج المسلمین ص ۴۳۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فانطلق لحاجته فرأینا حُمَّرةً معها فرخان فأخذنا فرخیها فجاء ت الحمرةُ فجعلت تعرش فجاء النبی ﷺ فقال من فجع هذه بولدها؟۔ رُدُّوا ولدها الیه رواه احمد و البخاری فی الادب المفرد و ابو داود و الحاکم

ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی دوران ہم نے ایک قُمری کو دیکھا۔ اُس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا۔ وہ قُمری آ کر منڈلانے لگی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا ''اس کے بچوں کو چھین کر کس نے اس کو پریشان کیا ہے؟۔ اس کے بچے اس کو واپس دے دو (مسند امام احمد ۳۸۲۵، الادب المفرد ۳۸۲، ابوداؤد ۲۶۷۵ و ۵۲۶۸، مستدرک حاکم ۷۶۷۳)۔ مسند امام احمد اور الادب المفرد میں بچوں کے بجائے انڈوں کا ذکر ہے۔

(viii) فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰه

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَعَنَهُ اللّٰهُ م وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً o وَ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ و لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْاَنعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ط وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيّاً مِّن دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَاناً مُّبِيْناً o (النسآء ۱۱۸-۱۱۹)۔

اللہ نے شیطان پر لعنت کر دی ہے۔ اُس نے اللہ سے کہا تھا کہ (اے اللہ) میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لوں گا۔ میں ضرور تیرے بندوں کو بہکاؤں گا اور انہیں امیدیں دلاؤں گا اور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور جانوروں کے کان چیریں گے اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ یقیناً اللہ کی خلقت کو بدل دیں گے۔ اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ صریح نقصان میں جا پڑے گا۔ (النسآء ۱۱۸-۱۱۹)۔

اس آیت میں ''اللہ کی خلقت کو بدلنے'' سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

قال ابن عباسؓ يعنى بذلك خصى الدوابِ و كذا رُوِى عن ابن عمرؓ و انسٍ و سعيد بن المسيّب و عِكرِمةَ و ابى عياض و قتادةَو ابى صالح و الثَّورى وقد ورد فى حديث النهى عن ذلك

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے جانوروں کو خصی کرنا مراد ہے۔ اور اسی طرح مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حضرت انسؓ سے اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے اور حضرت عِکرِمہؒ سے اور حضرت ابوعیاضؒ سے اور حضرت قتادہؒ سے اور حضرت ابوصالحؒ سے اور امام سفیان ثوریؒ سے اور حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

واَخرج عبد الرزاق وا بن ابى شيبة و عبد بن حميد وابن جرير و ابن المنذر عن انسٍ انه كره الاخصاء و فيه نزلت " و لاٰمرنهم

فـليغيرن خلق اللّٰه " و اخرج عبد بن حميد و ابن جرير و ابن المنذ رعن ابـن عبـاسؓ مثـله و اخرج ابن ابی شيبة و البيهقی عن ابن عمرؓ قال نهی رسـول الـلّٰـه صلی اللّٰه عليه و سلم عن خصاء البهائم و الخيل و اخرج ابـن المنذ ر و البيهقی عن ابن عباسؓ قال نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سـلـم عـن صبـر الـروح و اخـصـــاء البهـــائـم (تـفسير فتح القدير)۔

امام عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریراور ابن المنذ رنے حضرت انسؓ سے روایت کیاہے کہ انہوں نے خصی کرنے کو ناپسند فرمایا اور آیت ''و لا مرنهم فليغيرن خلق اللّٰه " اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔اورعبد بن حمید، ابن جریراور ابن المنذ رنے ایسا ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں اور گھوڑوں کو خصی کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور ابن المنذ راور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جاندار کو باندھ کر قتل کرنے سے اور مویشیوں کو خصی کرنے سے منع فرمایاہے(تفسیر فتح القدیر، ج۱، ص ۵۶۴)۔

و قد كره قوم شراء الخصی (فتح القدير، ج ١، ص ٥٦٣)

اور ایک قوم نے خصی جانوروں کی خرید وفروخت کو ناپسند کیاہے۔(تفسیر فتح القدیر، ج۱، ص ۵۶۳)۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں

و عند ابی حنيفةؒ يكره شراء الخصيان و امساكهم و استخدامهم لان الرغبة فيهم تد عو الی خصائهم (تفسير كشّاف، ج ١، ص ٥٦٦)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خصی جانوروں کی خریدو فروخت، ان کو رکھنا اور ان سے کام لینا مکروہ ہے اس لئے کہ ایسے جانوروں میں رغبت رکھنا سبب بنے گا ان کو خصی کرنے کا۔(تفسیر کشّاف، ج۱، ص ۵۶۶)۔

سبحان اللہ۔امام ابوحنیفہؒ نے کتنی دوراندیشی سے کام لیاہے۔

(۲۸) خصی جانوروں کی قربانی کرنا

جانوروں کا کاروبار کرنے والے بیوپاری حضرات جانوروں کو خصی کرتے ہیں اور پھر انکو زیادہ قیمت میں بیچتے ہیں۔ بہت سے لوگ لاعلمی کی بنا پر قربانی کے لئے خصی جانوروں کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کو خوشی خوشی عام جانوروں کی نسبت زیادہ قیمت ادا کر کے خریدتے ہیں اور پھر فخر یہ ان کی قربانی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ خصی جانور کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے اور اس میں بدبو بھی نہیں ہوتی۔ یہ صرف ایک خوشنما بہانہ ہے ورنہ جو اچھے پالتو جانور ہوتے ہیں ان کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے اور اس میں بھی بدبو نہیں ہوتی۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم عیدالاضحیٰ پر قربانی اپنی زبان کے چٹخاروں کے لئے نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں قربانی کرتے وقت اللہ اور رسول کے احکام کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے

اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم نہٰی عن صبرِ ذی الرُّوحِ و اِخصاءِ البھائمِ نھیاًشدیداً رواہ البزّارو قال الھیثمیُّ رجالہ رجال الصحیح و قال الشوکانی اسنادہ صحیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جاندار کو باندھ کر مارنے (شکار کرنے) اور چوپایوں کو خصی کرنے سے **بڑی سختی** سے منع فرمایا ہے (مسند بزار)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۹۳۶۸)۔ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (نیل الاوطار، ج ۸، ص ۸۸)۔

اس حدیث کا بعض لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں تو چوپایوں کو خصی کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن خصی جانور کی قربانی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانوروں کی قربانی کی ہے۔ لہٰذا خصی جانوروں کی قربانی جائز ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں ہم کو مندرجہ ذیل احادیث ملتی ہیں۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يُضَحّى بكبشينِ و أنا أضَحّى بكبشين رواه البخارى (۵۵۵۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں (صحیح بخاری ۵۵۵۳)۔

(۲) عن أنسؓ أن النبيَّ صلى اللّٰه عليه و سلم كان يُضَحّى بكبشَيْنِ أملحَيْنِ اَقرَنَيْنِ و يضعُ رِجلَه على صفحتهما [صفاحهما] و يذبحهما بيده متفق عليه

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سفید، سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ آپؐ اپنا قدم ان کے پہلو پر رکھتے تھے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ۵۵۶۴، صحیح مسلم ۵۰۸۷)۔

(۳) عن أبى بكرةؓ قال ثم انصرف كأنه يعنى النبىَّ صلى اللّٰه عليه و سلم يوم النحرِ اِلى كبشَينِ أملحَينِ فذبحَهُما رواه النسائى

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سفید مینڈھوں کی طرف گئے اور ان کو ذبح کیا (نسائی ۴۳۹۴)۔

(٤) عن عائشةؓ أن رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم أ مر بِكبشٍ أقرنَ يطأ فى سوادٍ و يبرك فى سواد و ينظر فى سوادٍ رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ (قربانی کے لئے) ایک ایسا مینڈھا لایا جائے جو سینگوں والا ہو، جس کے پیر، پیٹ اور آنکھوں کے آس پاس کا رنگ کالا ہو (صحیح مسلم ۵۰۹۱)۔

مندرجہ بالا احادیث بالکل صحیح ہیں لیکن ان میں یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن جانوروں کی قربانی کرتے تھے وہ خصی ہوتے تھے یا غیر خصی۔ اب ہم وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن میں جانوروں کے خصی یا غیر خصی ہونے کی صراحت ہے۔

غیر خصی جانور کی قربانی

(۱) عن أبی سعیدؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یُضحّی بِکَبشٍ أقرن فحیلٍ یأکُلُ فی سوادٍ و یمشی فی سواد و ینظر فی سواد رواہ أبوداود و اللفظ لہ والترمذی و صححہ والنسائی وابن ماجۃ و الحاکم و ابن حبان و البیھقی و صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی و قال الشوکانی صححہ ابن حبان وھو علیٰ شرط مسلم۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مینڈھے کی قربانی کرتے تھے جو سینگوں والا ہوتا۔ غیر خصی (آنڈو) ہوتا اور جس کے منہ، پیروں اور آنکھوں کے آس پاس کا رنگ کالا ہوتا (ابوداوٗد ۲۷۹۶، ترمذی ۱۴۹۶، نسائی ۴۳۹۵، ابن ماجہ ۳۱۲۸، حاکم ۷۶۲۲، ابن حبان ۵۹۰۲)۔ اسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور حافظ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ (تھذیب الترمذی، ج۲، ص ۲۰۹)۔ اور علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور یہ امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے۔ (نیل الاوطار، ج۵، ص ۱۱۸)۔

(۲) عن ابن عباسؓ قال ضحّی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم بکبشٍ أقرنَ اعیَنَ فحل ، قال الھیثمیؒ رواہ الطبرانی فی الاوسط و الکبیر و ھذا لفظہ و اسنادہ حسن (مجمع الزوائد، ج٤، رقم ٥٩٧٥)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والے، بڑی آنکھوں والے، ایک نر (غیر خصی) مینڈھے کی قربانی کی (طبرانی اوسط و طبرانی کبیر)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، ج۴، رقم ۵۹۷۵)۔

غیرخصی جانور کی قربانی کے بارے میں اوپر نقل کردہ حدیثیں بالکل صحیح ہیں۔

خصی جانور کی قربانی

(۱) عن جابرؓ قال ضحّٰی رسول اللّٰه علیه و سلم یوم عید [یوم الذبح] بِکبشَینِ "اقرنین املحین موجوئین" رواه أبوداود و أبو یعلی وفی اسناده محمد بن اسحق و یزید بن ابی حبیب و کلاهما مدلس و فی اسناد أبی یعلی عبد اللّٰه بن محمد بن عقیل و هو ضعیف

حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن دو سینگوں والے، سفید رنگ کے، خصی مینڈھوں کی قربانی کی ۔(ابوداؤد ۲۷۹۵، ابویعلیٰ ۱۷۹۲) ۔

(۱) یہ حدیث مسند امام احمدؒ، ابن ماجہ اور دارمی میں بھی ہے لیکن ان کتابوں کی روایات میں "خصی" کا لفظ نہیں ہے۔(مسند امام احمد ۱۴۶۰۴، ابن ماجہ ۳۱۲۱، دارمی ۱۹۴۶)۔لہٰذا اس روایت میں "خصی" کا لفظ غیر محفوظ ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں دو راوی ہیں۔محمد بن اسحاق اور یزید بن ابی حبیب اور یہ دونوں مُدَلّس ہیں اور جو لوگ خصی جانور کی قربانی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مدلسین کی روایات قابل قبول نہیں جب تک ان میں سماع کی صراحت نہ ہو اور ان روایات میں سماع کی صراحت نہیں۔

(۳) ابویعلیٰ کی روایت میں عبداللہ بن محمد بن عقیل ضعیف ہے۔سیدنا امام مالکؒ اور امام یحییٰ بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔سیدنا امام احمدؒ اسے منکر الحدیثؒ فرماتے ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں وہ ضعیف الحدیث ہے اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جاتی۔امام ابن المدینیؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔امام ابو حاتمؒ نے لیّن الحدیث کہا اور کہا اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جاتی۔امام ابن خزیمہؒ نے فرمایا کہ اس کے خراب حافظے کی وجہ سے میں اس سے حجت نہیں لیتا۔امام ابن حبانؒ اور خطیبؒ نے بھی اس کو بدحافظہ کہا۔

وغیرہ وغیرہ (تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۲۵۹۔۲۶۰)۔علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں فیه مقال (نیل الاوطار، ج ۵،ص۱۱۹)۔

(۲) عن ابی رافع قال ضحی رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم بکبشین أملحین موجیین خصیین رواہ أحمدو فی اسنادہ عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل و هو ضعیف

حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی دو سینگوں والے،سفید رنگ کے خصی مینڈھوں کی (مسند امام احمد ۲۳۳۴۸)۔

(۱) اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے جس کے متعلق گزر چکا کہ وہ ضعیف ہے۔

(۲) یہ روایت مسند بزار،طبرانی کبیر اور مسند امام احمد میں بھی ایک اور جگہ مروی ہے لیکن اس میں خصی کا لفظ نہیں ہے۔اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

عن ابی رافع مولی رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم کان اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرتے تو دو موٹے،سینگوں والے،سفید مینڈھے خریدتے۔(مسند امام احمدؒ ۲۶۶۴۹، بزار، طبرانی۔مجمع الزوائد ۵۹۶۷)۔

(۳) عن عائشةؓ وأبی هریرةؓ أنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم کان اذا أراد أن یُضَحّیَ اشتری کبشینِ سمینَینِ عظیمینِ أملحینِ مَوجُوئَینِ رواہ أحمد وابن ماجة والحاکم و قال الشوکانی مدار طُرُقِه کُلّها علی عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل و فیه مقال و قال أیضاً أنَّ فی اسنادہ عیسی بن عبد الرحمان بن فروة وهوضعیف (نیل الاوطار، ج ۵، ص ۱۱۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو موٹے، بڑے، سفید رنگ کے خصی مینڈھے خریدتے (مسند امام احمد ۲۴۵۲۵، ابن ماجہ ۳۱۲۲، حاکم

۷۶۲۱)۔

(۱)اس کی سند میں بھی عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے جو ضعیف ہے۔

(۲)علامہ شوکانیؒ کے مطابق اس کی سند میں ایک اور راوی عیسیٰ بن عبدالرحمان بن فروہ بھی ضعیف ہے۔ یہ راوی ابن ماجہ کی روایت میں نہیں۔ یہ راوی طبرانی اوسط اور طبرانی کبیر کی روایت میں ہے۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اسے طبرانی نے اوسط اور کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں عیسیٰ بن عبدالرحمان بن ابی فروہ ہے اور وہ ضعیف ہے (مجمع الزوائد، ج۴، رقم ۵۹۷۴)۔

(۳)اس حدیث کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ **اور** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جبکہ مسند احمد کی روایت میں ''حضرت عائشہ صدیقہؓ **یا** حضرت ابوہریرہؓ'' کے الفاظ ہیں۔

حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں

رواہ ابن ماجة علی الشك عن أبی هريرةؓ أو عن عائشةؓ (مجمع الزوائد، ج ٤، رقم ٥٩٧٤)۔ اسے ابن ماجہ نے شک کے طور پر روایت کیا ہے۔ یعنی ''حضرت ابوہریرہؓ **یا** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے''۔ (مجمع الزوائد، ج۴، رقم ۵۹۷۴)۔ حافظ ہیثمیؒ نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن میرے پاس ابن ماجہ کے جو نسخے ہیں ان میں شک نہیں بلکہ ان میں یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ **اور** حضرت ابوہریرہؓ دونوں سے مروی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

البتہ طبرانی نے اسے بغیر شک کے صرف حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ (حاشیہ مستدرک حاکم، ج ۵، ص ۳۲۱)۔

(۴)دارقطنی نے اسے عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہؓ روایت کیا ہے (دارقطنی ۴۶۹۹)۔ دارقطنی کی روایت میں مینڈھوں کے خصی ہونے کے الفاظ نہیں ہیں۔

طبرانی اور دارقطنی کی مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام

کسی راوی نے غلطی سے لے دیا ہے۔

(۵) اس روایت کی سند میں ایک اور بھی اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

وقد اختلف علیه فی اسناده فقال زهیر بن محمد و شریك و عبید اللّٰه بن عمرو کلهم عنه عن علی بن الحسین عن أبی رافعؓ و خالفهم الثوری کما تری و یحتمل أن یکون له فی هذا الحدیث طریقان (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۲)۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل پر اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ زہیر بن محمد، شریک اور عبیداللہ بن عمرو، ان سب نے اسے عن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن علی بن حسین عن ابی رافعؓ روایت کیا ہے جبکہ امام سفیان ثوریؒ نے ان کی مخالفت کی ہے (انہوں نے اسے عن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمہ عن عائشۃ الصدیقہؓ او عن ابی ہریرہؓ روایت کیا ہے)۔ اور ہوسکتا ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے پاس اس حدیث کی دو سندیں ہوں۔ (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۲)۔

الغرض یہ حدیث کسی طرح قابل احتجاج نہیں۔

(٤) عن ابی الدرداءؓ قال ضحّی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم بکبشین جذعین موجیین [خصیین] رواه احمد ۲۱۲۰٦ و ۲۱۲۰۷ و فیه الحجاج بن أرطاة وهو ضعیف

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چھوٹے، خصی مینڈھوں کی قربانی کی (مسند امام احمدؒ ۲۱۲۰۶ و ۲۱۲۰۷)۔ اس روایت میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہے۔ (نیل الاوطار، ۱۱۸/۵)۔

مندرجہ بالا احادیث کے بغور مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ

(۱) جو احادیث بالکل صحیح ہیں ان میں صرف مینڈھوں کی قربانی کا ذکر ہے۔ ان میں یہ صراحت نہیں ہے کہ مینڈھے خصی تھے یا غیر خصی تھے۔

(۲) جن احادیث میں مینڈھوں کے غیر خصی ہونے کی صراحت ہے وہ احادیث بھی صحیح ہیں

(۳) لیکن جن احادیث میں مینڈھوں کے خصی ہونے کا ذکر ہے ان میں

سے کوئی ایک حدیث بھی صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصی جانور کی قربانی کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ البتہ غیر خصی جانور کی قربانی ضرور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۶) اگر ہم بالفرض یہ مان بھی لیں کہ خصی جانور کی قربانی صحیح حدیث سے ثابت ہے تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ کا یہ فعل جانوروں کو خصی کرنے کی ممانعت سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان احادیث سے خصی جانور کی قربانی کی دلیل لینا قطعاً درست نہیں ۔ آپؐ کے اس فعل کے مقدم یا مؤخّر ہونے کے بارے میں چونکہ احادیث میں کوئی صراحت نہیں لہٰذا یہی کہنا مناسب ہوگا کہ اگر آپؐ نے ایسا کیا ہے تو آپؐ کا یہ فعل یقیناً ممانعت سے پہلے کا ہوگا۔

واضح ہو کہ یہ سب کچھ اس مفروضے پر تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی جانور کی قربانی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو۔ لیکن جیسا اوپر بیان کیا گیا خصی جانور کی قربانی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہی نہیں۔ فللّٰہ الحمد

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

جو لوگ خصی جانور کی قربانی کو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جن جانوروں کی قربانی نہیں ہوسکتی ان جانوروں کے جو عیوب بتائے گئے ہیں ان میں خصی ہونا شامل نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جانوروں کے جو عیوب بتائے گئے ہیں ان میں حصر نہیں ہے۔ اس کو مندرجہ ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں۔ جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا''۔ (صحیح بخاری ۶۴۱۰ و صحیح مسلم ۶۸۰۹)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

و اتفق العلماء علی ان ھذا الحدیث لیس فیه حصر لاسمائه سبحانه و تعالی فلیس معناه انه لیس له اسماء غیر ھذه التسعة و التسعین (شرح صحیح مسلم، ج ۱۷، ص ۵)

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کا

حصر مقصود نہیں۔یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ (اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے ہیں) اوران ننانوے ناموں کے علاوہ اس کا کوئی نام نہیں''۔(شرح صحیح مسلم، ج ۱۷،ص۵)۔

ان ننانوے ناموں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بہت سے نام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔مثلاً رب العالمین،ارحم الراحمین، احکم الحاکمین،احسن الخالقین،خیرالرازقین، اسرع الحاسبین،علام الغیوب،عالم الغیب والشہادۃ،سمیع الدعاء،سریع الحساب،شدید العقاب،رب العزۃ،رب العرش العظیم،الحنان، المنان وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جانوروں کے جو عیوب بتائے گئے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عیوب کے علاوہ کوئی اور عیب نہیں ہوسکتا۔اگر ان کے علاوہ کوئی اور عیب نہیں ہوسکتا تو بتایا جائے کیا چکتی کٹے دنبے کی،کسی تھن کٹی بکری کی یا کسی کوہان کٹے اونٹ کی قربانی ہوسکتی ہے؟۔

انسداد بے رحمی حیوانات

اب ہم خصی جانوروں کی قربانی کا ایک دوسرے زاویئے سے جائزہ لیتے ہیں۔اوروہ زاویہ ہے انسدادِ بے رحمیِ حیوانات کا۔

(۱) جانوروں کو خصی کرنے سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔آجکل ہوسکتا ہے کہ جدید طریقوں سے خصی کرنے کا عمل آسان ہوگیا ہو اور اس سے جانوروں کو زیادہ تکلیف نہ ہوتی ہو لیکن اُس زمانے میں تو جانوروں کو دیسی طریقوں سے خصی کیا جاتا تھا اور اس سے ان کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔اور آجکل بھی خصی کرنے کے جدید طریقوں اور جدید آلات تک کس کس کی رسائی ہے۔ہمارے گاؤوں اور دیہاتوں بلکہ شہروں میں بھی پرانے طریقے ہی استعمال ہوتے ہیں جو تکلیف دہ ہوتے ہیں۔اسی لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے مطلقاً ہی منع فرما دیا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمین کے لئے ہی رحمت

نہیں تھے۔ یا صرف انسانوں کے لئے ہی رحمت نہیں تھے ۔ بلکہ آپؐ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ آپؐ سارے جہانوں کے لئے رحمت تھے۔ آپؐ جانوروں کیلئے بھی رحمت تھے۔ جس زمانے میں انسانوں کے حقوق کوئی تسلیم نہیں کرتا تھا اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج تھا اُس زمانے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے حقوق متعین فرمائے، جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کے فضائل بیان فرمائے۔ جن کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کافی تفصیل سے کر چکے ہیں اور یہاں ہم دوبارہ مختصراً بیان کرتے ہیں

ایک شخص نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا۔ اسی بات پر اس کی بخشش ہو گئی۔ (صحیح بخاری ۶۰۰۹، صحیح مسلم ۵۸۵۹)۔

ایک بدکار عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا۔ اس کی بھی اس بات پر بخشش ہوگئی۔ (صحیح بخاری ۳۳۲۱، صحیح مسلم ۵۸۶۱)۔

ایک عورت نے ایک بلّی کو باندھ کے رکھا اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ اس وجہ سے وہ عورت جہنم میں گئی۔ (صحیح بخاری ۳۴۸۲، صحیح مسلم ۵۸۵۲)۔

آپؐ نے فرمایا ''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ابوداؤد ۲۵۴۸)۔ اسے امام نوویؒ نے صحیح کہا (ریاض الصالحین ۹۶۶)۔

آپؐ نے جانوروں کو تکلیف پہنچانے، ان کو بلاوجہ مارنے، ان کے ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ان کے چہرے پر مارنے یا چہرے پر گودنے، داغنے سے منع فرمایا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے ان کو کرسی بنانے سے بھی منع فرمایا (مسند امام احمدؒ ۱۵۲۱۲، حاکم ۱۶۶۷، ابن حبان ۵۶۱۹، بیہقی)۔ اس کی سند صحیح ہے (منہاج المسلمین ص ۵۳۵)۔

یعنی یہ نہیں کہ ان پر مستقل بیٹھے رہو یا لمبے لمبے سفر کرتے رہو اور انہیں آرام کی مہلت نہ دو۔ بلکہ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ جب تم ہریالی اور خوشحالی میں سفر کرو تو ان کو زمین میں چرنے دو اور جب تم قحط سالی کے زمانے میں سفر کرو تو

جلدی جلدی چلو (تا کہ جلد منزلِ مقصود پہ پہنچ کر ان کے چارے کا بندوبست کرو) (صحیح مسلم ۴۹۵۹)۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ جب کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو نماز پڑھنے سے پہلے جانوروں کے کجاوے کھول دیتے تھے (تا کہ وہ آزادی سے چر سکیں) (ابوداؤد ۲۵۵۱)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (ریاض الصالحین ۹۶۸)۔

جانوروں کے ساتھ شفقت کی انتہا ہے کہ آپؐ نے یہاں تک حکم دیا کہ ان کا دودھ دوہنے سے پہلے اپنے ناخن کاٹ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ناخنوں سے ان کے تھنوں پر خراش آ جائے۔ (مسند امام احمد ۱۵۵۳۱، طبرانی کبیر) ۔حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کی سند اچھی ہے۔ (مجمع الزوائد، رقم ۱۳۷۴۴۔ منہاج المسلمین، ص ۴۳۶)۔

جسمانی تکلیف کے علاوہ آپؐ نے جانوروں کو ذہنی اذیت دینے سے بھی منع فرمایا۔ ایک صحابی نے قُمری کے دو بچوں کو پکڑ لیا۔ وہ قمری آکر منڈلانے لگی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا ” اس کے بچوں کو چھین کر کس نے اسے پریشان کیا ہے؟۔ اس کے بچے اس کو واپس کر دو“۔ (ابوداؤد ۲۶۷۵ و ۵۲۶۸، مستدرک حاکم ۷۶۷۳)۔

جس دین کی تعلیم یہ ہو کہ جانوروں کا دودھ دوہتے وقت ان کے تھنوں پہ ناخنوں کی خراش تک نہ آئے وہ دین اور اس دین کے پیروکار یہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ اپنے کام و دہن کی وقتی لذت کی خاطر بے زبان جانوروں کو خصی کیا جائے۔ یہ بات تو اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔

اس پس منظر میں اب خصی جانوروں کی قربانی پر غور کرنا چاہئے۔ اگر ہم خصی جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے تو جانوروں پر یہ ظلم ہوتا رہے گا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہمیں اس ظلم کو اسی طرح جاری رہنے دینا چاہئے یا اپنے دین کی تعلیمات کی روشنی میں ہم کو اس ظلم کے خاتمے کے لئے کوئی کوشش کرنی چاہئے

میرے خیال کے مطابق اس ظلم کے ختم ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں

(۱) حکومت وقت بذریعہ قانون اس لعنت کو ختم کرے اور اس کی

خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دے۔

(۲) جانوروں کوخصی کرنے والے اللہ کے ڈر سے خود ہی اس گناہ سے تائب ہو جائیں۔

(۳) ہم خصی جانور نہ خرید کر جانوروں کے بیوپاریوں کو اس بات پر مجبور کردیں کہ وہ جانوروں کو خصی نہ کریں۔

ان میں سے تیسری بات ہمارے اختیار میں ہے تو کیوں نہ ہم اس ظلم کو ختم کرانے کے لئے اپنے اختیار کو استعمال کریں اور عنداللہ ماجور ہوں؟

ترقی یافتہ ممالک میں صارفین کی بڑی طاقتور انجمنیں ہوتی ہیں۔ وہاں اگر کوئی کارخانہ اپنی مصنوعات کی قیمتیں بے جا طور پر بڑھا دے تو وہ انجمنیں اس کارخانے کی مصنوعات کا بائیکاٹ کروا کر اس کارخانے کو اپنی مصنوعات کی قیمتیں کم کرنے پر مجبور کردیتی ہیں اور کارخانہ کتنا ہی بڑا اور طاقتور کیوں نہ ہو اس کو عوامی مزاحمت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ تو کیا ہم جانوروں کو خصی کرنے والوں کے خلاف اسی قسم کی مزاحمتی تحریک چلا کر بے زبان جانوروں پر ہونے والے اس ظلم کا سدّ باب نہیں کروا سکتے؟ ضرور کروا سکتے ہیں لیکن یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہم خصی جانور خریدنا اور ان کی قربانی کرنا چھوڑ دیں۔ کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں؟

(۲۹) سرِ شعبان کا روزہ

عن عمران بن حُصینؓ انَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال لہ او لآخر " أصمتَ من سرر شعبان ؟"۔ قال لا، قال " فاذا افطرت [من رمضان] فصم یومین [مکانہ] رواہ مسلم و روی البخاری نحوہ

حضرت عمران بن حُصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یا کسی اور سے فرمایا ''کیا تم نے سرِ شعبان میں روزہ رکھا؟''۔ اس نے کہا نہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم رمضان (کے روزوں) سے افطار کرو تو اس (ایک روزے) کی جگہ دو روزے رکھنا''۔ (صحیح مسلم ۲۷۵۱، صحیح بخاری ۱۹۸۳)۔

سر شعبان کے روزے میں تو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ''سر شعبان'' سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا اس سے اول مہینہ مراد ہے۔ بعض نے کہا وسط مہینہ اور بعض نے کہا آخر مہینہ۔

اول مہینہ: امام اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیزؒ نے اس سے اول مہینہ مراد لیا ہے۔ (ابوداؤد ۲۳۳۰)۔

وسط مہینہ: امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

قال و انکر بعضهم هذا و قال المراد وسط الشهر قال و سرار کل شیء وسطه قال هذا القائل لم یات فی صیام آخر الشهر ندب فلا یحمل الحدیث بخلاف وسطه فانها ایام البیض

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں بعض لوگوں نے آخر مہینے کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے مہینے کا وسط مراد ہے کیونکہ ہر چیز کا ''سرار'' اس کا وسط ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر مہینے کے روزوں کے بارے میں کوئی ندب وارد نہیں اس لئے اس حدیث کو آخر مہینے پر محمول نہ کیا جائے۔ اس کے برعکس اسے مہینے کے وسط پر محمول کیا جائے اس لئے کہ وہ ''ایامِ بیض'' ہیں (جن کے روزوں کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ (شرح صحیح مسلم، ج۸، ص ۵۳)۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں و قیل السرر وسط الشهر حکاه ابوداود ایضاً و رجحه بعضهم و وجهه بان السرر جمع سرة و سرة الشیء وسطه و یؤیده الندب الی صیام البیض و هی وسط الشهر و أنه لم یرد فی صیام آخر الشهر ندب بل ورد فیه نهی خاص بأخر شعبان لمن صامه لاجل رمضان و رجحه النووی بان مسلماً افرد الروایة التی فیها سُرَّةُ هذا الشهر عن بقیة الروایات و اردف بها الروایات التی فیها الحض علیٰ صیام البیض و هی وسط الشهر کما تقدم (فتح الباری، ج ٤، ص ١٧٢ و نیل الاوطار، ٤/ ٢٦٠)۔

کہا گیا ہے کہ ’’سرر‘‘ سے مراد مہینے کا درمیان ہے۔ اسے بھی امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور بعض لوگوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ’’سرر‘‘ ’’سُرَّ ۃ‘‘ کی جمع ہے اور سُرَّ ہ کسی بھی چیز کے درمیان کو کہتے ہیں۔ اور اس کی تائید ایامِ بیض کے روزوں کے استحباب سے بھی ہوتی ہے جو مہینے کے وسط میں (یعنی ۱۳،۱۴ اور ۱۵ کو) رکھے جاتے ہیں جبکہ مہینے کے آخر میں روزہ رکھنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ اس کے برعکس شعبان کے آخر میں تو روزہ رکھنے کی خاص ممانعت ہے جو رمضان کے (استقبال کے) لئے رکھے جاتے ہیں۔ اور امام نوویؒ نے وسط مہینہ ہی کو ترجیح دی ہے اس وجہ سے کہ امام مسلمؒ نے " سرة هذا الشهر" کی روایت کو دوسری روایات سے علیحدہ روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ وہ روایات بیان کی ہیں جن میں ایام بیض کے روزوں کی ترغیب ہے اور وہ مہینے کا درمیان ہوتا ہے جیسا پہلے بیان کیا گیا۔ (فتح الباری، ج ۴، ص ۲۷۲ و نیل الاوطار، ج ۴، ص ۲۶۰)۔

آخر مہینہ: امام اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیز کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام ابوداودؒ لکھتے ہیں۔

قال بعضهم سره وسطه و قالوا آخره **(ابوداود ۲۳۳۱)**۔

بعض نے کہا اس سے مراد وسط مہینہ ہے اور بعض نے کہا آخر مہینہ مراد ہے۔ **(ابوداود ۲۳۳۱)**۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں قال ابو عبید و الجمهور المراد بالسرر هنا آخر الشهر سميت بذلك لاستسرار القمر فيها و هي ليلة ثمان و عشرين و تسع و عشرين و ثلاثين (فتح الباری ج ٤، ص ٢٧٢)

ابوعبید اور جمہور نے کہا ہے کہ یہاں ’’سرر‘‘ سے مراد مہینے کا آخر ہے۔ (’’سرر‘‘ کا لفظ ’’استسرار‘‘ سے نکلا ہے جس کے معنی چھپنے کے ہیں)۔ آخر مہینے کو سرر اس لئے کہتے ہیں کہ آخر مہینے میں چاند کی ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ تاریخ کو چاند چھپ جاتا ہے۔ (فتح الباری، ج ۴، ص ۲۷۲)۔

''سرر'' سے کیا مراد ہے؟'':

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ''الحدیث یفسر بعضه بعضاً''۔ یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح کرتی ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کسی حدیث میں اس لفظ کی تشریح آئی ہے تو ہمیں صحیح مسلم میں مندرجہ ذیل حدیث ملتی ہے۔

عن عمران بن حصینؓ انَّ النبیَّ صلی اللّٰه علیه و سلم قال له او قال لرجلٍ و هو یسمع " یا فُلانُ اَ صُمتَ من سُرَّةِ هذا الشهر؟" ۔ قال لا، قال " فاِذا افطرتَ فصم یومین" رواه مسلم ۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یا کسی اور سے پوچھا اور وہ سن رہے تھے ''اے فلاں۔ کیا تم نے اس مہینے کے وسط میں روزہ رکھا؟''۔ اس شخص نے جواب دیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''جب تم افطار کرو تو دو روزے رکھ لینا''۔ (صحیح مسلم ۲۷۴۵)۔

اس حدیث میں ''سرر'' کے بجائے ''سُرَّ ۃ'' کا لفظ ہے جس سے دوسری حدیثوں کی تشریح ہو گئی کہ ان حدیثوں میں ''سرر'' کے معنی درمیان کے ہیں۔ کیونکہ ''سُرۃ'' عربی زبان میں ناف کو کہتے ہیں اور ناف انسانی جسم کے درمیان میں ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث میں جو ''سرر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی درمیان کے ہیں۔ اسی حدیث کی بنا پر امام نوویؒ نے ''مہینے کے درمیان'' کی تشریح کو ترجیح دی ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

سُرَّةُ الشهر و هی وسطه ۔(شرح مسلم، ج ۸، ص ۴۹)۔

''سُرَّ ۃُ الشہر'' مہینے کا وسط (یعنی درمیان) ہے۔ (شرح مسلم)۔

امام نوویؒ مزید لکھتے ہیں۔

و یعضد من فسره بوسطه الروایة السابقة فی الباب قبله " سرة هذا الشهر" و سرارة الوادی وسطه و خیاره و قال ابن السکیت سرا ر الارض اکرمها و وسطها و سرار کل شیءٍ وسطه و افضله فقد یکون سرار الشهر من هذا (شرح مسلم، ج ۸، ص ۵۳)۔

جولوگ ''سرر'' کی تشریح ''وسط''(یعنی درمیان) سے کرتے ہیں ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو اس سے پہلے کے باب میں گزری (یعنی مندرجہ بالا حدیث) جس میں ''سرة هذا الشهر" کے الفاظ ہیں۔ اور'' سرارة الوادی" کہتے ہیں وادی کے وسطی اور اچھے حصے کو۔ اور ابن السکیت کہتے ہیں "سرار الارض" سے مراد سب سے اچھی اور درمیانی زمین ہے اور ہر چیز کا " سرار" اس چیز کا درمیانی اور سب سے اچھا حصہ ہوتا ہے۔''سرارالشهر" بھی اسی سے ہیں (یعنی مہینے کا درمیانی حصہ)۔ (شرح صحیح مسلم، ج۸،ص ۵۳)۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سألتم اللّٰهَ فسلوه الفردوس فانه سُرُّ الجنة ، عليك بسُرّ الوادی فانه اَمرعه و اعشبه قال الهيثمی رواه الطبرانی (فی الكبير) و رجاله وثقوا(مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۱۹۶، رقم ۱۷۳۵۰)۔

جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو اس لئے کہ وہ جنت کا '' سُر'' ہے۔ تم وادی کے سُر کو لازم پکڑو اس لئے کہ وہ حصہ سب سے زیادہ ہرا بھرا اور سرسبز ہوتا ہے۔ (طبرانی کبیر)۔ حافظ ہیثمیؒ کہتے ہیں اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد، ج۱۰،ص۱۹۶)۔ (سلسلۃ الصحیحہ رقم ۲۱۴۵)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

قيل السرر وسط الشهر حكاه ابو داود ايضاً و رجحه بعضهم و وجهه بان السرر جمع سرةٍ و سرة الشئ وسطه(فتح الباری، ج ٤، ص ۲۷۲)۔

کہا گیا ہے کہ ''سرر'' مہینے کا درمیان ہے۔ اسے بھی امام ابوداودؒ نے بیان کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس مطلب کو ترجیح دی ہے۔ اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ''سرر'' جمع ہے ''سُرَّ ة'' کی۔ اور کسی چیز کی بھی سُرہ اس کا وسط (درمیان) ہوتا ہے۔ (فتح الباری، ج۴،ص۲۷۲)۔

کیا ''سرة الشهر'' سے ایام بیض کے روزے مراد ہیں؟

بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد صرف ۱۵ شعبان کا روزہ مراد نہیں بلکہ ایامِ بیض یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ شعبان کے روزے مراد ہیں۔لیکن حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے ایامِ بیض کے روزے مراد نہیں ہوسکتے۔

(۱) سررشعبان کی حدیث میں ایام بیض کا کوئی تذکرہ نہیں

(۲) دوم یہ کہ حدیث کے الفاظ ہیں " فصم یومین مکانه"۔

(صحیح مسلم ۲۷۵۲)۔(تم دوروزے رکھنا اس ایک کی جگہ)۔"مکانه" میں "ہ" کی ضمیر ہے جو واحد کی ضمیر ہے۔اس لئے اس سے صرف ایک روزہ ہی مراد ہوسکتا ہے۔اگر ایام بیض کے تین روزے مراد ہوتے تو " مکانه" کے بجائے " مکانها" کے الفاظ ہوتے۔لہٰذا حدیث کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "جب تم افطار کرو تو اس ایک روزے کے بجائے دوروزے رکھنا"۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی کو رمضان کے بعد ایک کے بجائے دوروزے رکھنے کا حکم دیا جو ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے۔لیکن تین روزوں کے بجائے دوروزے رکھنے کا حکم عقلاً بعید اور ناقابلِ فہم ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ ان احادیث میں ایامِ بیض کے روزے مراد نہیں بلکہ صرف پندرہ شعبان کا ایک روزہ مراد ہے۔

کیا " سرر شعبان " سے آخر شعبان مراد ہوسکتا ہے؟

سررشعبان سے آخر شعبان مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ شعبان کے آخر میں تو روزے رکھنے کی ممانعت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا یتقدمنَّ احدکم رمضان بصوم یوم او یومین اِلَّا ان یکونَ رجل کان یصوم صوماً فلیصم ذلك الیوم متفق علیه۔

تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے ہرگز ہرگز روزہ نہ رکھے۔البتہ جو شخص کسی دن روزہ رکھتا ہو وہ اس دن کا روزہ رکھ لے۔(صحیح بخاری ۱۹۱۴، صحیح مسلم ۲۵۱۸) مثلاً اگر کوئی شخص پیر کا روزہ رکھتا ہو اور شعبان کی ۲۹ تاریخ

پیر کے دن ہو تو وہ شخص اس دن روزہ رکھ سکتا ہے، دوسرے لوگ نہیں رکھ سکتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا بقی نصف من شعبان فلا تصوموا رواہ احمد و الترمذی و صححه و ابو داود و ابن ماجة والدارمی و ابن حبان و غیرهم

جب شعبان کا مہینہ آدھا رہ جائے تو پھر روزے نہ رکھو (یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ آجائے)۔(مسند امام احمدؒ ۹۴۱۴، ترمذی ۷۳۸، ابوداؤد ۲۳۳۷، ابن ماجہ ۱۶۵۱، دارمی، ابن حبان ۳۵۸۹ و ۳۵۹۱)۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ، امام ابن حزمؒ، امام ابن عساکرؒ، امام ابن عبد البرؒ اور حافظ منذریؒ نے صحیح کہا ہے۔(تہذیب الترمذی للتلیدی ، ج ۱، ص ۴۳۹)۔

اعتراض برائے اعتراض

ایک صاحب سے پندرہ شعبان کے روزے کے خلاف جب کچھ بات نہ بن سکی تو وہ بہت دور کی کوڑی لائے۔انہوں نے کہا کہ یہ روزہ سنت نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ شعبان کا روزہ کبھی نہیں رکھا۔اللہ اکبر! اس سے اندازہ لگائیے کہ شیخ الاسلامؒ کی مخالفت میں لوگ کیسے کیسے بودے دلائل پیش کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ایسے لوگوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شعبان کا تقریباً سارا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

لم یکن النبیُّ صلی اللّٰه علیه و سلم یصوم شهراً اکثر من شعبان فانه کان یصوم شعبان کلَّه متفق علیه و زاد مسلم کان یصوم شعبان الا قلیلاً

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔شعبان کا تو پورا مہینہ ہی آپ روزے رکھتے تھے۔(صحیح بخاری ۱۹۷۰)۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ بہت تھوڑے دن چھوڑ کر شعبان کا پورا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے۔(صحیح مسلم ۲۷۲۲)۔

ترمذی اورنسائی میں ہے۔

ما رایتُ النبیَّ صلی اللّٰه علیه و سلم فی شهرٍ اکثر صیاماً منه فی شعبان کان یصومه [کلَّه] الا قلیلاً بل کان یصومه کله

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ آپؐ چند دن چھوڑ کر پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے۔ بلکہ (یہ سمجھو کہ) آپؐ شعبان کے پورے مہینے کے ہی روزے رکھتے تھے۔ (ترمذی ۷۳۶ب، نسائی ۲۱۸۰)۔

ان احادیث کی موجودگی میں یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پندرہ شعبان کا روزہ نہیں رکھا بالکل باطل ہے۔

ایک صاحب نے بہت ہی بھونڈا اعتراض کیا جسے نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہے تو نصف ۱۴ بنتی ہے اور اگر ۳۰ دن کا ہے تو ۱۵۔ کسی کو کیا علم کہ مہینہ آئندہ کتنے دنوں کا ہے۔ لہٰذا ۱۵ شعبان کا روزہ درست نہیں''۔

(۱) اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو نصف چودہ نہیں ساڑھے چودہ بنتا ہے۔ اور ساڑھے چودہ کو پندرہ ہی شمار کیا جائے گا۔

(۲) دوسرا جواب یہ کہ چونکہ یہ پہلے سے معلوم نہیں ہوتا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے یا ۳۰ دن کا اس لئے اپنے تمام حسابات میں ہم مہینے کو ۳۰ دن کا ہی فرض کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کے مہینے کے نقشہ ہائے سحر وافطار ہمیشہ ۳۰ دن کے لئے ہی تیار کئے جاتے اور چھاپے جاتے ہیں۔

(۳) سوم یہ کہ عام بول چال میں مہینہ ۳۰ دن کا ہی مانا جاتا ہے۔

(۴) بعض احادیث میں ''لیلة النصف من شعبان'' یعنی نصف شعبان کی رات کی فضیلت آئی ہے۔۔۔۔۔ قطع نظر اس کے کہ وہ احادیث صحیح ہیں یا ضعیف،۔۔۔۔۔ ناصر الدین البانی نے تو اس حدیث کی صحت کو بڑے شدومد سے ثابت کیا ہے۔ اس حدیث کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

حدیث صحیح روی عن جماعة من الصحابة من طرق مختلفةٍ یشد بعضه بعضاً۔

یعنی (شب برات کی فضیلت کی) حدیث صحیح ہے جو صحابہ کی ایک جماعت سے مختلف اسانید سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج ۳،ص ۱۳۵،رقم الحدیث ۱۱۴۴)۔

پھر البانی صاحب اس حدیث کے مختلف طرق بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں و جملة القول ان الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ بغیر کسی شک کے بالکل صحیح ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ،ج ۳، ص ۱۳۸)۔

تمام علماء اس حدیث میں ''لیلۃ النصف من شعبان'' سے پندرہ شعبان کی رات ہی مراد لیتے ہیں۔ اگر آپ اس سے پندرہ شعبان کی رات مراد نہیں لیتے تو پھر بتایئے اس سے آپ کے نزدیک کونسی رات مراد ہے۔

خلاصہ

مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ''سرر'' کی تشریح میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے۔ کسی نے اس سے آخر مہینہ مراد لیا ہے تو کسی نے اس سے وسط مہینہ مراد لیا ہے۔ دونوں طرف کے دلائل اور وجوہِ ترجیح ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس سے آخر مہینہ مراد لیتے ہیں تو بقول امام نوویؒ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان وسط مہینہ کی طرف ہے۔ دونوں طرف بڑے بڑے امام ہیں۔ لہٰذا ایسے مسئلے کو وجہ نزاع بنانا اور کسی کو اس بناء پر طعن کرنا بالکل مناسب نہیں۔

(۳۰) افراد کی تعلیم وتربیت

اور

کردار سازی

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے دیگر ضروری انتظامات بھی کئے۔

صحیح بخاری شریف کا ہفتہ وار درس اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی تھا۔اس درس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں احادیث کی تشریح کے ساتھ ساتھ احادیث پر منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات بھی دئے جاتے تھے۔

عربی زبان کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا اور خوش قسمتی سے اس کام کے لئے عربی کے مشہور استاد جناب عبدالرحمٰن طاہر سورتی صاحب کی خدمات میسر آ گئی تھیں۔طاہر سورتی صاحب عربی زبان کے بڑے عالم اور عربی زبان کے بہت بڑے شیدائی تھے۔انہوں نے اپنی زندگی عربی کی تعلیم کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ طلبہ کے لئے انہوں نے عربی زبان سکھانے کے لئے ایک کتاب ''پیارے رسول کی پیاری زبان بھی لکھی تھی''۔ احمد حسن زیات کی کتاب ''تاریخ ادب عربی'' کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔عربی زبان کی تعلیم کے لئے علامہ خلیل عرب کے بعد ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

ہفتہ وار درس کے علاوہ ماہانہ اور سہ ماہی اجتماعات کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا جو صبح سے شام تک جاری رہتے تھے سالانہ اجتماع سہ روزہ ہوتا تھا جو بدل بدل کر مختلف شہروں میں ہوتا تھا اور اس میں ملک بھر سے جماعت کے عہدہ داران اور ارکان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ان اجتماعات میں جماعت سے باہر کے افراد بھی شرکت کرتے تھے اور تقریر کے بعد شیخ الاسلامؒ لوگوں کے اعتراضات و سوالات کے جواب دیتے تھے۔ الغرض یہ اجتماعات بہت زیادہ مفید اور بڑی اہمیت کے حامل ہوتے تھے۔

ان ہی اجتماعات میں نو آموز لوگوں کو تقریر کرنے کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ دورانِ تقریر یہ لوگ جو جو غلطیاں کرتے تھے ان کو والد صاحب اپنے پاس ایک پرچی پر لکھتے رہتے تھے، اس پرچی پر اصلاحی ہدایات بھی تحریر فرماتے اور تقریر کے بعد وہ پرچی رازداری کے ساتھ متعلقہ مقرر کے حوالے کر دیتے تھے۔اس طرح ان مقررین کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ اُس وقت کے ان طالب علموں کا آج جماعت کے بہت اچھے مقررین میں شمار ہوتا ہے۔

والد صاحب نے فتنوں کے سدباب کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔

شرک، تقلید، فرقہ بندی، بدعات، قادیانیت، شیعیت، انکار حدیث، عیسائی مشنری، سوشلزم وغیرہ کے خلاف پمفلٹ بھی شائع کئے اور درس و تقاریر میں بھی لوگوں کو ان فتنوں کے بارے میں خبردار کیا اور ان کے مقابلے کے لئے تیار کیا۔ فرق باطلہ کے دلائل کا رد کیا اور ان کے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔اور ان سے مناظرہ کرنے کے لئے مفید نکتے سکھائے اور مناظرہ کرنے کی تربیت کی۔

(۳۱) تصنیف و تالیف

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے محاذ پر چومکھی لڑائی لڑی۔ ایک طرف تو آپ نے مخالفین کے مسکت اور تسلی بخش جوابات دیئے اور دوسری طرف جماعت کے ارکان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی اور اس سلسلے میں کسی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ پھر تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔

پہلے مسلم اور پھر جلد ہی اہلحدیث ہونے کے بعد، نوجوانی میں آپؒ نے ایک موٹی سی بیاض (نوٹ بک) بنائی تھی جس میں آپؒ نے بڑی محنت سے مختلف موضوعات پر اہم معلومات اور مختلف کتابوں کے مفید اقتباسات جمع فرمائے تھے۔اس بیاض پہ کہیں کوئی تاریخ درج نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ کس زمانے میں لکھی گئی لیکن میرا خیال ہے کہ یہ آپؒ نے اپنی شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی لکھی تھی۔ اس طرح اس کا زمانۂ تصنیف ۱۹۳۶ کے قریب قریب ہے۔اس طرح اس کو والد صاحب کی اولین تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ

اُس زمانے میں والد صاحبؒ نئے نئے مسلم اور پھر اہلحدیث ہوئے تھے، آپؒ کی مخالفت بہت زیادہ تھی اور آپؒ کو بسا اوقات مخالفین سے مباحثات و مناظرات کرنے پڑتے تھے اس لئے آپؒ نے فوری حوالہ جات (ready reference) کے لئے یہ بیاض تیار فرمائی ہوگی۔

یہ بیاض چونکہ بہت ابتدائی زمانے میں لکھی گئی تھی اس لئے اس میں کچھ ضعیف احادیث بھی تھیں۔ والد صاحبؒ نے بعد میں اس بیاض پر نظرِ ثانی کی تھی اور اس کے بہت سے مندرجات کو جن میں زیادہ تر ضعیف احادیث شامل تھیں اپنے ہاتھ سے قلمزد فرمایا۔ مثلاً عیدین کی دعا والی روایت یا بیہقی کی رفع یدین کی روایت جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فما زالت تلك صلا ته حتى لقى الله تعالیٰ ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس بیاض میں نماز کا طریقہ اسی طریقے سے لکھا گیا ہے جیسے منہاج میں ہے۔ یعنی ہر صفحے کے دو حصے کئے ہیں۔ اوپر کے حصے میں مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور نیچے حاشئے میں اس کا مکمل حوالہ۔ اس طرح اس بیاض کو منہاج المسلمین وغیرہ کا نقشِ اول (prototype) کہا جا سکتا ہے۔ اس بیاض کے بعض مضامین آپؒ نے بعد میں مناسب ترامیم و اضافہ جات کے بعد منہاج المسلمین، صلوٰۃ المسلمین وغیرہ میں شامل کر لئے لیکن اس کے بیشتر مضامین اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ اس بیاض کے اہم مضامین کی فہرست درجِ ذیل ہے۔

رفع یدین کا ثبوت

عدم رفع یدین کے دلائل اور ان کا رد

آمین بالجہر کا ثبوت

آمین بالاخفاء کے دلائل اور ان کا رد

فاتحہ خلف الامام۔ حنفیہ کے دلائل اور ان کا رد

فاتحہ خلف الامام کے دلائل

حنفیوں کے خلافِ احادیث چند مسائل

پردہ

بدعت

چند مفید باتیں

ترکِ رفع یدین تاریخ کی روشنی میں

رفع یدین اور مثبت، نافی کی بحث

مناقب اہل بیت

وتر۔ایک اور تین

حنفی علماء اور رفع یدین

مفید اور کارآمد باتیں

چند واقعاتِ سیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقِ نماز

امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ اور تلامذہ اور رفع یدین

شاہ ولی اللہؒ اور علمِ حدیث

کتابتِ حدیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات

وضو اور نماز کے مسائل

تکبیراتِ عیدین بارہ ہیں

منکرینِ حدیث کے رد میں

امام زہریؒ کا سماع عروہؒ سے

مختلف احادیث اور ان کی صحت وضعف۔

تقلید کے متعلق متعدد مضامین۔وغیرہ وغیرہ۔

کتابت حدیث تاریخ کی روشنی میں

پاکستان آنے کے بعد آپؒ نے حضرت ابوحُمید ساعدیؓ کی طریقۂ نماز کی روایت اردو ترجمے کے ساتھ جیبی سائز میں ذاتی طور پر چھپوائی تھی لیکن مولوی محمد ادریس خان لودھی بدایونی چونکہ ایک قابل احترام بزرگ تھے اور والد صاحبؒ کے ان سے بہت اچھے مراسم تھے اس لئے اس کتابچے کو ان کے نام سے چھپوایا تھا۔اس چند ورقی چھوٹی سی کتاب کو آپؒ اپنے رشتہ داروں اور جاننے والوں میں تبلیغ کی خاطر مفت تقسیم فرماتے تھے۔حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت یوں تو صحیح بخاری میں بھی ہے (۸۲۹) لیکن ابوداؤد کی روایات (۷۳۰۔۷۳۵) میں بہت زیادہ تفصیل ہے اور اس میں چند باتیں چھوڑ کر نماز کے طریقے کی موٹی موٹی باتیں سب آجاتی ہیں۔اور پھر اس روایت کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس پر تقریباً دس صحابہؓ کرام کی مہر تصدیق ثبت ہے۔والد صاحبؒ نے اسی لئے اس روایت کو چھپوانے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔اس کتابچے کو آپؒ کی تصنیف تو نہیں کہا جا سکتا بہر حال اسے آپؒ کی ایک تبلیغی کاوش ضرور کہا جا سکتا ہے۔

منکرین حدیث کی طرف سے دو پمفلٹ ''ڈھائی سو سال بعد'' اور ''خود فیصلہ کیجئے'' شائع کئے گئے تھے۔آپؒ نے ان دونوں کے جواب ''ڈھائی سو

سال بعد؟'' اور ''خود انصاف کیجئے'' تحریر فرمائے۔

اس کے بعد آپؒ نے مختلف پمفلٹس لکھے اور ایک نماز کی کتاب بھی لکھی۔ یہ کتاب صلوٰۃ المسلمین کے علاوہ تھی لیکن اس کتاب میں بعد میں بہت زیادہ ترمیم واضافہ کیا گیا اور اسکو صلوٰۃ المسلمین کی شکل دی گئی۔

تفہیم الاسلام۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنی کتاب دو اسلام میں احادیث پر جو اعتراضات کئے تھے ان کا جواب ''تفہیم الاسلام'' میں بڑے دلکش انداز میں دیا۔ اس کتاب کا طرز تحریر اتنا شستہ، مدلل اور دلنشین ہے کہ پڑھنے والے پر فوری اثر کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ احادیث پر منکرین حدیث کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے جواب میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ ڈاکٹر برق صاحب نے بھی اس کتاب کو پڑھ کر اپنے موقف کو تبدیل کیا اور والد صاحب کو ایک تعریفی خط بھی لکھا جس کو تفہیم الاسلام کی بعد کی اشاعتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے پبلشر کو بھی ہدایت کی کہ آئندہ ان کی کتاب ''دو اسلام'' کی اشاعت روک دی جائے۔

تلاشِ حق اور التحقیق۔

تقلید کے مسئلے پر آپؒ کی کتابیں ''تلاش حق'' اور ''التحقیق'' اپنی مثال آپ ہیں۔ تقلید کے مسئلے پر ان سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ تلاشِ حق کو جمعیت اہلحدیث کراچی نے شائع کیا تھا۔ پھر اس کتاب کی بے پناہ مقبولیت اور غیر معمولی افادیت دیکھتے ہوئے کچھ اور اداروں نے بھی اس کو شائع کیا۔ ان میں سے مندرجہ ذیل دو اشاعتوں کا ایک ایک نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔

(۱) مکتبہ ایوبیہ، ناشران وتاجران کتب، حدیث محل، آرٹلری میدان نمبر 1 کراچی نے اسے شائع کیا۔ مکتبہ ایوبیہ، جماعت غرباء اہلحدیث کا ذیلی ادارہ تھا۔ کتاب پہ سن اشاعت درج نہیں ہے۔ لیکن قیمت دو روپیہ پچاس پیسہ درج ہے۔

(۲) تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ راولپنڈی۔ ابن الاسلام سلفی، امیر تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ۔ گوالمنڈی، راولپنڈی۔ یہ ۱۹۹۴ کی اشاعت ہے اور اس پر چالیس (۴۰) روپیہ قیمت درج ہے۔

ان کے علاوہ اگر کسی اور نے بھی اس کتاب کو چھاپا ہو تو مجھے علم نہیں۔

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔

اس کے بعد آپؒ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین کی تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس تاریخ میں آپؒ نے یہ التزام فرمایا کہ عہد رسالت کی تاریخ کو صرف

تین صحیح ترین کتابوں یعنی قرآن مجید اور صحیحین کی احادیث کی روشنی میں مرتب کیا جائے اور مورخین نے صحابہ کرامؓ کے کردار کے متعلق جو نازیبا باتیں اپنی کتابوں میں نقل کی تھیں ان کا رد کیا جائے۔ جب آپؒ نے اس تاریخ کی تصنیف کے ارادے کا اظہار کیا تو لوگوں نے کہا کہ صرف ان کتابوں کی مدد سے تاریخ کی کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی کیونکہ یہ تاریخ کی کتابیں تو نہیں۔ان میں تو سیرت اور تاریخ کے بہت کم واقعات ضمناً آگئے ہیں۔ان سے تاریخ تو مرتب نہیں ہوسکتی۔ لیکن والد صاحبؒ نے یہ ناممکن کام بھی کر دکھایا۔

صحیح بخاری میں حدیث کو تلاش کرنا

دوم یہ کہ صحیح بخاری میں احادیث کو تلاش کرنا بھی آسان کام نہیں تھا۔سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک ایک حدیث سے بے شمار مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی حدیث کو ایسے باب میں بیان فرماتے ہیں جس کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔مثلاً

(۱) صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد التحیات میں ''السلام علیک ایھا النبی'' کے بجائے ''السلام علی النبی'' کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الاستیذان میں ''مصافحہ'' کے باب میں بیان فرمایا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر سن کر ابولہب نے اپنی لونڈی حضرت ثُوَیبہؓ کو آزاد کر دیا تھا۔ یہ روایت آپ کو صحیح بخاری میں کتاب النکاح میں ملے گی۔

(۳) حج اور عمرے کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مشت (ایک مٹھی) سے زیادہ جو ڈاڑھی ہوتی تھی اسے کٹوا دیا کرتے تھے۔ یہ روایت آپ کو کتاب اللباس میں ''ناخن کاٹنے کے باب'' میں ملے گی۔

(۴) حضرت ذکوانؓ نماز میں قرآن مجید میں دیکھ کر تلاوت کرتے تھے۔ یہ روایت ''غلام کی امامت'' کے باب میں ملے گی۔

(۵) ''بے شک مومن اپنے گناہوں کو اس طرح خیال کرتا ہے جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور ڈرتا ہے کہ وہ اس کے اوپر نہ گر جائے جبکہ گنہگار اپنے گناہوں کو ایسے سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہو جسے ہاتھ سے اڑا دیا''۔ یہ حدیث کتاب الدعوات میں ہے۔

(۶) ''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ اس کے چہرے کو جہنم سے ستر (۷۰) خریف دور کر دے گا''۔ یہ حدیث دیگر محدثین نے کتاب

الصیام میں نقل کی ہے جبکہ امام بخاریؒ نے اسے کتاب الجہاد میں نقل فرمایا ہے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے مکہ معظّمہ سے طائف تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے اوباشوں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ اس واقعے کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب بدء الخلق میں باب ''جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہوجاتی ہے اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں'' میں نقل فرمایا ہے۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ طائف کا واقعہ صحیح بخاری میں ''آمین'' کے باب میں ملے گا؟۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان مثالوں سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ صحیح بخاری میں کسی حدیث کو تلاش کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اب تو اکثر کتابوں کے آخر میں احادیث کی الف بائی فہرست (alphabetical index) ہوتی ہے جس سے مطلوبہ حدیث کو تلاش کرنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ پھر بہت سے کمپیوٹر پروگرامز اور ایپلیکیشنز بھی ایسے آگئے ہیں جن کے ذریعے کسی حدیث کو تلاش کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ لیکن جب والد صاحبؒ تصنیف وتالیف کررہے تھے اس وقت یہ سہولیات میسر نہیں تھیں۔ ایک ایک حوالے کو تلاش کرنے میں بعض دفعہ کئی کئی گھنٹے بلکہ کئی کئی دن بھی لگ جاتے تھے۔ اُس وقت یہ کتابیں لکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جبکہ اس کام میں کوئی آپؒ کا معاون بھی نہیں تھا۔

برہان المسلمین۔

حجیت حدیث کے موضوع پر آپ نے ''برہان المسلمین'' لکھی جو بڑی جامع ہے اور اس میں منکرین حدیث کے تمام شبہات واعتراضات کے بہت مدلل اور تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔

منہاج المسلمین

آپ کی کتاب ''منہاج المسلمین'' اسلامی احکام کا بے نظیر انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں زندگی کے تمام احکام ومسائل قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے حوالوں کے ساتھ جمع کردیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب طلبہ، علماء، ریسرچ اسکالرز سب کے لئے یکساں مفید ہے اور اس کے ذریعے کسی بھی بارے میں شریعت کا حکم مع حوالہ تلاش کرنا کتنا آسان ہوگیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف جماعت کے لوگوں میں بلکہ دیگر حضرات میں بھی یکساں مقبول ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ میرے ایک جاننے والے پاکستان سیکرٹریٹ میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ وہ اہلحدیث تھے۔ وہ تھوڑے عرصے میں مجھ سے منہاج کے نسخے

مانگتے۔ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اتنے نسخے کیوں طلب کرتے رہتے ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے خاندان میں جو بھی شادی ہوتی ہے میں دولہا دلہن کو یہ کتاب میں تحفے میں دیتا ہوں۔

منہاج المسلمین کا سب سے پہلا ایڈیشن ۱۹۸۳ء(۱۴۰۳ھ) میں شائع ہوا تھا۔اس کا سائز منہاج کی موجودہ اشاعتوں کی نسبت چھوٹا تھا اور اس کے صفحات ۶۷۰ تھے۔اس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا تھا اور وہ محدود تعداد میں شائع ہوا تھا۔الحمدللہ میرے پاس اس عربی اشاعت کا ایک نسخہ موجود ہے۔

بعد میں منہاج میں بہت سے اضافہ جات کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹ء(۱۴۰۹ھ) میں شائع ہوا۔اس کا سائز بڑا تھا اور اب تک یہ کتاب اسی بڑے سائز میں شائع ہو رہی ہے۔اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

والد صاحب نے اس کتاب کی تیاری میں کتنی محنت کی ہوگی اس کا اندازہ اس کتاب کی جامعیت سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب تیس سال سے میرے استعمال میں ہے اور اس طویل عرصے میں جس مسئلے کو بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی اس کا جواب اس کتاب سے مل گیا۔سوائے ان چند مسائل کے جو قصداً اور دانستہ اس میں شامل نہیں کیے گئے۔مثلاً جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے یا ایک آدمی دیر میں آ کر جماعت میں شامل ہونا چاہے اور صف میں جگہ نہ ہو تو کیا کرے یا کوئی شخص جمعہ کی جماعت میں دوسری رکعت کے آخر میں شامل ہو تو کیا کرے۔وغیرہ وغیرہ۔میں نے ایک دفعہ والد صاحب کی توجہ اس طرف دلائی کہ فلاں فلاں مسائل اس کتاب میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں کیا کروں۔ان مسائل کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مجھے نہیں ملی۔

منہاج المسلمین بہر حال ایک انسانی کاوش ہے اس لئے باوجود انتہائی کوشش کے اس میں کچھ ایسے مسائل کے درج نہ ہونے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

توحید المسلمین۔

توحید کے موضوع پر آپ کی کتاب ''توحید المسلمین'' ایک جامع اور بے نظیر کتاب ہے جس میں توحید کے متعلق تمام آیات و احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔مسئلہ توحید کو سمجھنے کے لئے یہ ایک بے مثل کتاب ہے۔

ترجمہ قرآن مجید۔

آپؒ نے قرآن مجید کا عام فہم اردو میں ترجمہ بھی کیا۔اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اول تو یہ عام فہم، سلیس اور بامحاورہ ہے۔دوم اس ترجمے میں آپؒ نے قرآن مجید کی ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط واضح کیا ہے۔

تفسیر قرآن عزیز۔

قرآن مجید کے عام فہم ترجمے کے علاوہ آپؒ نے دس ضخیم جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی جس میں قرآن مجید اور صحیح احادیث سے قرآن مجید کی تفسیر کی گئی ہے۔اس تفسیر میں اسرائیلی روایات اور ضعیف احادیث سے اجتناب کیا گیا ہے۔اس تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی آیات کے باہمی ربط کو واضح کیا گیا ہے۔اس تفسیر نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

دعوات المسلمین۔

آپ نے دعاؤں کی ایک مختصر کتاب دعوات المسلمین بھی لکھی جس میں صحیح احادیث سے ثابت شدہ روزمرہ کی خاص خاص دعائیں جمع فرمائیں۔اس کتاب کے بھی اب تک بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین مطوّل۔

آپ کا ارادہ ایک مطول تاریخ اسلام لکھنے کا تھا جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ولادت نبوی تک کے واقعات اور پھر خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس وغیرہ تک کے واقعات پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ درج ہوں۔اس کی پہلی جلد جو حضرت آدم سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے ظہور تک کے واقعات پر مشتمل ہے وہ آپ نے مکمل کر لی تھی اور وہ آپ کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھی۔اور جماعت المسلمین کے دفتر سے دستیاب ہے۔

بلوۂ جمل، بلوۂ صفین، واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کے مستند حالات بھی آپ نے لکھ کر علیحدہ سے چھپوا دیئے تھے۔یہ واقعات اگرچہ تاریخ مطول کی جلد دوم کا حصہ تھے لیکن ان کی اہمیت کے پیشِ نظر آپ نے تاریخِ مطول کی جلد دوم کی اشاعت کا انتظار نہیں کیا بلکہ ان کو اس سے پہلے ہی علیحدہ سے چھپوا دیا۔

تاریخِ مطوّل کی جلد دوم کا مسودہ بھی آپ نے تیار کر لیا تھا اور آپؒ کی وفات کے وقت وہ مسودہ آپؒ کے دفتر میں موجود تھا۔لیکن آپ کے بعد کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔معلوم نہیں وہ مسودہ محفوظ بھی ہے یا ضائع ہو گیا۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ آپ نے عصری ضرورت کے مطابق

سینکڑوں کتابچے، رسالے (پمفلٹس)مختلف موضوعات پر تحریر کرکے شائع فرمائے اوراشاعت وتبلیغ حق کا فریضہ بطریق احسن ادا فرمایا۔

مکاتیب ومراسلات کے ذریعے آپ نے جو اسلام کی خدمت کی وہ اس کے علاوہ ہے۔ یہ تحریر کے میدان میں آپ کی کاوشیں تھیں۔

آپؒ کی تحریر کی زبان بہت سادہ، شستہ، مہذب، با محاورہ اور عام فہم ہے۔آپ کا اسلوب بہت دلکش اور دلنشیں ہے۔انداز مثبت ہے اور کہیں بھی اخلاق سے گری ہوئی یا اشتعال انگیز کوئی بات نہیں ہے۔مخالفین آپؒ کے خلاف بڑی نازیبا باتیں کہتے اور لکھتے تھے لیکن آپؒ نے کبھی ان کا جواب نہیں دیا۔

یہاں یہ وضاحت ایک بار پھر ضروری ہے کہ جیسے اوپر بیان کیا گیا آجکل جو کتابیں چھپ رہی ہیں ان میں آخر میں ''اطراف الحدیث' کی الف بائی فہرست alphabetical index شامل ہوتی ہے جس سے کسی بھی حدیث کو تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔اس کے علاوہ بہت سے کمپیوٹر پروگرام مثلاً ''المکتبۃ الشاملۃ'' ''اسلام 360'' وغیرہ بھی آگئے ہیں جن سے کسی حدیث کو ڈھونڈنا اب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔لیکن والد صاحبؒ جب تصنیف و تالیف میں مشغول تھے اُس وقت نہ یہ فہرستیں تھیں نہ یہ کمپیوٹر پروگرام تھے۔نہ والد صاحبؒ کا کوئی مدد ومعاون تھا۔آپ تن تنہا ہی کتاب اپنے قلم سے تحریر فرماتے، احادیث کے حوالے بیان فرماتے۔اس کی کتابت کرواتے، کتابت کی غلطیاں خود ہی نکالتے۔پھر جب کتاب کا مسودہ چھپ کر آتا تو خود ہی اس کی پروف ریڈنگ کرتے۔غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور پھر تصحیح شدہ کتاب طباعت کے لئے چھاپہ خانہ بھجواتے۔اس سلسلے میں آپ کو بارہا بذاتِ خود چھاپہ خانے کے چکر بھی لگانے پڑتے۔یہ سب کام آپ خود ہی سرانجام دیتے۔

اس کے علاوہ بحیثیت امیرِ جماعت آپ کی بہت ذمہ داریاں تھیں۔جماعت کے انتظامی امور، جماعت کی شاخوں کے امیروں کے ساتھ خط و کتابت، جماعت کی تنظیم سازی اور جماعت کے اجتماعات کے لئے اندرون ملک و بیرون ملک سفر، مختلف وفود اور غیر مقامی مہمانوں سے ملاقاتیں، مقامی حضرات سے ملاقاتیں، جماعت کے مخالفین سے ملاقاتیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات، مناظرات و مباحثات۔ جماعت کا تعارف، اب تو جماعت بہت معروف ہوگئی ہے لیکن اس وقت بہت کم لوگ اس سے واقف تھے۔

ان سب گونا گوں مصروفیات کے باوجود آپ نے تفسیر و حدیث کی کتنی خدمت کی ہے اور اپنی تصنیفات کا کتنا بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے جس سے نہ صرف

جماعت کے لوگ بلکہ دوسرے حضرات بھی استفادہ کررہے ہیں اور جوان شاء اللہ قیامت تک متلاشیانِ حق کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر والد صاحبؒ کو یہ تمام سہولتیں میسر ہوتیں جو آج ہر کسی کو میسر ہیں اور اگر والد صاحب کا اس تصنیف و تالیف کے کام میں کوئی مدد و معاون بھی ہوتا اور اگر والد صاحبؒ کی اتنی انتظامی اور تبلیغی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو پھر والد صاحبؒ کی تصنیف کردہ کتابوں کا ذخیرہ کتنا عظیم و ضخیم ہوتا۔

(۳۲) شیخ الاسلامؒ کے بعد آپؒ کی تصنیفات میں ردوبدل

شیخ الاسلامؒ نے اپنی تصنیفات کا ایک معیار مقرر کیا تھا اور آپؒ کی کوشش تھی کہ آپ کی تصنیفات میں کوئی ضعیف روایت نہ آنے پائے لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کی تصنیفات کو تختۂ مشق بنایا اور ان میں اپنی مرضی سے ترمیم و اضافہ شروع کر دیا۔ اس کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں۔

(۱) شیخ الاسلامؒ نے منہاج المسلمین کے حاشئے میں فتح الباری کے حوالے سے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا تھا۔

”نوٹ:۔ چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے“
(منہاج المسلمین، اشاعت دوم، ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۹) صفحہ ۴۸۹، حاشیہ نمبر ۵)۔

اور یہ بات بالکل صحیح تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد کسی نے اس حاشئے کو حذف کر دیا اور اوپر متن میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا

”عقیقہ چودھویں اور اکیسویں دن بھی کر سکتے ہیں“ اور حاشئے میں اضافہ کیا ”العقيقة تذبح لسبع او لاربع عشرة او لاحدى و عشرين (صحيح الجامع الصغير ۷۵۹/۲)(رواه الحاكم في مستدركه صححه هو و الذهبي ۲۳۸/٤)۔ (منہاج المسلمین، اشاعت ۱۵، ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء)۔

یہ اضافہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

(۱) دلیل میں پیش کردہ روایت مستدرک حاکم میں نہیں ہے۔لہٰذا مستدرک حاکم کا حوالہ غلط ہے۔

(۲) یہ روایت طبرانی اوسط اور صغیر میں ہے اور ضعیف ہے۔

(۳) حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں۔

رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط و فیه اسماعیل بن مسلم المکی و هو ضعیف لکثرة غلطه و وهمه۔

اس میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ہے جو اپنی بہت زیادہ غلطیوں اور اپنے وہم کی زیادتی کی وجہ سے ضعیف ہے۔(مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۶۵، رقم ۶۲۰۲)۔

(۳) حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اسے ضعیف لکھا ہے۔

(فتح الباری، ج۹،ص ۵۰۹۔منہاج المسلمین،اشاعت دوم۔ص ۴۸۹)۔

(۴) حافظ سیوطیؒ نے بھی الجامع الصغیر میں اسے ضعیف لکھا ہے۔

(فیض القدیر،ج۴، ص ۵۰۲، رقم ۵۶۹۹)۔

(۲) منہاج ص۴۲۲ پہ یہ اضافہ کیا گیا

’’پہلے بیچ کی انگلی چاٹے، پھر انگشت شہادت، پھر انگوٹھا‘‘۔اور حوالہ دیا گیا ہے طبرانی اوسط کی حدیث کا۔

یہ روایت صحیح نہیں۔اس میں ایک نہیں، دو دو راوی مجہول ہیں۔حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں

فیه الحسین بن ابراهیم الاذنی و محمد بن کعب بن عجرة ولم اعرفهما و بقیة رجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج ٥، رقم ٧٩٤١)۔

اس روایت میں دو راوی حسین بن ابراہیم اور محمد بن کعب بن عجرہ ہیں۔ ان دونوں کو میں نہیں پہچانتا۔اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد، ۷۹۴۱)

(۳) منہاج ص۴۸۱ پہ اضافہ کیا ہے

’’لوہے کی انگوٹھی نہ پہنے‘‘۔

اس کی کوئی دلیل منہاج میں نقل نہیں کی گئی۔ویسے اس بارے میں ترمذی (۱۷۸۵)، ابوداؤد (۴۲۲۳)، نسائی (۵۱۹۸) اور ابن حبان (۵۴۸۸) میں حضرت بریدہؓ سے ایک حدیث مروی ہے اس میں ایک راوی ہے ابوطیبہ عبد اللہ بن مسلم المروزی جو ضعیف ہے۔(تہذیب الترمذی، ج۲،ص۳۳۰)۔علامہ

عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں ضعفه النووی فی المجموع و شرح المهذب و تبعه جمع من الفقهاء ۔اسے امام نوویؒ نے مجموع میں اور شرح مسلم میں ضعیف کہا ہے اور فقہاء کی ایک جماعت نے ان کا ساتھ دیا ہے (فیض القدیر ج۱، رقم ۱۰۵)۔

(۴) منہاج ص ۱۴۰ پہ اضافہ کیا ہے

''صفیں سیدھی کرنے کی ہدایت کرتے وقت امام لکڑی ہاتھ میں رکھے''۔

اس کے لئے ابن حبان کا حوالہ دیا ہے (ابن حبان ۲۱۶۸، ۲۱۷۰)۔

جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ مسند امام احمد (ج۴، ۱۳۲۵۷) اور ابوداؤد (۶۶۹ و ۶۷۰) میں بھی ہے۔لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔(ضعیف ابی داود، رقم ۱۰۲)۔اس میں ایک راوی ہے مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر جو ضعیف ہے۔اس روایت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

ثنامصعب بن ثابت بن عبداللّٰه بن الزبير قال طلبنا علم العود الذی فی مقام الامام فلم نقدر علیٰ احد يذكر لنا فيه شيئاً ، قال مصعب فاخبرنی محمد بن مسلم بن السائب بن خباب صاحب المقصورة فقال جلس الی انس بن مالكؓ يوماً فقال هل تدری لم صنع هذا؟ ولم اسأله عنه، فقلت لا و اللّٰه ما ادری لم صنع ، فقال انسؓ كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم يضع عليه يمينه [يده] ثم يلتفت الينا فقال " استووا و اعدلوا صفوفكم " رواه احمد (۱۳۲۵۷) و ابوداود (۶۶۹) وفی رواية لابی داود (۶۷۰) ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم كان اذا قام الی الصلاة اخذه بيمينه ثم التفت فقال اعتدلوا سوُّوا صفوفكم ، ثم اخذه بيساره [ثم التفت] فقال اعتدلوا سوُّوا صفوفكم

مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں ہم نے اس لکڑی کے متعلق معلوم کرنا چاہا جو (مسجد نبوی میں) امام کی جگہ پر لگی ہوئی تھی لیکن ہمیں کوئی ایسا شخص نہ ملا جو ہمیں اس کے متعلق بتاتا۔پھر حویلی والے محمد بن مسلم بن سائب بن خباب نے مجھے بتایا کہ ایک دن (ایسا ہوا کہ) حضرت انس بن مالکؓ میرے پاس بیٹھے۔میں نے ان سے اس لکڑی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا۔ انہوں نے خود ہی مجھ سے کہا ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ لکڑی کیوں بنائی گئی؟''۔ میں نے کہا ''اللہ کی قسم میں نہیں جانتا''۔حضرت انسؓ نے فرمایا ''جب نماز کھڑی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لکڑی کے اوپر اپنا سیدھا ہاتھ رکھتے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرماتے ''برابر ہو جاؤ، اپنی صفوں کو سیدھا کرلو'' (مسند امام احمد ۱۳۲۵۷،

ابوداود ٦٦٩)۔اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اس لکڑی کو اپنے سیدھے ہاتھ سے پکڑتے اور مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ اپنی صفوں کو برابر کرو۔ پھر اس لکڑی کو اپنے الٹے ہاتھ سے پکڑتے اور مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے اپنی صفوں کو برابر کرو(ابوداؤد ٦٧٠۔ابن حبان ٢١٧٠)۔

ابن حبان کی ایک روایت میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب لما زاد فی المسجد غفلوا عن العود الذی کان فی القبلة و فی روایة فلما هُدم المسجد فُقد فالتمسه عمر رضوان الله علیه فوجده قداخذه بنو عمرو بن عوفٍ فجعلوه فی مسجدهم فانتزعه فأعاده

جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں مسجد کا کچھ حصہ گرایا گیا تو یہ لکڑی جو قبلے کی طرف لگی ہوئی تھی نہیں ملی۔ پھر حضرت عمرؓ کے حکم سے جب اس لکڑی کو تلاش کیا گیا تو وہ مل گئی۔اسے بنوعمرو بن عوف لے گئے تھے اور لے جا کر اسے اپنے محلے کی مسجد میں لگا لیا تھا۔پس اسے وہاں سے اکھاڑ کر (مسجد نبوی میں) دوبارہ اس کی جگہ پر لگا دیا گیا۔(ابن حبان ٢١٧٠ و ٢١٦٨)۔

اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا پہلے بیان کیا گیا۔اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی تمام اسانید کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کوئی ہاتھ میں لینے والی عصا یا چھڑی یا لکڑی نہیں تھی بلکہ یہ ایک لکڑی تھی جو مسجد نبوی میں امام کی جگہ کے قریب قبلے کی طرف نصب تھی۔ جب مسجد میں توسیع ہوئی تو یہ لکڑی غائب ہو گئی۔اسے بنوعمرو بن عوف لے گئے تھے اور اسے اپنے محلے کی مسجد میں لگا لیا تھا۔ اسے وہاں سے نکلوا کر دوبارہ مسجد نبوی میں اس کی پرانی جگہ پر لگا دیا گیا۔لہٰذا اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے منہاج میں اضافہ کردہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) منہاج صفحہ ۲۰۷ پہ اضافہ کیا گیا ہے۔

''اگر جمعہ کی نماز فوت ہو جائے تو ظہر کی چار رکعت پڑھے''۔

اس کی دلیل میں دارقطنی (۱۵۸۴) کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ بالکل ضعیف ہے۔دارقطنی میں اس مضمون کی جتنی بھی روایتیں ہیں وہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ضعیف ہیں۔

(٦) منہاج صفحہ ۵۳٦ پہ اضافہ

منہاج کی ۲۰۰۹ کی اشاعت میں صفحہ ۵۳۶ پہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ کے حوالے سے ’’ و مغفرتہ ‘‘ کا اضافہ کیا گیا۔ یہ روایت حضرت زید ارقمؓ سے مروی ہے۔اس کو البانی نے التاریخ الکبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ،ج ۳،ص ۴۳۳، رقم ۱۴۴۹) ۔یہی روایت حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں شعب الایمان للبیھقی کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔(فتح الباری، ج ۱۱،ص ۸)۔

اب دیکھنا چاہئے کہ کیا التاریخ الکبیر میں اس روایت کی سند وہی ہے جو شعب الایمان میں ہے اور جس کو حافظ ابن حجرؒ نے ضعیف کہا ہے۔اگر دونوں کی سند ایک ہی ہے تو پھر حافظ ابن حجرؒ کی بات مانی جائے گی کیونکہ حافظ ابن حجرؒ کے قول کے سامنے البانی کے قول کی کوئی وقعت نہیں۔

اوپر چند مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں منہاج المسلمین میں تبدیلی کی گئی ہے۔اس کے علاوہ منہاج میں اور کہاں کہاں تبدیلی کی گئی ہوگی اور دیگر کتابوں میں کتنی تبدیلی کی گئی ہوگی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

منہاج میں اگر کہیں ترمیم واضافہ ناگزیر تھا تو اس کا طریق کار یہ ہونا چاہئے تھا کہ تین چار اہل علم کی ایک کمیٹی مجوزہ ترمیم پر غور کرتی ۔متعلقہ مسئلے کے بارے میں تمام روایات اور ان کی تمام اسانید کو جمع کرتی اور پھر کامل غور وخوض کے بعد اپنی سفارشات امیر جماعت کو پیش کرتی اور پھر امیر جماعت کی تحریری منظوری کے بعد منہاج کے متن میں نہیں بلکہ حاشئے میں وہ ترمیم یا اضافہ عمل میں لایا جاتا۔

لیکن موجودہ صورت حال میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جس نے بھی منہاج میں یہ اضافے یا ترامیم کی ہیں اس نے یہ کام انتہائی غیر ذمہ داری سے کیا ہے۔جس لی وجہ سے کچھ ضعیف روایات بھی منہاج میں شامل ہوگئی ہیں جو جماعت کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ مسعود صاحبؒ کے بعد جماعت المسلمین میں کوئی عالم ہی نہیں جو اسماء الرجال کا ماہر ہو اور صحیح وضعیف احادیث کا علم رکھتا ہو۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ صرف مصنف ہی اپنی تصنیف میں ردوبدل یا کمی زیادتی کرسکتا ہے۔اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ذرا سی بھی ترمیم، اضافے یا تصحیح کا اختیار نہیں اور جو ایسا کرتا ہے وہ سخت علمی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔اگر ناشر کو کتاب کے کسی اندراج سے اختلاف ہے تو وہ متن میں کوئی تبدیلی کئے بغیر حاشئے میں اپنی رائے کا اظہار کرسکتا ہے۔لیکن متن میں کسی قسم کی تبدیلی انتہائی قابلِ اعتراض بات ہے۔ایک پڑھنے والا تو یہی سمجھے گا کہ یہ مسئلہ شیخ

الاسلامؒ نے لکھا ہے جبکہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ یہ تو کھلی دھوکہ بازی اور خیانت ہے۔ بہرحال اس سے ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ الاسلامؒ کی تصنیفات کا مستند اور قابل اعتماد ایڈیشن وہی ہے جو شیخ الاسلامؒ کی زندگی میں شائع ہوا۔ بعد کی اشاعتیں زیادہ قابلِ اعتماد نہیں۔

(۳۳) دعوت وتبلیغ

تحریر کے علاوہ آپ نے درس وتقاریر کے ذریعے بھی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔ یہ تقاریر جماعت کے مراکز میں بھی ہوتی تھیں اور اہل حدیث اور احناف کی مساجد میں بھی اور آپ عوامی مقامات اور دعوت دین کے لئے پبلک ہالز میں بھی جلسہ ہائے عام منعقد کرتے تھے۔ اور اس طرح دین کی دعوت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرنے میں آپ نے نہ کبھی غفلت کی نہ معمولی سی بھی کوتاہی۔ کوئی مجمع ہو کوئی تقریب ہو آپ تبلیغ کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے حتیٰ کہ اگر کسی سے سرراہ بھی ملاقات ہوتی تو اس کو بھی

آپ بڑی حکمت سے تبلیغ کرتے تھے اور یہ اللہ کی دین تھی کہ لوگ آپ کی بات غور سے سنتے تھے اور اکثر لوگ مان بھی لیتے تھے۔ درس بخاری شریف اور اجتماعات مختلف مساجد میں ہوتے رہے جن میں ایک منارہ مسجد شہید ملت روڈ، رحمانیہ مسجد رنچھوڑ لائن، مسجد صدیق اکبر پی ای سی ایچ ایس، مسجد اہلحدیث کورٹ روڈ، مسجد بقیہ وغیرہ شامل ہیں۔

(۳۴) اجتماعات

جیسا پہلے صفحہ ۱۶۳ پہ بیان کیا گیا لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے روشناس کرانے اور ان کی عملی تربیت کے لئے ماہانہ اجتماعات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان اجتماعات کی افادیت بیان کرنے کے لئے چند پمفلٹ بھی شائع کئے گئے جن کے ضروری اقتباسات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

جماعت المسلمین کے اجتماعات اور ان کی افادیت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعدد احکام سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ جو لوگ واقف ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ان میں سے بھی اکثر کو ان احکام پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ نہیں آتا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ صحیح قسم کی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ نہ احکام ہی کو خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے اور نہ ان کے طریقہ ادائیگی کو۔ مثلاً وضو ہی کو لیجئے۔ وضو دن میں کئی بار کرنا پڑتا ہے اس کے باوجود اکثر لوگ اس کے صحیح طریقہ سے ناواقف ہیں اور اگر کچھ لوگ واقف بھی ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر ہم آپ کو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے طریقہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور اس طرح تین دفعہ کرتے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کلی کرتے، ناک میں پانی ڈالتے اور ناک سنکتے۔ تین چلوؤں سے تین مرتبہ ایسا کرتے (صحیح بخاری عن عبداللہ بن زیدؓ ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۲ و ۱۹۹)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک چلو پانی لیتے اور اس سے کلی بھی کرتے اور ناک میں پانی بھی ڈالتے (صحیح بخاری عن ابن عباس ۱۴۰)۔ الغرض اس قسم کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چلو پانی لے کر اس میں سے کچھ پانی سے کلی کرے، کلی کرنے کے بعد چلو میں بچے ہوئے پانی کو ناک میں ڈالے پھر ناک سنکے۔ اس طرح تین مرتبہ کرے۔ بتائیے کیا عام طور پر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

واضح ہو کہ تین چلوؤں سے کلی کرنا اور پھر تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

الغرض اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن سے عوام قطعاً بے خبر ہیں۔ جماعت المسلمین اپنے اجتماعات میں ان چیزوں کی تعلیم اور عملی تربیت کا اہتمام کرتی ہے۔ جو لوگ ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں انہیں ان اجتماعات کی افادیت کا علم ہے۔ بعض لوگ اپنی طول عمری کے باوجود ان مسائل سے ناواقف ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آخر لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو پورا کرنے کا کیا انتظام ہے۔

مختلف فتنوں کا ذکر ہم اپنے مختلف مضامین میں کر چکے ہیں۔ان فتنوں کے سدباب کے ذرائع کا بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ان فتنوں کے سدباب کا ایک ذریعہ اجتماعات بھی ہیں جن میں فتنوں سے روشناس کرایا جائے،ان کا مدلل ابطال کیا جائے اور فتنہ انگیز لوگوں اور جماعتوں کے دجل اور فریب سے آگاہ کیا جائے۔ ایسے اجتماعات کا نہ ہونا اور اگر ہوں تو ان میں شریک نہ ہونا ہی کم علم لوگوں کی گمراہی کا سبب ہوتا ہے۔کاش عوام الناس قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا ٹھوس علم حاصل کریں،ان میں جو احکام صادر ہوئے ہیں ان پر پورے ذوق وشوق سے عمل کرنے کا طریقہ سیکھیں،فتنوں سے واقف ہوں اور ان کے قلع قمع کرنے کے لئے دلائل کی تعلیم حاصل کریں۔ہوسکتا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکیں۔

جماعت المسلمین کے اجتماعات کا مقصد احکام الٰہی کی تعلیم وتربیت ہے۔ حاضرین کو کچھ عرصہ کے لئے خالص اسلامی ماحول مہیا کرنا،دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا چرچا،آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور میل جول،ایک دوسرے کو نصیحت،غلطیوں کا ازالہ،فتنوں کی سرکوبی کے لئے دلائل و براہین کے ہتھیار فراہم کرنا، یہ تمام باتیں جماعت المسلمین کے اجتماعات کی جان ہیں۔مزید برآں یہ اجتماعات وقت و راحت کی قربانی کی تربیت بھی دیتے ہیں اور اس قربانی کا عادی بھی بناتے ہیں۔

اجتماعات کا مقصد

جماعت کے اجتماعات وقت کی قربانی کا سبق دیتے ہیں۔وقت کی قربانی کی مستقل اور مسلسل تربیت دیتے ہیں۔گویا وقت کی قربانی کا عادی بناتے ہیں۔یہ اجتماعات اسلامی ماحول فراہم کرتے ہیں۔غیر اسلامی معاشرہ سے بچا کر خالص دینی فضا میں سانس لینے کا موقع مہیا کرتے ہیں۔نیک صحبتیں اور آپ کے رشد و ہدایت ،نصیحت و خیر خواہی ،محبت و الفت کے مواقع ان اجتماعات کی جان ہے۔ جماعت کی رکنیت کے شرائط فی الفور کسی پر نافذ نہیں کئے جاتے۔لیکن ان صحبتوں اور اجتماعوں کے ذریعہ ارکان کی بتدریج اصلاح کی جاتی ہے۔اگر کوئی رکن

اجتماعات میں شریک نہیں ہوتا تو پھر کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی خاص قسم کی تربیت اور اصلاح حاصل کر سکے گا۔ اجتماعات دلچسپی کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا اجتماعات کے دوران ہمہ اوقات دلچسپ تقاریر اور دروس وغیرہ کا ہونا ضروری نہیں۔ جن اوقات میں ایسی تقاریر و دروس وغیرہ نہ ہوں وہ اگرچہ بار تو گزرتے ہیں لیکن اس بار کو ختم کرنا ہی تو اجتماع کا اصل مقصد ہے۔ وقت کی قربانی کے لئے یہی تو اصل تربیت ہے۔ لہٰذا کسی صاحب کو اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ اجتماع کا پروگرام ہمہ اوقات دلچسپ ہونا چاہیے۔ ویسے نفسیاتی احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اور اعتدال پر عمل کرتے ہوئے اجتماعات کو بالکل خشک بھی نہیں بنایا جاتا۔

باب ہشتم

شمائل وخصائل

عادات واخلاق

انسانی اخلاق و کردار کی اعلیٰ اقدار کو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند جملوں میں سمو کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ غار حرا میں پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ کے عالم میں اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے تو حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا

كلا ابشر، فوالله لا يخزيك الله ابداً فوالله انك لتصل الرحم و تصدُق الحديث و تحمل الكلَّ و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين علىٰ نوائب الحق متفق عليه

ہرگز نہیں۔(بلکہ) خوشخبری حاصل کیجئے۔اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں فرمائے گا۔اللہ کی قسم، بے شک آپ تو رشتوں کو جوڑتے ہیں، سچ بولتے ہیں، معاشرے پر جو لوگ بار ہیں ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں (لوگوں کی) مدد کرتے ہیں۔(صحیح بخاری ۴۹۵۳، صحیح مسلم ۴۰۳)۔

شیخ الاسلامؒ نے مندرجہ بالا اقدار ہی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا اور ان پر سختی سے کاربند رہے۔آپ اخلاقِ حسنہ کا بہت اچھا نمونہ تھے۔ ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ آپ ہر ایک کی خیر خواہی فرماتے۔محبت، شفقت اور صلہ رحمی آپ کی شخصیت کے لازمی اجزاء تھے۔کوئی آپ سے چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کی عزت و احترام کرتے۔لوگوں کو مناسب القاب و آداب سے یاد فرماتے۔کبھی کسی کا مذاق نہ اڑاتے۔کسی کی توہین نہ کرتے، کسی سے انتقام نہ لیتے بلکہ برائی کے بدلے بھی اچھائی کرتے اور جماعت کے ارکان کو بھی اسی کی تعلیم دیتے۔دیانت وامانت، صدق و راست بازی، حق گوئی و بیباکی آپ کا شعار تھا۔آپ ایک کرشماتی شخصیت کے مالک تھے۔جو بھی آپ سے ایک مرتبہ ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔لوگ آپ کے درس اور تقاریر سننے اور آپ سے ملاقات کرنے کشاں کشاں چلے آتے۔یہی وجہ ہے کہ اتنے کم عرصے میں جماعت نے اتنی مثالی ترقی کر لی۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

آپؒ کا کردار اتنا مضبوط اور اعلیٰ تھا کہ مخالفین بھی آپ کی تعریف کرنے پر مجبور تھے۔آپ کے اتباعِ رسول کے جذبہ کو دیکھتے ہوئے ایک اہلحدیث بزرگ حکیم عبدالقیوم صاحب اٹاوی کہتے تھے کہ اگر آج کے دور میں کوئی شخص صحابی کو

دیکھنا چاہے تو وہ مسعود صاحب کو دیکھ لے۔

محمد صلاح الدین صاحب رسالہ ''تکبیر'' کے مدیر تھے۔انہوں نے تکبیر کے شمارہ ۴۷ مورخہ ۱۹/نومبر۱۹۹۲ اور شمارہ ۵۰ مورخہ ۱۰/دسمبر۱۹۹۲ میں جماعت المسلمین کے خلاف خامہ فرسائی کی تھی۔اس مضمون میں صلاح الدین صاحب نے جماعت المسلمین کے خلاف جو لکھا سو لکھا لیکن جہاں تک شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے انہوں نے آپ کو بہترین الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں۔

''مسعود احمد صاحب انتہائی متقی، وسیع المطالعہ، کثیر التصنیف اور دین کے ساتھ گہری ومخلصانہ وابستگی رکھنے والے بزرگ ہیں۔ان کی یہ خواہش اور شدید تمنا قابل قدر ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی قرآن وسنت کے مطابق اور اسوۂ رسولؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔وہ اپنے حسنِ نیت کا پورا اجر اپنے رب سے پائیں گے۔ویسے بھی بخاری شریف کی پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے مطابق ہماری جزا وسزا کا انحصار ہماری نیتوں پر ہے،ظاہری اعمال پر نہیں۔

مجھے مسعود احمد صاحب کی ''تفسیر قرآن عزیز'' ،ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب '' دو اسلام'' کے جواب میں لکھی جانے والی حجیت حدیث پر گرانقدر تصنیف ''تفہیم الاسلام'' ، تاریخ الاسلام والمسلمین'' اور دوسری متعدد تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملا ہے۔

ان کے ہاں قرآن وحدیث سے قریب تر رہنے اور دوسروں کو رکھنے کا غیر معمولی جوش و جذبہ اور اس کے لئے مخلصانہ عرق ریزی کا قابل تحسین شوق وانہماک پایا جاتا ہے''

(تکبیر شمارہ ۷،۱۸/فروری،ص۱۰،کالم۲)۔

حلیہ مبارک

شیخ الاسلامؒ کا رنگ گندمی تھا۔قد انتہائی مناسب، نہ بہت لمبا اور نہ پست پیشانی کشادہ تھی۔ہتھیلیاں انتہائی نرم و ملائم۔جسم بہت موزوں، نہ دبلا نہ موٹا۔صحت اچھی تھی۔کوئی قابلِ ذکر بیماری نہیں تھی۔حافظہ قابل رشک تھا۔بینائی بالکل درست تھی۔آخر وقت تک بغیر عینک کے لکھتے پڑھتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔آپ بیک وقت ایک عالم بھی تھے، محدث بھی، مفسر بھی، فقیہ بھی، مبلّغ بھی، مصلح بھی، مجدّد بھی، مفکّر بھی، مدبر بھی اور دانشور بھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ کی شخصیت بڑی دل آویز تھی اور آپ کی تقریر بڑی دلکش اور مؤثر ہوتی تھی۔

آپ ایک عظیم دیدہ ور (visionary) تھے۔آپ کی بصیرت، دقتِ نظر اور ژرف نگاہی غیر معمولی تھی۔فقہ و دانش اور فہم و فراست میں آپ کا جواب نہیں تھا۔آپ بے پناہ قوتِ استدلال اور اصابتِ رائے کے مالک تھے اور بے مثال مناظرانہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔

آپ ایک مرنجاں مرنج اور شگفتہ شخصیت کے مالک تھے۔بڑے خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔مذاق بھی کرتے تھے لیکن مذاق میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔

مہمان نوازی میں آپ کا کوئی جواب نہیں تھا۔مہمانوں کے آنے سے بے انتہا خوش ہوتے تھے اور حتی الامکان بغیر کھانا کھلائے نہیں جانے دیتے تھے۔مہمانوں کی بہت خاطر تواضع فرماتے۔خود اپنے ہاتھ سے ان کی رکابیوں میں سالن، بوٹیاں وغیرہ نکالتے اور بہت اصرار سے کھلاتے اور کھلا کر بہت خوش ہوتے۔

آپ سادہ غذا کھاتے۔چاول اور سبزیوں کو پسند فرماتے۔کسی کھانے کو کبھی برا نہ کہتے۔پلاؤ آپ کو بہت پسند تھا۔میٹھے میں زردہ اور شیر خرما پسند تھا۔شیر

خرما بہت زیادہ میٹھا اور ٹھنڈا پسند فرماتے تھے۔ مٹھائیوں میں حبشی حلوا وہ بھی صرف شیخ عبدالخالق کا پسند تھا۔

پانی آپ ہمیشہ صراحی یا مٹکے کا پیتے تھے اور کٹورے میں پیتے تھے۔ پان، چھالیہ آپ نے کبھی نہیں کھائی۔ سگریٹ، کافی کبھی نہیں پی۔ چائے بھی آپ بالکل نہیں پیتے تھے۔ البتہ آخر عمر میں ضرورتاً کبھی پی لیتے تھے۔ لیکن چائے کے عادی بالکل نہیں تھے۔

آپؒ نے اپنی زندگی میں کبھی ٹوتھ پیسٹ اور برش کا استعمال نہیں کیا۔ پہلے کوئلے کا منجن استعمال کرتے تھے اور پھر مسواک کا استعمال شروع کر دیا۔

رات کو سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ آپؒ کا بیشتر کام لکھنے پڑھنے ہی کا تھا اس کے باوجود آخر وقت تک آپؒ کی نزدیک اور دور کی نظر بالکل صحیح تھی اور آپؒ بغیر عینک کے لکھتے پڑھتے تھے۔ آپؒ خود بتاتے تھے کہ جب آپؒ کا دفتر کراچی میں چیف کورٹ (موجودہ سندھ ہائی کورٹ) کی بلڈنگ میں تھا تو آپؒ کی نشست کے قریب روشنی کا معقول انتظام نہیں تھا۔ اندھیرے میں کام کرنے کی وجہ سے آپؒ کی نظر کمزور ہوگئی تھی اور آپؒ نے عینک لگانی شروع کر دی تھی۔ پھر جب آپ کا تبادلہ راولپنڈی ہوا تو وہاں آپؒ کے دفتر میں روشنی کا مناسب انتظام تھا۔ لہٰذا آپؒ کی نظر ٹھیک ہونا شروع ہوگئی اور تھوڑے ہی عرصے میں آپؒ کی عینک اتر گئی۔

رات کو زیادہ تر فرش پہ بستر بچھا کر سونا پسند فرماتے تھے۔ سونے سے پہلے حکمِ رسولؐ کے مطابق اپنا بستر جھاڑتے، دعائیں پڑھتے اور آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھ کر، اپنے ہاتھوں پر پھونک کر پورے جسم پر پھیرتے تھے۔

آخر وقت تک آپ اپنے کام ہمیشہ خود کرتے تھے۔ کوئی بچہ موجود ہوتا تب بھی اس سے نہیں کہتے تھے۔

ہمارے بچپن میں ہمارے گھر میں صوفے وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ کمرے میں فرش پر دری بچھی ہوتی تھی، اس پر سفید چاندنی ہوتی تھی۔ گاؤ تکیہ بھی ہوتا تھا۔ والد صاحب ہمیشہ نیچے ہی بیٹھتے تھے۔ نیچے ہی کھانا کھاتے اور نیچے ہی بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے لئے سامنے بس ایک چھوٹی سی ڈیسک

رکھ لیتے تھے جو آپ نے اسی مقصد کے لئے بنوائی تھی۔

ہمارے بچپن کے زمانے میں ٹیلیویژن تو تھا ہی نہیں۔ٹیپ ریکارڈر بھی نہیں تھا۔ ریڈیو البتہ تھا لیکن وہ بھی کسی کسی گھر میں ہوتا تھا۔ریڈیو پر تلاوت اور خبریں تو بہت تھوڑی دیر آتی تھیں۔ باقی سارا دن گانے، ڈرامے وغیرہ ہی آتے رہتے تھے۔اس لئے آپ گھر میں ریڈیو ہونے کے سخت خلاف تھے۔اُس زمانے میں کراچی میں نائٹ کلب بھی ہوتے تھے اور اخباروں میں ان کے بہت فحش اشتہارات چھپا کرتے تھے۔پھر ان اخبارات ورسائل میں فلمی صفحے بھی ہوتے تھے لہٰذا والد صاحب اخبار اور فلمی رسالوں کے بھی گھر میں آنے کے سخت خلاف تھے۔

ہندوستان میں ہمارے گھر میں علامہ ثناء اللہ امرتسری کا رسالہ ''اہلحدیث'' آتا تھا۔ یہ غالباً ہفت روزہ رسالہ تھا۔والد صاحب کے پاس اس رسالے کے پرانے فائل موجود تھے۔ پاکستان آ کر ہمارے ہاں جماعت غرباء اہل حدیث کا پندرہ روزہ رسالہ ''صحیفہ اہلحدیث'' اور جمعیت اہل حدیث کراچی کا ''الارشاد'' اور جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا ہفت روزہ '' الاعتصام''

آتے تھے۔ جب رسالہ ''رحیق'' جاری ہوا تو وہ بھی والد صاحب منگواتے تھے اور بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ اس رسالے میں بڑے علمی مضامین ہوتے تھے۔لیکن یہ رسالہ تھوڑا عرصہ ہی شائع ہوا پھر بند ہو گیا۔اس کے بند ہونے کا آپ کو بہت افسوس ہوا تھا۔ یہ رسالہ غالباً علامہ عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔

نمود و نمائش آپ میں نام کو بھی نہیں تھی۔ سب لوگوں میں گُھل مل جاتے تھے۔اپنی ضعیف العمری کے باوجود عامّۃ المسلمین کے ساتھ ریل کے تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کرتے۔ پہلے ساتھیوں کے سونے کا انتظام کرتے اس کے بعد خود سوتے۔ جو کھانا دوسرے لوگ کھاتے وہی کھانا سب کے ساتھ بیٹھ کر آپ بھی تناول فرماتے۔ آپ نے جماعت سے کبھی کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ الٹا جماعت کو دیتے رہے۔ آپ کے منجھلے بیٹے انجنیئر تھے اور معقول تنخواہ پر ملازم تھے۔وہ غیر شادی شدہ تھے اور نوجوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ان کے ترکے کی رقم کافی زیادہ تھی۔ وہ سب رقم بھی آپ نے ورثاء کی رضامندی سے

جماعت کو دے دی۔

عیدین کے موقع پر فجر کی نماز پڑھ کر آپ عیدگاہ تشریف لے جاتے۔نماز کے انتظامات کا جائزہ لیتے۔خود بھی صفیں بچھاتے، بانس گاڑتے وغیرہ وغیرہ۔اس کے بعد گھر واپس آ کر غسل کر کے، تیار ہو کر نماز پڑھانے کے لئے دوبارہ عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔

آپ ایک باعمل اور متحرک شخصیت تھے۔ عجز و کسل، درماندگی اور مداہنت آپ میں نام کو نہ تھی۔آپ کی پوری زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے۔

اتباعِ رسول

کسی انسان کی ولایت کا معیار اتباعِ رسولؐ ہی ہے۔اگر کوئی شخص سنتِ رسولؐ پہ عامل ہے تو وہ اللہ کا ولی ہوسکتا ہے۔لیکن جو شخص سنتِ رسولؐ پہ عامل نہیں وہ اللہ کا ولی ہرگز نہیں ہوسکتا خواہ وہ کتنی ہی کرامات دکھائے۔ایسا شخص شعبدہ باز یا شیطان تو ہوسکتا ہے۔اللہ کا ولی ہرگز نہیں۔شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

" **اتباعِ رسولؐ ہی سے ولایت ملتی ہے۔** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (آلِ عمران۔۳۱)۔(اے رسولؐ) کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، پھر اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔اس آیت سے معلوم

ہوا کہ بغیر سنت کی اتباع کے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں بن سکتا''۔ (منہاج المسلمین۔ص ۴۹)۔

اگر اتباعِ رسولؐ کی کسوٹی پر ہم شیخ الاسلامؒ کی زندگی کو پرکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ آپ کی ساری کی ساری زندگی سنتِ رسولؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ہم نے ساری زندگی آپؒ سے کوئی کام خلافِ سنت صادر ہوتا ہوا کبھی نہیں دیکھا۔ اور یہی آپ کے ولی اللہ ہونے کی واضح نشانی ہے۔ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بات کرنا، لینا دینا، آپ کا رہن سہن، وعظ ونصیحت، تبلیغ و تذکیر، خطبہ وتقریر، الغرض آپ کی زندگی کا ہر شعبہ، ہر عمل، سنتِ رسولؐ کے تابع تھا۔ حتیٰ کہ اگر ہم کہیں کہ سنتِ رسول آپ کی عادتِ ثانیہ تھی تو بالکل بجا ہوگا۔ ایسا متبعِ سنت، بلکہ ایسا عاشقِ سنت ہم نے اپنی زندگی میں کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ یہی آپؒ کی بڑی کرامت تھی۔ آپ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مکمل نمونہ تھی۔ آپ کسی چھوٹی سے چھوٹی سنت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ مثلاً سجدے میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھنا، دونوں پیروں کی ایڑیوں کو ملانا، بیٹھنے میں سیدھے ہاتھ کی کہنی کو تنا ہوا رکھنا، انگشت شہادت میں تھوڑا سا خم رکھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

نماز کا ہر عمل بڑے سکون واطمینان سے ادا فرماتے۔ رکوع میں اپنی پیٹھ بالکل سیدھی رکھتے۔ تشہد میں جب بیٹھتے تو سنت کے مطابق اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ترپین (۵۳) کا ہندسہ بناتے اور ۵۳ کا ہندسہ بنانے کی باقاعدہ تعلیم دیتے۔

بارہ رکعات سنن موکدہ آپ نے کبھی نہیں چھوڑیں۔ تہجد کی نماز بھی ہمیشہ پابندی سے پڑھتے تھے۔

جمعہ اور عیدین کے لئے بڑا اہتمام فرماتے۔ جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹتے، مونچھوں کو پست کرتے، ڈاڑھی اور سر میں مہندی اور کتم (وسمہ) کا خضاب لگاتے۔ غسل کرتے، اچھے کپڑے پہنتے، سر میں تیل ڈالتے، کنگھی کرتے، آنکھوں میں سرمہ لگاتے، عطر لگاتے۔ آپ کے پاس ایک چھوٹا سا خوبصورت مخملی عطر دان تھا جس میں عطر کی چار شیشیاں رکھنے کی گنجائش تھی۔ اس میں عطر گلاب،

عطر موتیا، عطر خس وغیرہ رکھے ہوتے تھے۔ آپ خود بھی لگاتے تھے اور جو موجود ہوتے ان کو بھی عطر کا پھایا پیش کرتے تھے۔

عیدین کی بڑی خصوصی تیاریاں کرتے۔ اپنے اور سب گھر والوں کے لئے نئے کپڑے بنواتے۔ عید کی بڑی خوشی مناتے اور کہتے تھے کہ عید کی اصل خوشی عید گاہ کے میدان میں ہوتی ہے۔ عید کی نماز ہمیشہ کھلے میدان میں ادا کرتے۔ ہر سال عیدالاضحیٰ پہ قربانی کرتے۔ جانور کو ہمیشہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے۔ اس کے بعد اس کی کلیجی کھاتے۔

آپ ہمیشہ دائیں کروٹ لیٹتے اور سوتے تھے۔ کبھی آپ کو بغیر دائیں کروٹ سوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ سونے سے پہلے مسنون دعائیں (آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص اور معوذتین) پڑھ کر اپنے پورے جسم پر پھیرتے تھے۔

کھانا ہمیشہ بیٹھ کر اور تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔ نوالے چھوٹے بناتے تھے اور کہتے تھے کہ بڑے نوالے بنانا حرص کی علامت ہے۔ اپنی رکابی کو اتنی اچھی طرح صاف کرتے تھے کہ وہ دُھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کھانے کے بعد سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی انگلیوں کو چاٹتے تھے۔ اپنے کھانے کے برتن آپ خود دھوتے تھے۔ آپ ایسی دعوتوں اور تقریبات میں شریک نہ ہوتے جن میں بیٹھ کر کھانے کا انتظام نہ ہو۔

آپ کسی کو کوئی چیز دیتے تو ہمیشہ دائیں ہاتھ سے دیتے اور لیتے تو بھی ہمیشہ دائیں ہاتھ سے لیتے۔ دائیں ہاتھ سے دینے اور لینے کے بارے میں دیکھئے کتاب ہذا صفحات ۳۳۲ تا ۳۴۳۔

کھانے پینے کی چیزوں کو اور برتنوں کو ڈھانک کر رکھنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذا کان جُنح اللیل او امسیتم فکُفُّوا صبیانکم فانَّ الشیاطین تنتشر حینئذٍ فاذا ذھب ساعة من اللیل فخَلُّو ھم و اَغلقوا الابواب و اذکروا اسم اللّٰہ فاِنَّ الشیطانَ لا یفتح باباً مُغلَقاً واَو کوا قِرَبَکُم واذکروا اسم اللّٰہ و خمّروا آنیتکم و اذکروا اسم اللّٰہ و لو ان تعرضوا علیھا شیئاً

و اطفئوا مصابیحکم [و فی روایة] باللیل اذا رقدتم و اغلقوا الابواب و اوکئوا الاسقیة و خمّرو الطعام و الشراب قال همام و احسبه قال ولو بعود یعرضه رواه البخاری

جب رات کا جُھٹ پٹا ہو (یعنی شام کا وقت ہو جب دونوں وقت ملتے ہیں) تو اپنے بچوں کو (گھروں کے اندر) روک کے رکھو اس لئے کہ اُس وقت شیاطین (زمین پر) پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب کچھ رات گزر جائے تو پھر بچوں کو چھوڑ دو۔ اور (رات کو سوتے وقت) اللہ کا نام لے کر (بسم اللہ پڑھ کر) دروازوں کو بند کرلو، بے شک شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا۔ اور اللہ کا نام لے کر اپنی مشکوں کے مونہوں کو باندھ دو اور اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو، اور ایک روایت میں ہے کہ رات کو سونے لگو تو اپنے چراغوں کو بجھادو، دروازوں کو بند کرلو، مَشکوں (کے مونہوں) کو باندھ دو اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک دو خواہ ان پر ایک لکڑی ہی چوڑائی میں رکھ دو (صحیح بخاری ۶۲۹۶ و ۵۶۲۳)۔

حضرت جابرؓ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

غطوا الاناء و اَوکوا السقاء فان فی السنةِ لیلةً ینزل فیها وباء لا یمرُّ باناءٍ لیس علیه غطاء او سقاءٍ لیس علیه وکاء الا نزل فیه من ذلك الوباءِ رواه مسلم

برتنوں کو ڈھانک دو، مَشکوں کے سروں کو باندھ دو۔ بے شک سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبائیں نازل ہوتی ہیں وہ ہر اس برتن میں داخل ہو جاتی ہیں جس پر ڈھکنا نہ ہو اور ہر اس مشک میں داخل ہو جاتی ہیں جس پر بندھن نہ ہو۔ (صحیح مسلم ۵۲۵۵)۔

حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خمّروا الآنیةَ و اجیفوا الابواب و اطفئوا المصابیح فانَّ الفویسقةَ رُبما جرَّت الفتیلةَ فاَحرقت اَهلَ البیت رواه البخاری

برتنوں کو ڈھانک کر رکھو، دروازوں کو بند رکھو اور چراغوں کو بجھادو اس لئے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ (سب گھر والے سو رہے ہوں اور) کوئی چوہا چراغ

کی (جلتی ہوئی) بتی کو کھینچ کر لے جائے (جس سے گھر میں آگ لگ جائے) اور سب گھر والے جل جائیں۔ (صحیح بخاری ۶۲۹۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی حکم ہے کہ برتن میں اگر کھانے پینے کی کوئی چیز ہو تو اسے ڈھانک کر لائے۔ اگر ڈھانکنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو اُس پر لکڑی ہی رکھ دے۔ (منہاج المسلمین ص ۴۷۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کے پانی کو بھی ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ عن ابی ہریرہؓ واسنادہ صحیح۔ منہاج المسلمین ص ۱۱۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا احکام کی اتباع میں والد صاحبؒ اپنے برتنوں کو ہمیشہ ڈھانک کر رکھتے تھے۔ حتی کہ اپنے لوٹے کو اوپر سے تو ڈھانکتے ہی تھے، اس کی ٹونٹی میں بھی کپڑا یا کاغذ ٹھونس کر رکھتے تھے تاکہ ٹونٹی میں سے بھی کوئی کیڑا مکوڑا، کوئی موذی اور مضرشی لوٹے کے اندر نہ جاسکے۔

حب رسولؐ اور احترامِ رسولؐ

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ حب رسولؐ سے سرشار تھے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ سنن رسول پر جان دیتے تھے۔ ہر سنت پر عمل کرتے تھے اور کوئی سنت نہ چھوڑتے تھے۔ اپنی تقریروں، تحریروں اور درس وتدریس میں منکرین حدیث کا رد کرتے، احادیث پر ان کے اعتراضات کے جواب دیتے اور احادیث رسول کا مؤثر دفاع کرتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے احادیث کے دفاع کا حق ادا کردیا۔

بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی کے بعد پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" نہیں لکھتے بلکہ صرف "صلعم" یا صرف "ص" لکھ دیتے

ہیں۔شیخ الاسلامؒ خود بھی پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔فرماتے تھے کہ اس کے لکھنے پر بھی اجر وثواب ملتا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں

التاسع : ینبغی له ان یحافظ علیٰ کتبة الصلاة و التسلیم علیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم عند ذکره و لا یسأم من تکریر ذلك عند تکرره فان ذلك من اعظم الفوائد التی یتعجلها طلبة الحدیث و کتبته و من أغفل من ذلك حرم حظاً عظیماً و قد روینا لاهل ذلك منامات صالحة (مقدمه ابن الصلاح ص ۱۲٤)۔

یعنی کتابتِ حدیث کی نویں شرط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت آپؐ پر صلوٰۃ وسلام ضرور لکھے۔اور اگر آپؐ کا نام نامی بار بار آئے تو بار بار صلوٰۃ وسلام لکھے۔اس سے اکتاہٹ نہ محسوس کرے۔اس لئے کہ حدیث کے طلبہ اور کاتبین کے لئے یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو ان کو جلد حاصل ہو جاتا ہے۔اور جو اس سے غافل ہوا وہ بہت بڑے نصیب سے محروم ہوا۔جن لوگوں کا اس پر عمل ہے ان کے متعلق بڑے اچھے، خوشخبری والے خواب منقول ہیں۔

حافظ ابن الصلاحؒ نے صلوٰۃ وسلام کی بڑی اہمیت بیان کی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ اس بارے میں نہ لفظی کمی کرے نہ معنوی۔معنوی کمی یہ ہے کہ پورا صلوٰۃ و سلام نہ لکھے، صرف صلوٰۃ لکھ دے یا صرف سلام لکھ دے۔اس سے بچنا چاہئے۔ اور لفظی کمی یا نقص یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے بجائے کوئی رمز یا علامت لکھ دے مثلاً ''ؐ'' یا ''صلعم'' وغیرہ۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں

و اما الصلاة علیه و عند کتابة اسمه صلی اللّٰه علیه و سلم و ما فیه من الثواب و ذم من اغفله فاعلم انه کما تصلی علیه بلسانك خط الصلاة علیه ببنانك مهما کتبت اسمه الشریف فی کتاب فان لك به اعظم الثواب ۔ وهذه فضیلة یفوز بها تباع الآثار و رواة الاخبار و حملة السنة فیا لها من منّة ۔ وقد استحب اهل العلم ان یکرر الکاتب الصلاة علی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم کلما کتبه ۔قالوا و لا ینبغی ان

يـرمـز بـالـصـلاة كما يفعله الكسالىٰ و الجهلة و عوام الطلبة فيكتبون صورة (صلعم) بدلاً من صلى الله عليه و سلم (القول البديع) ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھتے وقت آپؐ پر درود پڑھنے کا کتنا ثواب ہے اور اس سے لاپرواہی کرنے میں کتنی برائی ہے اس بارے میں جاننا چاہئے کہ جس طرح تم آپؐ پر درود پڑھتے ہو اپنی زبان سے اسی طرح آپؐ پر درود لکھو اپنی انگلیوں سے جب بھی تم کسی تحریر میں آپؐ کا نام لکھو۔ اس سے تم کو بہت زیادہ ثواب ملے گا اور اس فضیلت کو حاصل کرنے میں وہی لوگ کامیابی حاصل کرتے ہیں جو احادیث کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور احادیث کو روایت کرتے ہیں اور (علَمِ) سنت کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور اہل علم کہتے ہیں مستحب یہ ہے کہ جب بھی آپؐ کا نام لکھے تو آپؐ پر درود لکھے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ درود کے مختصر نشانات استعمال کرنا مناسب نہیں جیسا کہ کاہل اور بے علم لوگ اور عام طلبہ کرتے ہیں کہ وہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بجائے صرف ''صلعم'' لکھ دیتے ہیں۔ (القول البدیع، ص ۲۳۸)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذرا سی بے ادبی آپ کو برداشت نہ تھی۔ جو لوگ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایک ڈاکئے کی تھی اور آپؐ کا فریضہ صرف اتنا تھا کہ اللہ کا کلام بندوں تک پہنچا دیں ان کا بھی آپ رد فرماتے اور جو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ صرف بڑے بھائی جیسا ہے انکا بھی رد فرماتے۔ آپ کی خواہش تھی کہ ''عظمتِ رسول'' کے موضوع پر تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کریں اور اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے آپ کی یہ خواہش پوری کی اور وفات سے پہلے آپ نے جلسہ ہائے عام میں عظمتِ رسولؐ کے موضوع پر متعدد تقریریں فرمائیں اس توفیق الٰہی پر آپ بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ ان تقاریر کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے انتہا محبت تھی اور آپؐ کے اہلِ بیتؓ اور صحابۂ کرامؓ سے بھی بے حد محبت وعقیدت تھی اور ان سب کا نام آپ بڑی محبت اور بڑے ادب واحترام کے ساتھ لیتے تھے۔

شعائراللہ کا احترام

شعائراللہ کا آپ بے حد احترام کرتے تھے۔آپ یہ بالکل برداشت نہ کرتے تھے کہ قرآن مجید یا حدیث کی کسی کتاب کے اوپر کوئی اور کتاب یا کوئی بھی دوسری چیز رکھ دی جائے۔

آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ قرآن مجید کو بہت چھوٹے سائز میں چھاپا جائے کیونکہ اس صورت میں قرآن مجید کی بے حرمتی کا بہت احتمال ہوتا ہے۔آپ یہ پسند فرماتے تھے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس کا پورا احترام ملحوظ رکھا جائے۔بہتر یہ ہے کہ پاک تکئے پر یا کسی بلند چیز پر قرآن مجید کو رکھ کر باوضو اس کی تلاوت کی جائے۔

اکثر لوگ اپنے گھروں میں یا گاڑی میں تلاوت کی کیسٹ لگا دیتے ہیں اور باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔والد صاحب فرماتے تھے کہ اگر تلاوت لگائی ہے تو پھر اس کو سنو بھی ورنہ بند کر دو کیونکہ یہ قرآن مجید کے احترام کے منافی ہے ۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

تقوی

آپ انتہائی متقی تھے۔شک کی باتوں سے بھی ہمیشہ بہت دور رہتے تھے۔

آپ ایک ایسے محکمے میں ملازم تھے جہاں رشوت بہت عام تھی لیکن آپ نے اپنا دامن ہمیشہ صاف رکھا۔اکثر لوگ کیلنڈر اور ڈائریاں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن حد تو یہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے کیلنڈر یا ڈائری بھی قبول نہیں کی۔

آپ ہمیشہ بس سے دفتر آتے جاتے تھے۔اکثر گاڑیوں والے لوگ آپ کو پیشکش کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جایئے۔ہم ادھر ہی جا رہے ہیں جدھر آپ کو جانا ہے لیکن آپ نے کبھی کسی کی ایسی پیشکش بھی قبول نہیں فرمائی ۔

پرانے زمانے میں موبائل فون نہیں ہوتے تھے۔صرف لینڈ لائن فون ہوتے تھے۔ان میں جب کسی کا فون آتا تھا تو گھنٹی بجتی تھی۔ یہ بات والد صاحبؒ کو پسند نہ تھی کیونکہ حدیث میں گھنٹی کی مذمت آئی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الجرس مزامیر الشیطان رواہ مسلم ٥٥٤٨

گھنٹیاں شیطانی باجے ہیں (صحیح مسلم ۵۵۴۸)۔

ہمارے ایک ماموں زاد بھائی نسیم الدین مرزا اختراعی ذہن رکھتے تھے۔ والد صاحب نے ان سے کہا کہ کوئی ایسی ترکیب کریں کہ فون میں گھنٹی کے بجائے کوئی اور آواز آئے۔اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی اثنا میں گھنٹی کے بجائے buzzer کی آواز والے ٹیلیفون مارکیٹ میں آ گئے اور مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔پیر محب اللہ شاہ راشدی سے والد صاحب کے بہت اچھے تعلقات تھے۔شاہ صاحب سے والد صاحب کی خط کتابت بھی تھی اور ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی۔شاہ صاحب کی مسجد اور مدرسہ سندھ میں نیو سعید آباد میں تھا۔شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی مسجد میں جماعت کے اجتماع کی اجازت دی بلکہ خود بھی بنفسِ نفیس اس میں شرکت فرمائی۔اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے شاہ صاحب نے درس بھی دیا تھا۔ڈاکٹر نعیم الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ سعید آباد کے مدرسہ میں طلبہ کو کھانے پر بلانے کے لئے بڑا گھنٹہ بجتا تھا تاکہ آواز دور تک جائے اور سب طلبہ آ جائیں۔والد صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی توجہ اس طرف دلائی تو شاہ صاحبؒ نے اس کو بجوانا بند کر دیا۔

فتویٰ بازی سے پرہیز

آپ سے اگر کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم نہیں ہے تو آپ اپنی رائے سے کوئی فتویٰ نہ دیتے۔صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کا یہی طریق تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں

انما اُحدّثك ما سمعتُ، اَ فاُحدّث ما لم اسمع متفق علیه

میں تو تم سے وہی بیان کرتی ہوں جو میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) سنا ہے۔ کیا میں وہ بیان کروں جو میں نے نہیں سنا؟۔ (صحیح بخاری ۵۵۹۵، صحیح مسلم ۵۱۷۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے''۔ آپ کے شاگرد علقمہ نے پوچھا '' اور اس کے کاتب (لکھنے والے) اور گواہوں پر؟''۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا

انما نُحَدِّثُ بما سمِعنا رواہ مسلم

ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم نے سنا۔ (صحیح مسلم ۴۰۹۲)۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا

لا اُحدّثك الا ما حدَّثنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم رواہ البخا ریؒ

میں تم سے نہیں بیان کروں گا مگر وہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری ۴۹۲۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ایھا الناس من علم شیئاً فلیقل به و من لم یعلم فلیقل اللّٰہ اعلم فان من العلم ان یقول لما لا یعلم اللّٰہ اعلم رواہ البخا ریؒ

اے لوگو، جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو وہ اسے بیان کرے اور جس کو علم نہیں ہے اسے چاہئے کہ کہے ''اللہ اعلم'' (اللہ بہتر جانتا ہے)۔ بے شک یہ بھی علم کی بات ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا اس کے متعلق کہہ دے '' اللہ اعلم'' (اللہ بہتر جانتا ہے)۔ (صحیح بخاری ۴۸۰۹)۔

حضرت اسود بن یزید نخعیؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے کہا۔

انما احدثك ما سمعتُ، اَ اُحدثك ما لم اسمع

میں تو تم سے وہ بیان کرتا ہوں جو میں نے سنا۔ کیا میں تم سے وہ بیان کروں جو میں نے نہیں سنا۔ (صحیح مسلم ۵۱۷۲)۔

والد صاحب سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیتے۔ اگر اس مسئلے کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی واضح ہدایت نہ ہوتی تو آپ فرماتے کہ مجھے نہیں معلوم۔ کبھی اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔

منہاج میں ایک مسئلہ اس طرح درج ہو گیا۔ ''اگر کسی شخص کو قربانی کی وسعت نہ ہو تو وہ بھی ایسا ہی کرے، پھر نماز عید کے بعد بال کترے، ناخن کترے، مونچھیں کترے اور ناف کے نیچے کے بال مونڈے تو اسے بھی قربانی کا ثواب مل جائے گا''۔ (منہاج، ص ۵۱۷)۔ اس مسئلے کے اس طرح درج ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب ہم اہلحدیث تھے اس وقت سے ہمارا عمل یہی تھا کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی بال، ناخن وغیرہ نہیں کاٹتے تھے، پھر عید کے دن قربانی کرنے کے بعد کاٹتے تھے اور یہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔ لیکن جب عوام کے لئے ایک مسئلہ بیان کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس کی عبارت انہی الفاظ تک محدود رہنی چاہیئے جو الفاظ حدیث سے ثابت ہیں۔ میں نے والد صاحب کی توجہ اس طرف دلائی کہ منہاج میں مندرجہ عبارت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس شخص کو قربانی کی استطاعت نہ ہو وہ بھی ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر بال وغیرہ نہ کاٹے۔ والد صاحب نے کہا صحیح تو ہے۔ اگر وہ عشرۂ ذی الحجہ میں بال کاٹ لے گا تو عید کے دن کیسے کاٹے گا۔ میں نے عرض کیا صحیح ہے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ لیکن ہم خود کیوں نتیجہ نکالیں۔ ہم تو حدیث کے الفاظ من وعن بیان کر دیں۔ نتیجہ لوگ خود نکالیں۔ حدیث میں قربانی کی استطاعت رکھنے والے شخص کے بارے میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر بال وغیرہ نہ کاٹے۔ حدیث میں صرف اتنا ہے کہ وہ عید کی نماز کے بعد بال کاٹے۔ اس لئے ہمیں اتنا ہی بیان کرنا چاہیئے جتنا حدیث میں ہے۔ والد صاحب نے اس سے اتفاق کیا اور ''وہ بھی ایسا ہی کرے'' کے الفاظ منہاج سے حذف کر دیئے۔ اس کے بعد منہاج میں مسئلے کی عبارت یوں ہو گئی ''اگر کسی شخص کو قربانی کی وسعت نہ ہو تو وہ (نماز عید کے بعد) بال کترے، ناخن کترے، مونچھیں کترے اور ناف کے نیچے کے بال مونڈے تو اسے بھی قربانی کا ثواب مل جائے گا''۔ (منہاج المسلمین ص ۵۱۷)۔

منہاج میں مندرجہ بالا تصحیح کرتے وقت ہمیں یہ خیال نہ رہا کہ یہی مسئلہ منہاج میں ص ۳۸۴ پر بھی ہے۔اس لئے وہاں یہ تصحیح نہ ہوسکی۔اب میری درخواست ہے کہ جو صاحبان میری یہ تحریر پڑھیں وہ اپنے اپنے نسخوں میں صفحہ ۳۸۴ پہ بھی تصحیح فرمالیں۔

والد صاحب کی عادت تھی کہ اگر کوئی بھی آپ کی کسی غلطی کی نشاندہی کرتا تو ہٹ دھرمی نہ کرتے۔فوراً مان لیتے تھے۔ اپنی کتابوں میں کئی جگہ آپ نے ہمارے کہنے پر ضروری تصحیح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے،آمین یارب العالمین

شرم وحیا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نَّ الحیاءَ من الایمان متفق علیہ

بے شک حیا ایمان میں سے ہے۔(صحیح بخاری ۲۴، صحیح مسلم ۱۵۴)۔

حضرت عمران بن حُصینؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الحیاء لا یأتی الّا بِخیر متفق علیہ

حیا نہیں لاتی مگر خیر ہی خیر(صحیح بخاری ۶۱۱۷،صحیح مسلم ۱۵۶)۔ اور ایک روایت میں ہے الحیاء خیر کلہ

حیا خیر ہی خیر ہے۔(صحیح مسلم ۱۵۷)۔

شرم و حیا انسان کو بہت سے گناہوں سے روکتی ہے۔حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنّ مِمَّا أدرك النَّاسُ من کلامِ النُّبُوَّةِ الاُولی : اِذا لم تستحِ فاصنع ما شئتَ رواہ البخاریُّ بے شک لوگوں کو پہلے انبیاء کے کلام میں سے جو کچھ ملا ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر تم میں حیا نہیں تو پھر جو چاہو کرو (صحیح بخاری ۶۱۲۰)۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہا شرمیلے اور حیادار تھے۔حضرت ابو سعید خُدریؓ فرماتے ہیں

کان النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اشدّ حیاءً مِنَ العذ را ءِ فی خِد رِھا متفق علیہ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین دوشیزہ سے زیادہ شرم و حیا والے تھے۔(صحیح بخاری ۳۵۶۲،صحیح مسلم ۶۰۳۲)۔

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی بے انتہا شرمیلے تھے۔آپ خواہ گھر میں ہوں یا باہر ہمیشہ کامل لباس میں رہتے۔گھر میں بھی کبھی قمیص کے بغیر یا بنیان پہن کر نہیں پھرتے حتی کہ رات کو سوتے وقت بھی کامل لباس میں ہوتے۔حد تو یہ ہے کہ آپ نے کبھی بغیر آستین کا بنیان بھی نہیں پہنا۔سردی ہو یا گرمی آپ ہمیشہ آدھی آستین کا بنیان پہنتے تھے اور اس کے باوجود آپ نے کبھی باریک قمیص یا کرتہ نہیں پہنا۔آپ گھر میں ہر وقت بنیان،قمیص اور پاجامہ پہنے رہتے۔آپ کی قمیص لمبی ہوتی تھی۔دفتر جاتے وقت اوپر شیروانی اور ٹوپی پہنتے تھے

پتلون کو آپ ننگا پہناوا کہتے تھے کیونکہ نہ تو اس میں آگے کی طرف دامن ہوتا ہے اور نہ پیچھے کی طرف۔اور جب چلو تو کولہے ہلتے ہوئے صاف نظر آتے ہیں جو بڑے شرم کی بات ہے۔اس کے برعکس قمیص پاجامہ یا قمیص شلوار میں قمیص لمبی ہوتی ہے جو آگے رومالی کو چھپاتی ہے اور پیچھے کولہوں کو۔پتلون کے دفاع میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ پتلون سے ستر تو پورا ڈھک جاتا ہے۔لیکن اگلے وقتوں کے لوگوں کے نزدیک یہ ستر پوشی نہیں تھی کہ انسان ایسا لباس پہنے جس سے اس کے اعضاء نمایاں ہوں۔ان کا ستر پوشی کا معیار بہت بلند تھا۔اس کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ازار بند(کمر بند یا ناڑا) ستر نہیں ہے بلکہ وہ تو سرے سے جسم کا حصہ

ہی نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر کسی کا ازار بند لٹک جائے یا نظر آئے تو شرفاء میں اس کو کتنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔تو پھر ایسا لباس جس سے جسم کے اعضاء نمایاں ہوں وہ کتنا معیوب سمجھا جانا چاہئے۔ یہ سب مشرقی تہذیب کی پرانی باتیں ہیں جن کو نئی نسل کے لوگ شاید نہ سمجھ سکیں ۔اب تو حالات بہت بدل چکے ہیں ۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں جب میں اسکول میں پڑھتا تھا تو تمام طالب علم قمیص پاجامہ یا قمیص شلوار پہن کر اسکول آتے تھے۔ایک دن ایک لڑکا پتلون پہن کر آ گیا تو اسے کسی نے کہا تو کچھ نہیں لیکن سب اسے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔بعد میں ماحول ایسا بدلا کہ پھر ہر طرف پتلون ہی پتلون نظر آنے لگی اور پاجامہ اور شلوار اجنبی لباس بن گئے ۔اور پھر رفتہ رفتہ اب تو یہ نوبت آ گئی کہ لڑکیاں بھی ایسے لباس پہننے لگی ہیں جو کبھی لڑکے بھی پہنتے ہوئے شرماتے تھے۔

وقار

ایک مومن کی شخصیت بڑی پروقار ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَّ اِذَا خَا طَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَا لُوْا سَلٰماً o (الفرقان ٦٣)۔اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کرنے لگیں تو وہ صاحب سلامت کہہ کر (وقار سے گزر جاتے ہیں)۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَوَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً o (الفرقان ۷۲)۔اور وہ لوگ جھوٹے کاموں میں شامل نہیں ہوتے اور جب ان کا گزر لغو (اور بے ہودہ) کاموں کے پاس سے ہوتا ہے تو وہ وقار سے گزر جاتے ہیں۔

اسلام میں وقار کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

ہے کہ نماز جیسی عبادت کے لئے اقامت ہو رہی ہو پھر بھی جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑ کر آنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ دوڑتے ہوئے آنا وقار کے منفی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إذا سمِعتُم الإقامَةَ فامشُوا إلى الصلاة، و عليكم بالسكينةِ والوَقارِ، ولا تُسرِعوا فما أدركتم فصلُّوا و ما فاتكم فأتِمُّوا رواه البخاري(٦٣٦) و روى مسلم نحوه (١٣٦٢)۔

جب تم اقامت کی آواز سنو تو نماز کے لئے چلتے ہوئے آؤ۔ اپنے اوپر اطمینان اور وقار کو لازم پکڑو اور جلدی نہ کرو (کہ دوڑتے ہوئے آؤ)۔ جتنی نماز تمہیں مل جائے اتنی پڑھ لو اور جتنی نماز تم سے رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کر لو (صحیح بخاری ٦٣٦، صحیح مسلم ١٣٦٢)۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بڑی پر وقار شخصیت کے مالک تھے اور وقار آپؒ کی شخصیت کا ایک لازمی اور بہت اہم جزو تھا۔ آپ نے کبھی وقار سے گری ہوئی کوئی حرکت نہیں کی۔ کبھی شور وغل نہیں مچایا۔ کبھی بازاروں میں آواز بلند کی نہ کبھی بازاروں کے کھیل تماشوں میں شامل ہوئے۔ نہ آپ نے کبھی بازاروں میں کچھ کھایا پیا، حتی کہ آپ ہوٹلوں میں بھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آجکل تو بازاروں میں اور ہوٹلوں میں کھانا پینا بہت عام ہے۔ بڑے شہروں میں اگر آپ کھانے کے وقت اچھے ہوٹلوں میں جائیں تو آپ کو بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ملے گی۔ جگہ کے لئے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ ہوٹلوں میں اتنا رش دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد گھر میں کھانا نہیں کھاتی۔ آجکل ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا بہت رواج ہو گیا ہے لیکن ہمارے بچپن میں بغیر کسی مجبوری مثلاً سفر وغیرہ کے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کو بہت برا سمجھا جاتا تھا اور شرفاء ہوٹلوں میں نہیں جاتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ خود بھی انتہائی باوقار تھے اور دوسروں کو بھی باوقار رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

قوت ارادی

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بے مثال قوت ارادی کے حامل تھے۔ کیسے ہی نا مساعد حالات ہوں لیکن آپ کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے۔ مخالفت کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو آپ کبھی مایوس نہ ہوتے تھے۔ بلکہ آپ تو یہ فرماتے تھے کہ مخالفت جس قدر زیادہ ہوگی تبلیغ کے لئے اور جماعت کی ترقی کے لئے اسی قدر فائدہ مند ہوگی۔ کسی بھی دینی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی مخالفت ہو۔

آپ کسی کے دنیاوی مرتبہ اور جاہ وجلال سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ کوئی کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو آپ اس کو تبلیغ کرنے سے رکتے نہیں تھے اور سنت کی مخالفت پر فوراً ٹوک دیتے تھے۔ لیکن بہت اچھے انداز میں کہ کسی کو برا نہ لگے۔

احساسِ کمتری آپ میں نام کو نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم تو سنت پر عمل کرتے ہیں جو سب سے اچھا طریقہ ہے (خیر الھدی ھدی محمدٍ صلی اللہ علیہ و سلم)۔ احساسِ کمتری تو ان لوگوں میں ہونا چاہیئے جو بہتر طریقے کو چھوڑ کر کمتر طریقے پر عمل کرتے ہوں۔

ایک مشہور محاورہ ہے '' چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی''۔ شیخ الاسلام اس کے بھی سخت خلاف تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم حق پر ہیں تو ہمیں اس پر جمے رہنا چاہیئے۔ زمانے والوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ حق کی خاطر ہم کو زمانے والوں سے نبرد آزما ہونا چاہیئے۔ اس طرح آپ فیشن پرستی کے بھی خلاف تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اسلامی رسوم ورواج سب سے بہتر ہیں اور ہر زمانے میں قابلِ عمل ہیں۔

پیکرِ صبر و رضا

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی مختلف طریقوں سے آزمائش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ o (البقرة ١٥٥)۔

اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان کی اور پھلوں کی کمی سے ۔ اور خوشخبری دیجئے ان لوگوں کو جو (ان آزمائشوں پر) صبر کرنے والے ہیں۔(البقرہ ۱۵۵)۔

جو بندہ جتنا زیادہ فضیلت والا ہوتا ہے اس کی آزمائش اتنی ہی زیادہ سخت ہوتی ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے۔آپؐ نے فرمایا۔

الانبیاء ثم الامثل فالامثل ، یُبتلی الرجلُ علیٰ حسب دینه، فان کان فی دینه صلباً اشتد بلاؤه و ان کان فی دینه رقةً ابتلی علی قدر دینه فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکه یمشی علی الارضِ و ما علیه خطیئة، رواه احمد و الترمذی و ابن ماجة و الدارمی و ابن حبان والحاکم و النسائی فی الکبری و صححه الترمذی وابن حبان و الحاکم۔

سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو ان کے بعد زیادہ فضیلت والے ہیں ، پھر جو ان کے بعد زیادہ فضیلت والے ہیں۔ ہر شخص کی آزمائش اس کی دینداری کے حساب سے ہوتی ہے۔اگر اس کے دین میں مضبوطی ہوتی ہے تو اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہوتی ہے تو اس کی آزمائش اس کی دینداری کی مناسبت سے کی جاتی ہے۔اور بندے کی آزمائش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے اوپر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔(مسند

امام احمدؒ ۱۵۵۸، ترمذی ۲۳۹۸، ابن ماجہ ۴۰۲۳، دارمی ۲۷۸۳، ابن حبان ۲۹۰۱، حاکم ۱۲۸)۔اسے امام ترمذیؒ، امام ابن حبان اور امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔(فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۱۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل ترین انسان تھے اس لئے آپ ؐ کی آزمائشیں بھی بہت سخت تھیں۔آپ ؐ پیدا ہوئے تو یتیم تھے۔ چھ سال کے ہوئے تو آپ ؐ کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر دادا نے پالا۔ابھی آپ ؐ صرف آٹھ سال کے تھے کہ دادا کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر چچا نے پرورش کی۔آپ ؐ کا بچپن اور جوانی بہت تنگدستی میں گزرا (وَ وَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ ۔الضحیٰ ۸)۔ جو آپ ؐ کے کھیلنے کی عمر تھی اس عمر میں آپ ؐ اہلِ مکہ کی بکریاں چراتے تھے (صحیح بخاری ۲۲۶۲)۔اس وقت آپ ؐ کی عمر مبارک دس بارہ برس کے قریب تھی (سیرۃ النبی، جلد اول، ص ۱۶۹)۔

پھر جب آپ ؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو پوری قوم آپ ؐ کی دشمن ہو گئی اور آپ ؐ کو ایسی ایسی جسمانی اور روحانی تکلیفیں دی گئیں جیسی کسی کو نہیں دی گئیں۔حتیٰ کہ آپ ؐ نے خود فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مجھے اتنی تکلیفیں دی گئیں جتنی کسی اور کو نہیں دی گئیں (مسند امام احمد ۱۱۸۰۲، ترمذی ۲۴۷۲، ابن ماجہ ۱۵۱، ابن حبان ۶۵۶۰، صححہ الترمذی والسیوطی، فیض القدیر، ج ۵، رقم ۷۲۹۱)۔

جو تکلیفیں آپ ؐ کو اور آپ ؐ کے اصحابؓ کو دی گئیں وہ سب کو اچھی طرح معلوم ہیں اس لئے ان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔آپ ؐ اور آپ ؐ کے اصحابؓ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے۔آپ ؐ کی ہمدرد رفیقہ حیات اور آپ کی حمایت کرنے والے چچا ایک ہی سال میں داغ مفارقت دے گئے۔ پھر جب آپ ؐ توحید کی تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے وہاں آپ ؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ ؐ سے پوچھا کیا آپ کے اوپر کوئی دن جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے۔آپ ؐ نے فرمایا۔

لقد لقيت من قومكِ ما لقيتُ ۔ و كان اشدُّ ما لقيتُ منهم يوم العقبةِ اذ عرضتُ نفسي على ابن عبد ياليلَ بنِ عبد كُلالٍ فلم يُجبني الى ما اردت ----متفق عليه

مجھے تمہاری قوم سے جو تکلیف پہنچی وہ پہنچی۔اور سب سے زیادہ شدید تکلیف جو مجھے پہنچی وہ عَقَبہ کے دن پہنچی جب میں نے اپنی دعوت (طائف کے سردار) ابن عبد یالیل ابن عبد کُلال پر پیش کی اور اس نے میری بات قبول نہیں کی۔(صحیح بخاری ۳۲۳۱، صحیح مسلم ۴۶۵۳)۔

جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔آپؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا، شدتِ ضرب سے سرِ مبارک پر خَود ٹوٹ گیا اور آپؐ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔یہ تکلیف کوئی معمولی تکلیف نہیں تھی۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طائف میں مجھے جو تکلیف پہنچی وہ اس سے بھی زیادہ تھی ۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طائف میں آپؐ کو کتنی تکلیف پہنچی

بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ معظّمہ میں آپؐ نے اور آپؐ کے اصحابؓ نے انتہائی تکلیفوں میں گزارے۔بالآخر آپؐ کو اپنا وطن مالوف چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی۔لیکن یہاں بھی دشمنوں نے آپؐ کو چین سے نہ رہنے دیا۔مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔جنگوں کے علاوہ مدینہ منورہ میں یہودیوں اور منافقین کی طرف سے بھی آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آپؐ کی پیاری، معصوم، پاکیزہ اور طیبہ وطاہرہ اہلیہ پر بہتان لگایا گیا۔آپؐ کو زہر دیا گیا۔وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کچھ میں نے بہت مختصراً بیان کیا ہے۔تفاصیل کتبِ احادیث اور کتب سیرت میں مذکور ہیں اور لوگوں کو معلوم ہیں۔

جس طرح اللہ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کرتا ہے اسی طرح شیخ الاسلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔جب آپ مسلم ہوئے تو سارا خاندان آپ کا مخالف ہو گیا۔پھر برصغیر کی تقسیم کے وقت آپ کو دو مرتبہ ہجرت کے عمل سے گزرنا پڑا۔پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ میں آپ نے شیوپوری (گوالیار) سے حیدرآباد دکن ہجرت کی اور دوسری مرتبہ دسمبر ۱۹۴۸ میں حیدرآباد دکن سے کراچی ہجرت کی۔دونوں سفر انتہائی خطرناک تھے اور بڑی بے سروسامانی کی حالت میں کئے گئے۔اس کے بعد ۱۹۷۶ میں آپ کے تعلیم یافتہ ، ہونہار اور برسر روزگار بیٹے سید محمد ادریس کا عین جوانی میں ۲۹ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

۱۹۸۳ میں آپؒ کی ہمدرد وغمگسار شریکِ حیات کا انتقال ہوگیا۔اور ۱۹۹۶ میں آپ کی پیاری بڑی بیٹی کا انتقال ہوگیا۔ان تمام صدمات کو آپؒ نے انتہائی صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور کبھی کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ (البقرة ١٥٧)۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔(البقرہ ۱۵۷)۔اللہ تعالیٰ شیخ الاسلامؒ کو ان لوگوں میں شامل فرمائے اور ان کے درجات بہت بلند فرمائے۔آمین

اعمال میں خوبصورتی

اور زندگی میں سلیقہ

آپ کی زندگی حدیث

اِنَّ اللّٰہ جمیل یُحِبُّ الجمال رواہ مسلم

بے شک اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے (صحیح مسلم ۲۶۵) کی عملی تفسیر تھی۔آپ ہر چیز میں خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے۔

آپ کی نماز بڑی خوبصورت ہوتی تھی جس کی لوگ مثالیں دیتے تھے۔احادیث میں نماز کی خوبصورتی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔نماز کی خوبصورتی کے متعلق دیکھئے کتاب ہذا صفحات ۲۷۰ تا ۲۸۳۔

نظم وضبط اور سلیقہ آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ہماری دادی بتاتی تھیں کہ آپ جب بہت چھوٹے تھے اُس وقت بھی اپنی چیزوں کو بڑے سلیقے سے سنبھال کر رکھتے تھے۔جوتے اتارتے تو انہیں بڑے

قرینے سے، دونوں جوتوں کو سیدھا کر کے پاس پاس رکھتے۔ جانماز بچھاتے تو اس طرح کہ بالکل سیدھی ہو، کہیں سے مُڑی ہوئی نہ ہو، اس میں سلوٹیں نہ پڑی ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

شوقِ مطالعہ

پڑھائی کا شوق آپ کو بچپن ہی سے تھا۔ شیخ الاسلام کے بچپن کے زمانے میں اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کا اتنا رواج نہ تھا۔ اور مڈل یا میٹرک تک کی تعلیم بھی بہت زیادہ سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی مڈل بھی پاس کر لیتا تو بڑی بات ہوتی تھی۔ بڑی بوڑھیاں اپنے بیٹوں، پوتوں کا رشتہ مانگتیں تو بڑے فخر یہ کہا کرتی تھیں ''مڈل پاس لڑکا لے لو''۔

ہمارے خاندان میں سب سے پہلے آپ نے گریجویشن کیا اور بڑے اچھے نمبروں سے کیا۔ علمِ ریاضی، علمِ طبیعیات اور علمِ کیمیا (Mathematics, Physics and Chemistry) آپ کے خاص مضامین تھے اور ان مضامین میں آپ بہت طاق تھے۔ ان کے مشکل سے مشکل سوالات آپ چٹکیوں میں حل فرما دیتے۔ اچھے اچھے اسکولوں کے اساتذہ ریاضی اور طبیعیات کے مشکل سوالات آپ سے سمجھنے آتے تھے۔ چکرورتی کی لکھی ہوئی حساب (Arithmetic) کی کتاب بہت مشکل اور بہت جامع مانی جاتی ہے۔ (اس کتاب کا ترجمہ اردو میں ''علم الحساب'' کے نام سے ہوا ہے)۔ اس کتاب کی مشقیں حل کرنا اچھے اچھے لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ لیکن آپ اس کتاب کے مشکل سے مشکل سوالات منٹوں میں حل فرما دیتے تھے۔

اردو قواعد اور انگریزی گرامر کے بھی آپ ماہر تھے۔ طلبہ اکثر انگریزی گرامر سمجھنے آپ کے پاس آتے تھے۔ Nesfield کی گرامر جو انگلش گرامر

کی معیاری کتاب ہے وہ مجھے آپ نے ہی پڑھائی تھی۔

اہلِ زبان ہونے کی وجہ سے اردو کے تو آپ ماہر تھے ہی۔ اگر آپ کے
سامنے کوئی غلط اردو بولتا یا تذکیروتانیث کی غلطی کرتا تو آپ فوراً ٹوک دیتے اور
اس کی اصلاح فرمادیتے۔

جب آپ کو دینی علوم کا شوق ہوا تو مرزا حیرت دہلوی کا لکھا ہوا بخاری
شریف کا اردو ترجمہ تو ہمارے دادا جان کے گھر میں موجود تھا۔ وہ آپ نے
پڑھا۔ بلکہ بخاری شریف کو تو آپ نے بعد میں بھی اول سے آخر تک کئی مرتبہ ختم
کیا۔ اس کے بعد آپ نے صحاح ستہ کی دیگر کتابیں خریدیں، ان کے علاوہ موَطا
امام مالک مطبوعہ مجتبائی، مسند طیالسی مطبوعہ حیدرآباد دکن، مشکاۃ المصابیح غزنوی
ترجمے والی، مولوی محی الدین اہلحدیث کی لکھی ہوئی ''البلاغ المبین'' وغیرہ
آپ نے خرید فرمائیں۔ علامہ محمد جونا گڈھی کی لکھی ہوئی بیشتر کتابیں مثلاً دینِ
محمدی (حافظ ابن القیمؒ کی کتاب اعلام الموقّعین کا اردو ترجمہ)، دلائلِ محمدی، سراجِ
محمدی، شمع محمدی، سیف محمدی، ضرب محمدی، میلاد محمدی، امام محمدی، دلائل محمدی وغیرہ
آپ کے پاس ہندوستان ہی سے موجود تھیں۔ پاکستان آنے کے بعد آپ نے
اور کتابیں خریدیں مثلاً دارقطنی، نیل الاوطار وغیرہ۔ لیکن اگر آپ کو کسی کے پاس
ایسی کسی کتاب کا علم ہوتا جو آپ کے پاس نہیں ہوتی تو وہ کتاب بھی آپ ان
صاحب سے لے کر پڑھتے اور پڑھ کر واپس کر دیتے۔ ایک اہل حدیث بزرگ
تھے۔ مولوی محمد ادریس خان لودھی بدایونی جن کے گھر پر ہفتہ وار درس بھی ہوتا
تھا۔ ان کی اپنی چھوٹی سی لائبریری تھی جس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں جو کتاب
بھی تھی وہ یا تو اردو میں تھی یا اردو ترجمے کے ساتھ تھی۔ بغیر ترجمہ کے کوئی کتاب
نہیں تھی۔ ان کے پاس چند ایسی کتابیں تھیں جو اُس وقت بالکل نایاب تھیں۔ مثلاً
المنتقیٰ لابن الجارود، الخصائص الکبریٰ للسیوطی وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کتابیں
اب تو چھپ چکی ہیں اور عام مل جاتی ہیں لیکن ۱۹۵۰ میں یہ بالکل نایاب
تھیں۔ علامہ وحیدالزماں نے صحیح بخاری کی ایک مختصر شرح تیسیر الباری کے نام
سے لکھی ہے جو عام مل جاتی ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے

صحیح بخاری کی ایک ضخیم شرح بھی لکھنی شروع کی تھی جس کا نام انہوں نے ''تسہیل القاری'' رکھا تھا لیکن وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔اس کی صرف پانچ جلدیں (پانچ سپاروں تک کی) شائع ہوئی تھیں۔ یہ کتاب اُس وقت بھی کہیں نہیں ملتی تھی اور آج بھی نایاب ہے۔لیکن ادریس صاحب کے پاس اس کتاب کی پانچوں جلدیں موجود تھیں اور والد صاحب نے ان سے لے کر پڑھی تھیں۔ادریس صاحب کے انتقال کے بعد اُن کی کتابوں کا معلوم نہیں کیا حشر ہوا کیونکہ اُن کی اولاد میں کسی کو اس طرف رغبت نہیں تھی۔

مولوی ادریس صاحب بزرگ شخص تھے۔سنسکرت کے عالم تھے۔ ہندوؤں کے وید ان کو زبانی یاد تھے اور پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ثناء اللہ امرتسری صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ہندوستان میں وہ ہندوؤں سے مناظرے کیا کرتے تھے۔سیاست اور تحریک آزادی میں بھی حصہ لیتے تھے اور اس کی وجہ سے انگریزی حکومت میں قید بھی کاٹی تھی۔وہ اپنے بیٹے کو بھی ہندوؤں سے مناظرہ کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے اور اسی مقصد سے انہوں نے اس کو سنسکرت میں ایم۔اے کروایا تھا۔لیکن اسی دوران پاکستان بن گیا اور ادریس صاحب کا یہ خواب ادھورا رہ گیا۔ یہاں آ کر ان کے بیٹے نے جس کا نام اقبال تھا ریڈیو پاکستان میں (بحثیت مترجم) ملازمت کر لی تھی۔دین سے اس کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔اس کے گھر میں درس حدیث ہوتا تھا لیکن اس نے کبھی اس میں شرکت نہ کی۔

قوتِ حافظہ

آپ کی قوتِ حافظہ بہت اچھی تھی۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم تو گویا آپ کو حفظ تھیں جس کے ثبوت کے لئے آپ کی تصنیف ''صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین'' بہت کافی ہے۔اس کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث بھی آپ کو ازبر تھیں۔اور نہ صرف احادیث ازبر تھیں بلکہ ان کی مختلف اسانید، ان کی صحت وضعف، وجہِ ضعف، راویوں کی جرح وتعدیل سب آپ کو ازبر تھا۔اور آپ سے جب بھی کسی

حدیث کے متعلق سوال کیا جاتا آپ اس کا فوری اور مدلل جواب عطا فرماتے۔ اگر آپ کو احادیث کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا تو بالکل درست ہوتا۔

معمولات یومیہ

۱۹۴۷ میں تقسیمِ ہند کے وقت آپ شیوپوری (گوالیار) کے ہائی اسکول میں سائنس اور اسپورٹس ٹیچر تھے۔ جب پاکستان بنا اس وقت ہمارے کچھ رشتہ دار حیدرآباد دکن میں تھے۔ انہوں نے والد صاحب کو وہاں بلالیا۔ وہاں بھی آپ دارالشفاء ہائی اسکول میں سائنس ٹیچر ہوگئے اور ہائی اسکول کے بالکل قریب پرائمری اسکول تھا۔ اس میں تیسری جماعت میں میرا داخلہ کرادیا۔ میں والد صاحب کے ساتھ ہی اسکول آتا جاتا تھا۔ ہم دونوں پیدل ہی آتے جاتے تھے۔ والد صاحب پہلے مجھے اسکول چھوڑتے پھر اپنے اسکول جاتے۔ واپسی میں مجھے لیتے ہوئے آتے تھے۔ ہم صبح کا ناشتہ کر کے جاتے تھے اور پھر واپس آ کر مغرب سے کچھ پہلے کھانا کھاتے تھے۔

ہم لوگ دسمبر ۱۹۴۸ میں حیدرآباد دکن سے براستہ بمبئی بحری جہاز کے ذریعے کراچی پہنچے۔ یہاں پہنچ کر والد صاحب نے وزارتِ تجارت میں ملازمت اختیار کی۔ آپ کا دفتر سندھ ہائی کورٹ کی عمارت میں تھا جس کو اُس وقت چیف کورٹ کہا جاتا تھا۔ اُس وقت سرکاری دفاتر کے اوقات کار صبح نو بجے سے شام چار یا پانچ بجے تک ہوتے تھے۔ اتوار کو چھٹی ہوتی تھی اور جمعہ کو دفاتر دوپہر بارہ بجے تک ہوتے تھے۔ ہم لوگ مارٹن کوارٹرز میں رہتے تھے۔ والد صاحب صبح آٹھ بجے کھانا کھا کر دفتر جاتے تھے۔ پھر شام کو گھر آ کر رات کا کھانا کھاتے تھے۔ ظہر کی نماز آپ مسجد خضراء میں پڑھتے تھے جو آپ کے دفتر سے بالکل قریب تھی۔

مغرب کے بعد آپ ہم کو پہلے قرآن مجید، ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ پھر اسکول کے مضامین مثلاً ریاضی، انگریزی، سائنس، جغرافیہ

وغیرہ پڑھاتے تھے۔یہ معمول دو تین سال رہا۔اس کے بعد جب میری بنیاد مضبوط ہوگئی تو آپ نے اسکول کے مضامین پڑھانا چھوڑ دیئے۔

آپ نے ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی اور اپنی تمام تر توجہ ''مسلمین پرائمری اسکول'' پر لگا دی۔اس اسکول کے لئے جگہ لمٹن واچ کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر جناب انیس الرحمان صاحب نے ایک منارہ مسجد کی ملحقہ عمارت (انیکسی) میں دی تھی۔اس اسکول کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے ۱۹۷۴ یا ۱۹۷۵ میں قومی ملکیت میں لے لیا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ صبح ناشتے کے بعد تصنیف وتالیف میں مشغول ہو جاتے۔یہ سلسلہ ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے تک رہتا۔ایک کاتب تھے محمد اخلاق صاحب۔وہ بھی صبح سے آجاتے تھے اور شام تک والد صاحب کے ساتھ ہی بیٹھ کر کتابت کرتے رہتے۔ان کی لکھائی والد صاحب کو بہت پسند تھی۔ان کو آپ نے جماعت کی کتابوں کی کتابت کے لئے مستقل رکھ لیا تھا۔صحیح تاریخ الاسلام و المسلمین،صلوٰۃ المسلمین، دعوات المسلمین وغیرہ کتابیں ان ہی کی کتابت کردہ ہیں۔مغرب اور عشاء کے درمیان والد صاحب حفظِ قرآن کا ریاض کرتے تھے۔

۱۹۸۴ میں والد صاحب عزیز آباد سے نارتھ ناظم آباد منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں بھی دن کا معمول آپ کا وہی تھا۔البتہ عصر کے وقت سے عشاء تک آپ کوثر نیازی کالونی کی مسجد المسلمین چلے جاتے اور وہاں درس و تدریس میں مشغول رہتے۔وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی آپ مرکز المسلمین،ملیر منتقل ہو گئے تھے۔

پابندئ اوقات

آپؒ وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے۔نماز ہمیشہ اول وقت پڑھتے تھے۔جماعت کے جلسے، درس، تقاریر وغیرہ ہمیشہ مقررہ وقت پہ شروع

کراتے۔ جماعت کے اجتماعات میں لوگوں کے ناشتہ، کھانے وغیرہ کا وقتِ مقررہ پہ انتظام کرواتے۔

شادی، ولیمہ کی دعوتوں میں کارڈوں پر دیئے گئے وقت پر شادی ہال پہنچ جاتے۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ جب آپ پہنچتے تو صرف چند منتظمین پہنچے ہوتے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ جب آپ مقررہ وقت پر پہنچے تو ہال میں کوئی بھی نہ تھا۔ ہال میں میز کرسیاں بھی نہ لگی تھیں اور ہال کی صفائی ہو رہی تھی۔ کراچی میں یہ بہت برا رواج ہے کہ اگر شادی کارڈ میں تقریب کا وقت رات نو بجے کا دیا جاتا ہے تو لوگ رات کے گیارہ بجے اپنے گھروں سے روانہ ہوتے ہیں۔ بارہ بجے کے قریب ہال پہنچتے ہیں۔ اسی حساب سے کھانے میں بھی غیر معمولی تاخیر ہوتی ہے جس سے بچوں کو اور جو لوگ وقت پہ ہال پہنچتے ہیں ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اب شاید حکومت کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ شادی ہال بارہ بجے تک بند کر دیئے جائیں۔ اگر اس پر عمل درآمد ہو تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ ابھی تک تو ہمارے ملک میں قانون کی پابندی کا کوئی رواج نہیں ہے بلکہ لوگ قانون توڑنے کو اپنی شان سمجھتے ہیں اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔

ایفائے وعدہ

آپ وعدے کے بہت پکے تھے۔ جس سے بھی، جو بھی وعدہ کرتے اسے ہمیشہ وقت پر پورا فرماتے۔

مستجاب الدعوات

شیخ الاسلام مستجاب الدعوات تھے۔ اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

ا۔ اپریل ۱۹۹۵ میں جماعت کا سالانہ مرکزی اجتماع اسلام آباد میں کھلے میدان میں ہونا تھا۔ عین اجتماع والے دن صبح سے تیز بارش شروع ہوگئی اور

لگتا تھا کہ اجتماع نہ ہو سکے گا۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جلسہ کامیابی سے ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ بارش کے باوجود جلسہ بڑی کامیابی کے ساتھ ہوا۔

۲۔ تفسیر قرآن عزیز آپ کی سب سے آخری تصنیف ہے۔ یہ دس جلدوں کی بڑی ضخیم تفسیر ہے۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اس تفسیر کے مکمل ہونے سے پہلے آپ کی وفات نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔تفسیر کی آخری جلد آپ کی زندگی میں مکمل ہو کر چھاپہ خانے چلی گئی تھی۔ چھاپہ خانے سے چھپ کر یہ آپ کی وفات کے بعد آئی ۔

۳۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ نے عوامی مقامات (پبلک ہالز) میں ''عظمتِ رسول'' کے موضوع پر تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تھا۔آپ کی خواہش تھی کہ تقاریر کا یہ سلسلہ آپ کی وفات سے پہلے مکمل ہو جائے۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔آپ نے تقاریر کا یہ سلسلہ مکمل کیا اور اس کے تھوڑا عرصے بعد ہی آپ کی وفات ہو گئی۔

کھیلوں سے دلچسپی

اسلام ایسے کھیلوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو صحت بخش ہوں۔ جو انسان میں چستی اور توانائی پیدا کریں اور جو جہاد کی تیاری میں مدد و معاون ہوں۔مثلاً تیر اندازی، شہسواری وغیرہ۔جنگی کھیلوں (Martial Arts) اور ورزشی کھیلوں کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ایسے کھیل جو نہ تو ورزشی ہوں اور نہ صحت کے لئے ان کی کوئی افادیت ہو ایسے کھیل تضییع اوقات کے ذیل میں آتے ہیں اور اسلام ایسے کھیلوں کو پسند نہیں کرتا جن کی کوئی افادیت نہ ہو اور جو انسان کو ذکرِ الٰہی سے غافل کر دیں۔

حضرت عُقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

كُلُّ ما يلهو به الرَّجُلُ المسلمُ باطلٌ الا رَميَهٗ بقوسٍ و تاديبهٗ فرسَهٗ و مُلاعَبتَهٗ اهلهٗ فاِنَّهنَّ من الحَقّ رواه احمد و الترمذيُّ و ابو داود و النسائيُّ و ابن ماجة و الدارميُّ و ابن خزيمةَ و الحاكمُ و صححه الترمذيُّ و ابن خُزيمة و الحاكم و الذهبيُّ

ایک مسلم مرد جو بھی کھیل کھیلتا ہے وہ سب بے کار ہیں سوائے تین کھیلوں کے۔ تیراندازی، شہسواری اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا۔ یہ کھیل حق ہیں۔(مسند امام احمد ۱۶۸۴۹، ۱۶۸۸۶، ترمذی ۱۶۳۷، ابوداؤد ۲۵۱۳، نسائی ۳۶۰۸، ابن ماجہ ۲۸۱۱، دارمی ۲۴۰۵، ابن خزیمہ، حاکم ۲۵۱۲۔ فتح الباری ج ۱۱، ص ۹۴)۔ اسے امام ترمذیؒ، امام ابن خزیمہؒ، امام حاکمؒ اور حافظ ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عليكم بالرمى فانه [من] خير لعبكم [لهوكم] رواه البزّار و الطبراني في الاوسط وقال الهيثمی رجال البزّار رجال الصحيح خلا حاتم بن الليث و هو ثقة و كذلك رجال الطبراني

تیراندازی کو لازم پکڑو اس لئے کہ یہ تمہارے بہترین کھیلوں میں سے ہے،(مسند بزّار، طبرانی اوسط)۔ حافظ ہیثمیؒ لکھتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے حاتم بن لیث کے اور وہ ثقہ ہے۔(مجمع الزوائد، ج ۵، رقم ۹۳۸۲)۔

طبرانی اور بزّار کی ایک روایت میں '' تیراکی'' کا اضافہ ہے۔ حافظ منذریؒ لکھتے ہیں اس کی سند جید ہے۔(الترغیب والترہیب، رقم ۱۹۳۵)۔ حافظ ہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ طبرانی کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبدالوہاب بن بخت کے اور وہ ثقہ ہے۔(مجمع الزوائد۔ ج ۵، ص ۳۵۰، رقم ۹۳۹۰)۔

اس کے علاوہ گھڑ دوڑ اور اونٹوں کی دوڑ بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔(منہاج المسلمین، ص ۶۵۲)۔

اسی طرح انسانوں کے درمیان دوڑ لگانا بھی جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔(مسند

امام احمدؒ ۲۳۵۹۸، ۲۴۹۶۰، ۲۵۷۲۰، ابوداؤد ۲۵۷۸، ابن ماجہ ۱۹۷۹، مسند حمیدی ص ۷۶، رقم ۲۶۱)۔ اسے حافظ ذہبیؒ، حافظ عراقی، حافظ ہیثمیؒ اور سید مسعود احمدؒ نے صحیح کہا۔ (حاشیہ مداراۃ الناس لابن ابی الدنیا ص ۱۲۹، منہاج المسلمین ص ۶۵۲)۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں والد صاحب indoor games یعنی وہ کھیل جو گھر کے اندر بیٹھ کر کھیلے جاتے ہیں مثلاً تاش، شطرنج، لوڈو، ڈرافٹ، مونوپولی وغیرہ کے سخت خلاف تھے۔ اول تو ان کھیلوں سے عام طور پر تھکن نہیں ہوتی کیونکہ یہ بیٹھ کر کھیلے جاتے ہیں لہٰذا انسان بڑی دیر تک کھیلتا رہتا ہے جو ایک طرف تو تضیع اوقات ہے۔ پھر انسان ان کھیلوں میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اکثر نماز بھی وقت پر نہیں پڑھتا۔ اور انسان کو ان کھیلوں کی ایسی لت پڑ جاتی ہے کہ اسے کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ منشی پریم چند نے اپنے افسانے ''شطرنج کی بازی'' میں اس کے نقصانات کی بڑی اچھی منظر کشی کی ہے۔

کرکٹ کے کھیل کے آپ بہت خلاف تھے کیونکہ اس کھیل میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے میں ون ڈے اور ٹوینٹی ٹوینٹی وغیرہ میچ تو ہوتے نہیں تھے۔ ٹیسٹ میچ ہوتے تھے۔ اور ایک ایک میچ پانچ یا چار چار دن چلتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہمارے بچپن میں جب ٹیسٹ میچ ہوتے تھے تو پورا ملک کرکٹ کے بخار میں مبتلا ہوتا تھا۔ لوگ مہنگے مہنگے ٹکٹ خرید کر اسٹیڈیم جا کر میچ دیکھتے تھے۔ اور جو لوگ اسٹیڈیم نہ جا سکتے وہ اپنے گھر یا دفتر میں بیٹھ کر ریڈیو پر کامینٹری سنتے رہتے۔ دفتروں، اسکولوں، کالجوں، کارخانوں وغیرہ میں حاضری بہت کم ہوتی تھی۔ اور جو لوگ آتے بھی تھے تو ان کا بھی دھیان کامینٹری کی طرف ہی ہوتا تھا۔ اور یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں۔ اگر تین چار میچ ہوتے جو اکثر ہوتے تھے۔ تو یہ سلسلہ ہفتوں چلتا تھا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ کرکٹ کی ایک سیریز میں قوم کا کتنا وقت اور پیسہ ضائع ہوتا تھا۔ بلکہ اب بھی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کھیل کا مناسب وقت شام کو ایک ڈیڑھ گھنٹے کے قریب ہوتا ہے۔ جبکہ کرکٹ کے ٹیسٹ میچ صبح سے شام تک سارا دن ہوتے ہیں۔ سوم یہ

کہ کرکٹ کے کھیل میں ایک وقت میں بیٹنگ کرنے والی ٹیم کے صرف دو ہی کھلاڑی کھیلتے ہیں جبکہ باقی تمام کھلاڑی پویلین میں بے کار بیٹھے رہتے ہیں۔اور مخالف ٹیم کے گیارہ کھلاڑی صرف دو بلّے بازوں کو کھلانے میں لگے رہتے ہیں۔اس کے برعکس دوسرے کھیلوں مثلاً ہاکی،فٹبال وغیرہ میں دونوں ٹیموں کے تمام کھلاڑی بیک وقت میدان میں موجود ہوتے ہیں اور اول سے آخر تک کھیل میں شامل رہتے ہیں۔

کرکٹ دراصل انگریزوں کا کھیل ہے اور یہ مہنگا بھی بہت ہے اس لئے اس کو عوامی کھیل بھی نہیں کہا جا سکتا۔الغرض اس کھیل کے بہت زیادہ نقصانات ہیں۔ سنا ہے اسی لئے ایڈولف ہٹلر نے جرمنی میں اس کھیل پر پابندی لگا دی تھی۔اولمپک مقابلوں میں بھی یہ کھیل تاحال شامل نہیں۔

والد صاحب کا بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہندوستان میں گزرا جو کئی دہائیوں تک ہاکی کا اولمپک اور عالمی چیمپین رہا۔تقسیم ہند کے فوراً بعد پاکستان میں بھی اس کھیل کا بہت عروج رہا حتی کہ اس کو پاکستان کے قومی کھیل کا مقام حاصل رہا۔اس لئے اس کھیل میں والد صاحب کی دلچسپی ایک قدرتی بات تھی۔آپ اگرچہ ہندوستان میں اسپورٹس ٹیچر رہے اور طلبہ کو کھیل سکھاتے تھے لیکن آپ نے خود یہ کھیل کبھی نہیں کھیلا۔اس کے باوجود آپ کا اسٹک ورک stick work بہت اچھا تھا۔

ہاکی کی دنیا میں ہندوستان کے کھلاڑی دھیان چند کی بہت شہرت تھی۔وہ غالباً جھانسی ہیروز کی ٹیم میں کھیلتے تھے۔والد صاحب کو بھی ان کا کھیل دیکھنے کا شوق تھا۔ایک مرتبہ ان کا کھیل دیکھنے کے لئے گئے۔مخالف ٹیم نے میچ شروع ہوتے ہی د ھیان چند کی ٹیم کے خلاف ایک گول کر دیا اور پھر انہوں نے دھیان چند کو اتنا اچھی طرح cover کیا کہ پورے کھیل میں انکے پاس گیند آنے ہی نہ دی۔اس طرح والد صاحب دھیان چند کا کھیل نہیں دیکھ سکے۔

۱۹۵۰ سے ۱۹۶۰ کے درمیان کراچی میں جو ہاکی کے ٹورنامینٹس (مثلاً نیشنل ہاکی چیمپین شپ وغیرہ) ہوتے تھے ان کے اچھے میچ (سیمی فائنل، فائنل وغیرہ) دیکھنے آپ جایا کرتے تھے۔آخری ٹورنامنٹ جو آپ نے دیکھا وہ

''آل پاکستان پریزیڈنٹ اسکندر مرزا ہاکی ٹورنامنٹ'' تھا جو ۱۹۵۷ میں کراچی کے نیشنل اسٹیڈیم اور YMCA GROUND میں کھیلا گیا تھا۔اس کا فائنل راولپنڈی کی ٹیم ''اٹک آئل کمپنی'' نے جیتا تھا جسمیں روم اولمپکس کے ہیرو نصیر بُندا کھیل رہے تھے۔اس ٹورنامنٹ کے بعد کوئی اچھا ٹورنامنٹ میرے علم کے مطابق کراچی بلکہ پاکستان میں نہیں ہوا۔

اس زمانے کی بہترین ٹیمیں پاکستان ریلویز، پاکستان آرمی، پاکستان کسٹمز، پی ڈبلو ڈی وغیرہ تھیں۔پی آئی اے کی ٹیم بعد میں بنی اور اس نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔

پاکستانی کھلاڑیوں میں آپ کو دو کھلاڑیوں کا کھیل بہت پسند تھا۔ان میں سے ایک تو اصغر علی خان تھے۔یہ اولمپین تھے۔پاکستان کی غالبًا ۱۹۵۲ کی قومی ٹیم میں شامل تھے۔یہ پہلے PWD اور پھر لینڈ کسٹمز کی ٹیم میں لیفٹ فل بیک کی پوزیشن پر کھیلتے تھے۔یہ ایک لمبے چوڑے انسان تھے جو پورے میدان میں نمایاں نظر آتے تھے اور ان کے کھیل کا اتنا رعب تھا کہ اچھے اچھے کھلاڑی ان کو ڈاج دینے سے اپنی جان بچاتے تھے اور ان کے سامنے پہنچتے ہی پاس دے دیتے تھے۔میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے ان کو کبھی ڈاج دیا ہو یا کبھی ان سے گیند چھیننے کی کوشش کی ہو۔یہ شارٹ کارنر (پینلٹی کارنر) پہ گول کرنے کے ماہر تھے۔ان کی ہٹ اتنی زوردار ہوتی تھی کہ سیدھی گول میں جاتی تھی۔ان کی ٹیم کو شارٹ کارنر ملنے کا مطلب عام طور سے یقینی گول ہوتا تھا۔یہ بے انتہا fair کھیلتے تھے اور یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی اور اسی وجہ سے والد صاحب ان کے کھیل کو پسند کرتے تھے۔ ان کے دو چھوٹے بھائی بھی ہاکی کے اچھے کھلاڑی تھے۔خاص طور پر سب سے چھوٹے بھائی قمر علی خان۔ان کا تو پاکستان کی اولمپک ٹیم میں انتخاب بھی ہو گیا تھا لیکن عین وقت پر ہرنیا کے آپریشن کی وجہ سے جا نہ سکے۔یہ بعد میں پی آئی کی ٹیم کے کپتان ہو گئے تھے اور جب تک یہ پی آئی اے میں رہے ان کی ٹیم ہر ٹورنامنٹ کی فاتح رہی۔

دوسرے کھلاڑی جن کا کھیل آپ کو بہت پسند تھا وہ حبیب الرحمان تھے۔ یہ پاکستان ریلوے میں کھیلتے تھے۔انہوں نے کئی مرتبہ اولمپکس میں پاکستان کی

نمائندگی کی۔ یہ پاکستان کی ٹیم میں سینٹر فارورڈ کی اہم پوزیشن پر کھیلتے تھے۔ ان کے stick work کا جواب نہیں تھا اور body dodges تو یہ کہنا چاہیئے کہ ان سے شروع تھے اور ان ہی پر ختم ہو گئے۔ عالمی شہرت یافتہ لیفٹ آؤٹ لطیف الرحمان جن کو انگریزوں نے flying horse کا خطاب دیا تھا وہ ان کے بھائی تھے۔ بعد میں یہ خطاب سمیع اللہ کو دیا گیا۔

میں نے بچپن میں ہاکی کے کھلاڑیوں کا جو کھیل دیکھا ہے وہ اب دیکھنے کو نہیں ملتا۔ ہمارے پاس کیسے کیسے کھلاڑی تھے جن کی دنیا کی ٹیموں پر دھاک تھی۔ اب نہ وہ کھلاڑی رہے نہ وہ کھیل رہا۔ ہاکی کے کھیل کی خوبی اور خوبصورتی ہی ختم ہو گئی۔ اب تو ہاکی کا کھیل صرف hit and run رہ گیا ہے۔

فنون لطیفہ

والد صاحب کو نام نہاد فنونِ لطیفہ کا قدرتی طور پر کبھی شوق ہی نہیں رہا۔ ساری عمر سینما کا کبھی منہ تک نہیں دیکھا۔ گانوں کا، شعر و شاعری کا بھی بالکل شوق نہ تھا۔ کبھی کسی مشاعرے میں نہیں گئے۔ بچپن اور لڑکپن میں پڑھائی پر پوری توجہ رہی اور پڑھائی کے فوراً بعد ہی پوری طرح دین کی طرف مائل ہو گئے۔

آپ کو قوالی سننے کا البتہ بہت شوق تھا۔ اس کی وجہ بھی آپ کا بریلوی پس منظر تھا کیونکہ بریلویت میں قوالی کو مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن قوالی آپ کو انتہائی پسند ہونے کے باوجود آپ نے نوجوانی ہی میں قوالی سننا بھی چھوڑ دیا۔ قوالی میں تو دوہری خرابی ہے۔ اول تو اس میں موسیقی ہوتی ہے اور دوم اس سے بھی زیادہ بڑی بات یہ کہ بیشتر قوالیاں شرکیہ ہوتی ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی قوالی شرکیہ نہ ہو تو پھر عشقیہ تو ضرور ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ نے جوانی ہی میں قوالی سے توبہ کر لی اور اسے کلیۃً خیرباد کہہ دیا۔

ضمیمہ ۔ ا

از

محترمہ اسماء بیگم صاحبہ

بنت

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

جب مجھ سے بھائی صاحب نے کہا کہ تم بھی اپنی یادداشتیں لکھو تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں پہ ختم۔ یادوں کا ایک کارواں تھا جو گزر رہا تھا۔ بچپن سے اب تک کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ فراموش کیا جا سکے۔ ان کی ہر بات، ہر عمل ایسا ہے جس کی دوسری کوئی مثال نہیں۔ دین اور دنیا دونوں میں۔ اللہ کی عبادت ہو یا سرکاری ملازمت، اولاد کی پرورش ہو یا حقوق العباد، ہر معاملے میں پرفیکٹ۔

افسوس کہ ہم ان کی زندگی میں ان کو اتنا نہ سمجھ پائے۔ پہلے تو ظاہر ہے بچپن تھا۔ پھر ذرا بڑے ہوئے تو پڑھائی، لکھائی۔ اور اس وقت تک جماعت کا اتنا نشر و اشاعت کا کام بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد شادی، بچوں کی مصروفیات۔ اب وقت ملا ہے تو پڑھتے ہیں تو دل و دماغ ششدر رہ جاتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کام ہے یا کمپیوٹر کا۔ Mathematics اور English میں تو تھے ہی استاد، دین میں بھی سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔

اخلاق ایسا کہ بوڑھے، بچے جو بھی مل لیتا گرویدہ ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے محرم کے مہینے میں جب سات، آٹھ بچے سبیل کا چندہ لینے آئے تو اتفاق سے دروازہ کھولنے ابا ہی گئے۔ اُن بچوں کو پیار سے گھر میں بلایا، محبت سے سمجھایا۔ بچوں پر اتنا اثر ہوا، انہوں نے گھر جا کر تذکرہ کیا۔ ان کی امی، ابو وغیرہ بھی ملنے آئے۔ جبکہ ہم عزیز آباد میں تھے اور وہ بچے ایوب منزل سے آئے تھے۔ پھر جب تک ہم لوگ نارتھ ناظم آباد منتقل ہوئے ہم لوگ ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے رہے۔

دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ لیکن پہلے پیار سے سمجھاتے تھے۔

جیسے جب ہم چھوٹے تھے تو میرے اور چھوٹے بھائی الیاس کے لئے اتنی خوبصورت وضو کی کھڑاویں لائے تھے۔ میری لال رنگ کی پھول پتیوں والی۔ ہم دونوں کے لئے چھوٹی چھوٹی جانمازیں بھی لائے تھے۔ الیاس کی جاءنماز کے کونے پر چھپا کر لڈو رکھ دیا کرتے تھے کہ دیکھا تم نے نماز پڑھی تو اللہ نے تم کو لڈو دیا۔

کھیل کود کا بھی خیال رکھتے تھے۔ شام کے وقت اکثر اپنے دو بڑے بیٹوں کے ساتھ گھر کی کیاری میں ہاکی کھیلتے تھے۔ کھیلتے کیا تھے ان دونوں کو کھلاتے تھے۔ دونوں بھائیوں کو ایک طرف کر دیتے اور خود اکیلے دوسری طرف ہو جاتے۔ ہاکی کے میچ اسٹیڈیم جا کر دیکھتے تھے۔ وقفے میں عصر کی نماز وہیں ہاکی گراؤنڈ میں پڑھتے تھے۔ ساتھ اپنے دونوں بڑے بیٹوں کو بھی لے کر جاتے تھے۔ بھائی صاحب (یعنی سید محمد سلیمان) اور میرے دوسرے بڑے بھائی (سید محمد ادریس، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین) کو بھی لے کر جاتے تھے۔ جتنے ہاکی کے شوقین تھے اتنے ہی کرکٹ سے نفرت کرتے تھے کہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔

کبھی ہم بچوں کو پرانی کتابوں سے نہیں پڑھوایا کہ پرانی کتابوں میں بچوں کا دل نہیں لگے گا۔ نئی نئی کتابیں دیکھ کر پڑھنے کو دل چاہے گا۔

خود بچوں کو پڑھاتے تھے۔ امتحان کی تیاری کرواتے تھے۔ پڑھائی کے اور دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ روز رات کو بڑے بچوں کو لے کر کمرہ بند کر کے پڑھاتے تھے۔ اس ایک دو گھنٹے میں کسی کو اجازت نہیں ہوتی تھی کہ کمرے میں جائے کہ بچوں کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ پڑھائی کا وقت پورا کر کے ہی کمرہ کھلتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میرے بڑے بھائی (ادریس) میٹرک کے امتحان میں پنجاب بورڈ میں پوزیشن لائے۔ ان کے اسکول والوں نے اتنا اصرار کیا کہ ایک تصویر کھنچوا لیں۔ ہم ریکارڈ میں رکھتے ہیں۔ خود ٹیچر گھر پر آئے اجازت لینے لیکن اجازت نہیں ملی۔ اب وہاں ریکارڈ میں صرف ان کا نام ہے، تصویر نہیں ہے۔ ہم چھوٹے بہن بھائیوں کی بدقسمتی کہ ہم ان سے پڑھ نہ پائے۔ ہمارے پڑھائی کے وقت میں ابا خود تو دین کے کاموں میں لگ گئے اور بڑے بہن بھائیوں سے کہا کہ میں نے تم لوگوں کو پڑھایا اب تم ان دونوں (اسماء، الیاس) کو پڑھاؤ۔

اصول پسند اور وقت کے پابند اتنے تھے کہ آپ کے دفتر والے کہتے تھے کہ ہم ان کے آنے جانے سے اپنی گھڑیاں ملاتے ہیں۔ کبھی دفتر کی کوئی چیز گھر نہیں لائے۔ جیسے کہ لوگ اپنے کیلنڈر، ڈائریاں وغیرہ دیتے تھے اپنے اپنے اداروں کی لیکن کبھی قبول نہیں کی کہ جب میں ریٹائر ہو جاؤں تو لا کے دینا۔

ہر چیز کا ٹائم ٹیبل تھا۔ وقت پہ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، میل ملاقات۔ عصر کے بعد بچوں کو دعائیں یاد کرانا، نماز سکھانی، قرآن شریف کے واقعات، پیغمبروں کے قصے یا جماعت کے اجتماعات کے لئے تقریر یا حمد و نعت کی تیاری کراتے تھے۔ مغرب کے بعد طلبہ کو عربی پڑھاتے تھے۔

حقوق العباد کا خیال رکھنا۔ اکثر اتوار کو بچوں کو ناشتے کے بعد اپنے رشتہ داروں کے ہاں برنس روڈ، بندر روڈ وغیرہ لے کر جاتے تھے۔ دوپہر تک واپس آ کر وقت پہ کھانا کھاتے تھے۔ ہمیشہ اپنا کام ظہر کی اذان پر بند کر کے اٹھ جاتے تھے۔ ظہر کی نماز پڑھ کے، کھانا کھا کے پھر پڑھنے لکھنے بیٹھ جاتے تھے۔

ایمانداری اتنی کہ جماعت کی کوئی چیز استعمال کرنا حرام سمجھتے تھے۔ جب تک مرکز المسلمین نہیں گئے تھے تو فون گھر کا ہی تھا اور ان ہی کی ڈیسک پر رکھا رہتا تھا۔ اگر کبھی فون پر بات کرنے میں ہم کو کچھ لکھنے کی ضرورت پڑ جاتی تو اگر ہم ان کی ڈیسک سے قلم اٹھا کر لکھنا چاہتے تو فوراً دوسرا قلم دیتے کہ اس سے لکھو یہ میرا ہے اور یہ سرکاری ہے (یعنی جماعت کا)۔ پھر جب مرکز میں چلے گئے تو وہاں فون جماعت کا تھا۔ تو اگر ذاتی فون کرتے تو اس کے پیسے دیتے۔ اگر آپ کا کوئی ذاتی مہمان یا رشتہ دار آیا اور اس نے فون کر لیا تو اس کے جانے کے بعد اس کے فون کے پیسے خود دیا کرتے تھے۔ محلۃ المسلمین میں ایک ہی لینڈ لائن فون تھا۔ (اس زمانے میں موبائل فون تو ہوتے نہیں تھے)۔ تو سب کو اجازت تھی کہ فون سب کر سکتے ہیں مگر پیسے دے کر۔ پھر وہ پیسے جماعت کے فنڈ میں جمع ہو جاتے تھے۔ اسی طرح جماعت کی گاڑی بھی پورے محلۃ المسلمین والے استعمال کر سکتے تھے ضرورتاً مگران سے کہتے کہ گاڑی جماعت کی ہے۔ یہ چابی ہے۔ جسے ضرورت ہے لے جائے مگر پٹرول ڈلوائے اور چلانے کا انتظام بھی کرے کیونکہ ڈرائیور جماعت کا ہے۔ میرا ذاتی نہیں۔ اس سے پوچھ لو۔ اگر وہ جانا چاہے لیکن میں اس سے نہیں کہہ سکتا۔

ہر ایک کی عزت و احترام کرتے۔ ہمارے ہاں دھوبی آتا تھا۔ تو کبھی یہ نہیں کہتے تھے کہ دھوبی آیا ہے بلکہ اس کا نام لے کر کہتے تھے کہ یامین صاحب آئے ہیں۔ کپڑے دے دو۔

اپنے سے چھوٹوں کو اور بچوں کو بھی پورا نام لے کر پکارتے تھے جیسے غلام رسول صاحب، عبدالحمید صاحب۔ حالانکہ یہ دونوں تو داماد تھے لیکن کبھی غلام رسول یا حمید نہیں کہا۔ ہمیشہ پورا نام لیتے تھے۔ جماعت کے اور لوگوں کے نام مثلاً عبدالمالک صاحب، ناصر علی صاحب، بشیر احمد صاحب یا جماعت کی خواتین جو

آپ کی اولاد سے بھی چھوٹی ہیں ان کو فرزانہ بیگم صاحبہ، سعیدہ بیگم صاحبہ، عائشہ بیگم صاحبہ کہتے تھے۔

بچوں سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اگر معلوم ہو جاتا تھا کہ ماں باپ نے بچوں کو مارا ہے تو ہم لوگوں سے یعنی مجھ سے اور الیاس سے ناراض ہوتے تھے۔ ہود اور حرا نے ان کی اس محبت کا خوب فائدہ اٹھایا۔ میں جب کسی بات پر مارنے اٹھتی تو یہ بھاگ کر ان کے پاس جا کر ان کے پیچھے چھپ جاتے تھے اور بچ جاتے تھے۔ لیکن اتنے لاڈ، پیار، محبت کے باوجود دین کے معاملے میں چھوٹی سے چھوٹی رعایت کے بھی قائل نہیں تھے۔ جیسے سیدھے ہاتھ سے دو، لو۔ چھینک کا جواب۔ جوتی اتارتے وقت اگر غلطی سے سیدھے پیر سے پہلے اتار لی یا پہنتے وقت اگر غلطی سے الٹے پیر میں پہلے پہن لی یا الٹے ہاتھ سے کسی کو کچھ دے دیا تو دس دفعہ وہ کام صحیح کرواتے تھے۔ جیسے چپل دس دفعہ اترواتے، پہنواتے تھے۔

ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہوتے ہی چاند دیکھتے ہی زور زور سے تکبیریں پڑھتے تھے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زور زور سے پڑھنے سے دوسروں کو بھی پڑھنا یاد آ جائے۔

اردو، انگریزی ملا جلا کر بولنے سے بہت چڑتے تھے۔ یا تو پوری اردو بولو یا پوری انگریزی۔ جیسے پلیٹ کو رکابی، پیالی، طشتری، ٹرے کو کشتی۔ اس پر مجھ کو بڑا دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ جب چک لالہ میں تھے تو حافظ اسماعیل ذبیح صاحب (خطیب جامع مسجد اہلحدیث، راجا بازار، راولپنڈی) کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد جب دسترخوان سے برتن اٹھانے کا وقت آیا تو آپ نے میرے بڑے بھائی (ادریس) سے کہا کہ جاؤ کشتی لے کر آؤ۔ جب وہ ٹرے لے کر گئے تو حافظ اسماعیل صاحب نے کہا "میں تو حیران ہو گیا تھا کہ کشتی کیوں منگوائی جا رہی ہے۔ اس کا کیا ہوگا؟"۔ بہر حال وہ بہت خوش ہو کر گئے۔ شیر خرما تو ہمارے ہاں کا ان کو اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے پیٹ بھرنے کے بعد بھی کئی دفعہ لے کر کھایا اور پھر فرمائش پر اپنے گھر بھی لے کر گئے۔ (انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ شیر خرما کھایا تھا۔ اس وقت تک پنجاب میں شیر خرما معروف نہ تھا)۔ بعد میں ہمارے برتن میں واپسی پر پڈنگ بھر کر بھیجی۔

غرض کہاں تک میں آپ کی خوبیاں اور تعریفیں بیان کروں۔ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ کہیں کردار میں کوئی جھول، کوئی کمزوری نظر نہیں آتی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

رَبِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صغيرا

ضمیمہ۲

شیخ الاسلام سید مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
امیر جماعت المسلمین
کی شخصیت

از

ڈاکٹر محمد نعیم الدین مرزا

بسم اللہ الرحمان الرحیم

شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت المسلمین کی شخصیت کی تعریف وتوصیف اوران کے تمام اوصاف حمیدہ واعلیٰ کردار کو ذہن وفکر کے احاطے میں لاکر قلمبند کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ مجھے آپ کی رفاقت کی سعادت ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ سے رہی ہے جب ان کا عالمِ شباب تھا۔ متانت، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ساتھ بذلہ سنجی بھی تھی۔ آپ کی شخصیت ہمیشہ سے پر سکون رہی ہے۔ مزاج میں عجلت، بے صبری اور اضطرابی کیفیت کبھی نہیں دیکھی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ کے چہرے، بشرے سے پریشانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اس کو زبان پر لانا تو بڑی بات ہے۔

عام طور پر کسی دینی شخصیت کی عظمت و بزرگی کو اس کی عبادت گزاری کے حوالے اور نسبت سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ کتنی نفلی نمازیں پڑھتا ہے۔ ماتھے پر سجدے کا نشان کتنا بڑا ہے۔ دن رات میں کتنے قرآن مجید ختم کرتا ہے۔ اور سال بھر میں کتنے روزے رکھتا ہے۔ ہم مسعود صاحبؒ کو ان کی اللہ کی بندگی و عبادت کے حوالے سے زیادہ نہیں جانتے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی بندگی اور عبادت کو کبھی نمایاں کیا ہی نہیں۔ سوائے پنج وقتہ صلوٰۃ باجماعت کے جو اللہ کی بندگی کا مرقع ہوتی تھی۔ سکون و اطمینان، خشوع و خضوع اور ہر رکن کی ادائیگی کا طریقہ اس قدر حسین ہوتا تھا کہ بس دیکھے جایئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ کے لئے اس قدر حسن و خوبصورتی کے ساتھ اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ واقعی یہ معلوم ہو کہ کوئی شہنشاہوں کے شہنشاہِ اعظم کے سامنے باوقار اور بڑے آدابِ شاہی کے ساتھ، انتہائی قربت میں، عاجزی اور انکساری کی حالت میں کھڑا ہوا اس سے ہم کلام

ہونے کی سعادت حاصل کررہا ہے اوراس کیفیت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ اور سب کچھ بھول جائے اور یہ تصور کرے کہ جو کچھ بھی وہ زبان وقلب سے ادا کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سن رہے ہیں۔

آپ نے کبھی اپنے آپ کو ایک بڑے عابد وزاہد کے طور پر پیش نہیں کیا کہ لوگ آپ کو ولی اللہ سمجھیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کا اللہ کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ کیا راز ونیاز تھے۔ اور کیا نسبت تھی۔ ہم ان کو اللہ کی بندگی اوران کی عباداتی کیفیات کی نسبت سے نہیں پہچانتے۔ ہم نے تو ان کو عشقِ رسول ؐ سے پہچانا۔ ان کو اسوۂ حسنہ کا شیدائی دیکھا۔ ان کو سنتِ رسول ؐ کی پیروی کا ایک ایسا باعمل مرقع دیکھا کہ ان کی زندگی کے کسی پہلو میں خلافِ سنت کا تو سوال ہی کیا، سنت کے ساتھ تن آسانی، عدم توجہی تو کیا۔ بے توجہی کا شائبہ تک ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا۔ آپ کی وضع قطع، آپ کا لباس، چال ڈھال، نشست وبرخاست، آپ طرز واندازِ گفتگو، آپ کا کھانا پینا، آپ کی مہمان نوازی، مہمان کی آؤ بھگت کرنا، آپ کی ہر حرکت وسکنت سنتِ رسول ؐ واسوۂ حسنہ کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ بہت سی دیندار، عابد وزاہد شخصیات کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہوا مگر آپ کی شخصیت میں ایک ایسی انفرادیت تھی جو خود بخود ظاہر ہوتی تھی۔ آپ کی گفتگو، مخاطبت دینی ودنیوی ہر دو معاملات کا ایک حسین امتزاج ہوتی تھی۔ دنیوی زندگی کا ہر پہلو ہر بات اور ہر عمل آخرت سے وابستہ ہوتا تھا۔ آپ کے پاس گھنٹوں بیٹھے رہو اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ اندازِ بیان ایسا تھا جیسے پھول جھڑ رہے ہوں اوران سے بے پناہ مہک نکل کر دل وجان، روح ونفس کو تر وتازہ کر رہی ہو۔ آپ کے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ آپ کی صحبت میں یاد اللہ سے غفلت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ زندگی کی ہر بات کو آخرت کے پہلو سے دیکھتے اور بیان فرماتے۔

حقوق العباد کو اللہ کی بندگی کا ایک حصہ سمجھتے تھے اوران کی حسن واخلاق کے ساتھ ادائیگی کی بے حد تلقین فرماتے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہوں کو تو بخش دے گا مگر حقوق العباد کی کوتاہیوں کا اس کی مغفرت سے تعلق نہیں۔ فرماتے تھے کہ حقوق العباد کا تعلق صرف مسلمین کے درمیان ہی نہیں بلکہ ہر انسان، آدم کی اولاد کے علاوہ اللہ کی ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔

ان تمام باتوں سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جس شخص کی نسبت اللہ کے محبوب سے اس قدر ہو کہ وہ اس کا اپنا محبوب بن جائے تو پھر اس کی اللہ کے ساتھ بندگی اور عبادت کی کیا حالت ہوگی۔ اس کا اندازہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس کو یہ دونوں عظیم نعمتیں ودیعت کی گئی ہوں۔

پھوپا صاحب سے ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ سے رفاقت کی سعادت حاصل رہی ہے۔آپ کی شادی قرولی اسٹیٹ، راجپوتانہ میں خان بہادر نصیر الدین خان جو ریاست کے جیل خانہ جات کے جیلر تھے ان کی صاحبزادی سے ہوئی۔جیلر کے عہدے کا راست تعلق راجا سے تھا اس نسبت سے سمجھ لیجئے کہ ریاست میں آپ کی کیا عزت، عظمت اور حیثیت ہو سکتی ہے۔نصیر الدین خان اپنی ذات میں نہایت متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، خاموش طبع، کم گو اور بہت ہی نرم دل شخصیت کے مالک تھے اور ہر دلعزیز تھے۔قیدیوں میں ہر دلعزیزی کی یہ حالت تھی کہ قیدی انہیں مثل باپ کے سمجھتے تھے۔جیل میں ایک بہت ہی خطرناک ڈاکو قید تھا۔جب بھی باہر سے کوئی بڑا شخص آتا اس ڈاکو کو دیکھنے ضرور جاتا۔ایک دن سپاہی کی غلطی سے ڈاکو کے ہاتھ تلوار لگ گئی۔اس نے میان سے نکال کر ہنگامہ شروع کر دیا۔تمام قیدیوں کو بیرک میں بند کر دیا۔سپاہی سب باہر آ گئے۔دادا ابا کو معلوم ہوا۔فوراً آئے مگر ڈاکو اس وقت آپے سے باہر تھا۔راجا کا بھائی جو بہت بہادر اور تلوار چلانے کا ماہر تھا آیا اور دادا ابا سے کہا کہ میں ابھی اس سے تلوار چھینتا ہوں۔دادا ابا نے بہت سمجھایا کہ وہ اس وقت بہت طیش میں ہے۔اس کے پاس مت جاؤ مگر وہ راجپوت کہاں ماننے والا تھا چونکہ یہ بزدلی تھی۔اس نے ڈاکو سے تلوار چھیننے کی کوشش کی۔ڈاکو نے اس کے سر پر تلوار ماری۔سر پھٹ گیا۔ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔دادا ابا اس کے پاس گئے۔اس کو سمجھایا۔اس نے کہا آپ میرے باپ ہیں۔آپ میرے سامنے نہ آئیں۔دادا ابا نے کہا اگر تو مجھے باپ سمجھتا ہے تو تلوار میرے ہاتھ میں دے دے۔وہ کچھ ہچکچایا مگر پھر تلوار دادا ابا کو دے دی۔دادا ابا قیدیوں کے ساتھ بڑی رحم دلی اور محبت سے پیش آتے۔قیدی بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

پھوپا صاحبؒ شادی سے پہلے مُرینہ (ریاست گوالیار) میں ہیڈ ماسٹر تھے اور سائنس ٹیچر بھی۔آپؒ اس وقت اہلحدیث ہو چکے تھے۔(نوٹ: صحیح یہ ہے کہ والد صاحب اہل حدیث نہیں بلکہ مسلم ہوئے تھے۔ اہلحدیث آپ بعد میں ہوئے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے یہاں غالباً اختصار سے کام لیتے ہوئے ایسا لکھ دیا ہے۔سلیمان)۔مُرینہ میں سوائے آپؒ کے اور کوئی اہلحدیث نہیں تھا۔اُس زمانے میں اہلحدیث ہونا جان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا کیونکہ اہل حدیث کو گستاخانِ رسول مشہور کر دیا گیا تھا کہ رسول کو بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں۔جہاں کوئی ہم خیال اور معاون نہ ہو وہاں قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔لیکن پھوپا صاحبؒ کا ایمان بہت قوی تھا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔

پوری بستی میں تنہا اہلحدیث ہونے کے باوجود آپؒ کو کوئی خوف نہیں تھا۔اس زمانے میں بریلویت عام تھی۔دیوبندیت کا نمایاں کردار نہ تھا۔

عوام الناس کی **اہلحدیث سے نفرت** : والدصاحب مرحوم (یعنی علیم الدین خان صاحب) ایک واقعہ سناتے تھے کہ ۲۶۔۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے صلوٰۃ الفجر میں زور سے آمین کہی اور رفع الیدین کیا۔سلام پھیرتے ہی لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔بیچارہ جوتیاں تک چھوڑ کر بھاگ گیا۔وہ قریب کی سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں بھی نہیں گیا۔نہ معلوم کہاں غائب ہوگیا۔بعد میں مسجد کو دھویا گیا۔اس سے اندازہ کرلیجئے کہ اس زمانے مین اہلحدیث سے کس قدر نفرت کی جاتی تھی۔

ایک واقعہ: جیسا پہلے بیان کیا گیا پھوپا صاحبؒ ہندوستان میں گوالیار اسٹیٹ میں ہیڈ ماسٹر تھے۔اہلحدیث کی تبلیغ بڑے زور شور سے کرتے تھے۔جس کے باعث دیوبندی بڑے جزبز ہوتے تھے۔پھوپا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بریلویوں میں تبلیغ کرنا آسان ہے کیونکہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلوِ محبت کے باعث حدیث کا احترام بہ نسبت دیوبندیوں کے بہت زیادہ ہوتا ہے۔مگر دیوبندی حضرات کو اسلام اور رسول سے زیادہ اپنے مسلک و مذہب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ لگاؤ ہوتا ہے۔اور کسی بھی مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت برداشت نہیں کرتے۔

مرینہ (گوالیار اسٹیٹ کا ایک صوبہ) میں ایک بہت متشدد دیوبندی پھوپا کے پاس بہت آتے تھے اور بڑی بحث کرتے تھے۔انتہائی جارحانہ انداز میں باوجود پھوپا کی نرم مزاجی کے وہ پھوپا کی دشمنی پر اتر آئے تھے۔وہ ایک دن پھوپا کے پاس آئے۔کسی مسئلے پر بحث ہوئی۔پھوپا صاحب اگر تنقید کرتے تھے تو اس میں کبھی ہتک کا پہلو نہیں ہوتا تھا۔سی قسم کا طعن نہیں ہوتا تھا۔وہ ہر امام کو اپنا امام کہتے تھے کہ سب راہِ حق پر تھے۔اور کسی نے بھی اپنی زندگی میں اپنے فرقے کی بنیاد نہیں ڈالی۔سب ائمۂ دین فرقہ بندی سے بیزار تھے۔فرقہ بندی کو ان کے بعد کے لوگوں نے جاری کیا۔۔فرقہ بندی سے ائمہ کا کوئی تعلق نہیں۔دورانِ گفتگو امام ابوحنیفہؒ کا نام نامی بڑے احترام وادب سے لیتے تھے۔معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کسی امام سے کد نہیں ہے بلکہ محبت ہے۔لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ پھوپا صاحب اپنے کو ائمۂ دین سے بھی بڑا عالم سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ہر فقہ میں حدیث کے خلاف فتوے ہیں۔پھوپا صاحب ہر ایسے فتوے کے مقابلے مین حدیث پیش کردیتے تھے۔لوگ غصے میں کہہ دیتے تھے کہ آپ ائمہ سے بھی

زیادہ حدیث کا علم رکھتے ہیں؟۔ آپ کو یہ حدیث معلوم ہے امام صاحب کو معلوم نہیں تھی؟۔ اس میں حقیقت یہ ہے کہ اِس دور میں تمام کتبِ حدیث ہر عالم کی دسترس میں ہیں۔ پہلے زمانے میں ایسا نہ تھا۔ لہٰذا اکثر فتوے حدیث کے خلاف ہو جایا کرتے تھے۔ کسی بھی امام نے جان بوجھ کر حدیث کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ دورانِ بحث اسی قسم کی بات ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ کو اگر یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ فوراً اپنا سر تسلیم خم کر دیتے۔ ہم کبھی یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ اس قدر بڑا امام، عالمِ دین، مجتہد جنہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ اور رسول کی محبت میں گزار دی وہ کبھی حدیث کے خلاف فتویٰ دیں۔ یہ حدیث انہیں پہنچ جاتی تو وہ یقیناً اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ تم بھی اسی امام کے ماننے والے ہو۔ نہ معلوم کیوں تم رسولؐ کی بات کو تسلیم نہیں کر رہے ہو۔ اگر تمہارے دل میں واقعی رسولؐ سے محبت ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہیں آج رسولؐ کی حدیث وسنت کو قبول کرنے اور عمل کرنے کی سعادت اللہ کی طرف سے مل رہی ہے۔ قبول کرو اور رسولؐ کے دامنِ شفاعت میں آ جاؤ۔ پھوپا صاحبؒ نے اس سے بہت ہی پرخلوص اور احسن طریقے سے بات کی کہ اس کے دل کو لگ گئی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر ایک بڑا چاقو نکال کر سامنے ڈال دیا۔ کہ آج مجھے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے بچا لیا۔ میں تو آپ کو قتل کرنے کے مصمم ارادے سے آیا تھا مگر آپ کے خلوص، محبت اور دلائل نے مجھ پر بڑا اثر کیا کیونکہ جو بات بھی آپ کہتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہوتی ہے اور مجھے محسوس ہوا کہ آپ کے دل میں واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبت ہے۔ اور یہ بات غلط ہے کہ آپ لوگ رسول کو بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں۔ وہ آپ کے گلے سے لپٹ گیا۔ بہت نادم ہوا اور اہلحدیث ہو گیا۔

پھوپا صاحب مُرینہ (گوالیار ریاست) میں ہیڈ ماسٹر تھے اور سائنس ٹیچر بھی۔ آپ نے بی۔ ایس۔ سی Mathematics یعنی ریاضی میں فرسٹ کلاس فرسٹ آگرہ یونیورسٹی سے کیا تھا۔ اُس دور میں ایک مسلمان کیلئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کیونکہ مسلمانوں کو عام طور پر حساب اور سائنس میں بہت کمزور سمجھا جاتا تھا۔

پھوپا صاحب گرمیوں کی تعطیلات میں قرولی آیا کرتے تھے۔ اور اپنے ساتھ صحاح ستہ لاتے تھے۔ آپ شادی سے پہلے ہی اہلحدیث ہو گئے تھے لیکن اس بات کا لوگوں کو زیادہ علم نہ تھا۔ جب آپؒ نے قرولی میں مساجد میں رفع الیدین کے ساتھ صلوٰۃ ادا کی تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ خان صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی اہلحدیث سے کیسے کر دی۔ وہاں اہلحدیث سے بڑی نفرت کی جاتی تھی۔ چونکہ

آپ جیلر صاحب کے داماد تھے کسی کو چوں کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔لوگوں نے دادا ابا سے شکایت کی۔دادا ابا کو علم ہو چکا تھا۔بات چیت ہوئی تھی۔پھوپا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اہلحدیث کو نہیں جانتا۔میں تو صلوٰۃ سنت کے مطابق پڑھتا ہوں۔ آپؒ نے صحیح بخاری کھول کر دکھلا دی۔

ہمارا خاندان عالموں کا خاندان تھا۔نصیرالدین خان خود بھی اچھے حنفی عالم دین تھے۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید کتب حدیث مطالعے میں نہ تھیں۔ہمارے بزرگوں کے پاس بہت سی دینی کتب تھیں۔خاص طور پر فقہ وغیرہ کی۔ہدایہ تھی، فتاوی عالمگیری، کنز الدقائق وغیرہ مگر ہمیں کسی کے دارالمطالعہ میں ایک بھی حدیث کی کتاب نہیں ملی۔لیکن سب لوگ یہ جانتے تھے کہ صحیح بخاری، قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔لہٰذا بخاری ومسلم میں صلوٰۃ میں آمین بالجہر ورفع الیدین کے متعلق لکھا ہوا تھا اس کو جھٹلانا ممکن نہ تھا۔

ہمارا خاندان بریلوی عقائد کا تھا۔اور بریلویت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ میلاد میں محلے میں کہیں بھی سلام پڑھا جاتا تھا تو محلے میں باقاعدہ آواز دی جاتی تھی کہ سلام پڑھا جارہا ہے لہٰذا گھر کا ہر شخص کچھ دیر کے لئے کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔۔دیوبندیت کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔پھر وہاں کے چندلڑ کے مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تو دیوبندیت کا بہت چرچا ہوا۔بریلویوں سے تصادم ہوتا رہتا تھا۔مناظرے بھی ہوتے تھے۔اسی اثناء میں ایک دیوبندی عالم اکبرعلی صاحب قرولی آئے۔وہ زبردست خطیب اور مناظر تھے۔وہ بریلوی علماء پر حاوی ہو گئے اور کثیر تعداد میں لوگ دیوبندی ہو گئے۔اکبرعلی صاحب کی میرے والد صاحب بہت عزت کرتے تھے۔والد صاحب ہمیشہ سے دینی علماء کی عزت و قدر کرتے تھے۔ادب وآداب کا بہت خیال رکھتے تھے۔علماء کی خدمت کرنا، ان کی ضروریات کو پوری کرنا باعث ثواب سمجھتے تھے۔بہرحال اکبرعلی صاحب سے ہمارا خاندان بہت متاثر ہوا۔اکبرعلی صاحب کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔(ہمارا خاندان علامہ عبدالحی لکھنوی سے بیعت تھا مگر بریلویت غالب آ گئی تھی)۔قرولی میں ایک بہت بڑا مدرسہ اکبرعلی صاحب کی سرکردگی میں قائم ہو گیا تھا۔اس طرح اکبرعلی صاحب کو ایک بڑا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا اور وہ اپنے سامنے کسی کی چلنے نہیں دیتے تھے۔پھوپا صاحب کو بھی انہوں نے اپنے علم کے زعم میں زیادہ اہمیت نہیں دی۔مگر جب دادا ابا نے بہت سے مسائل میں اکبرعلی صاحب کو بلا کر پھوپا صاحب سے گفتگو کروائی تو اکبرعلی صاحب کے علم کی ہوا نکل گئی۔چونکہ وہ مناظر تھے، خطیب اور مقرر تھے اسی انداز سے پھوپا صاحب سے بحث ومباحثہ کرتے

تھے۔مگر اندازہ یہ ہوا کہ اکبر علی صاحب نے بھی بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ بریلوی علماء کو اپنی فقہ کے بل بوتے پر زیر کر لیتے تھے مگر پھوپا صاحب کے سامنے ان کی ایک نہ چلتی تھی۔ان کی لمبی تقریر و بحث ہوتی تھی اور پھوپا صاحب ان کا جواب مختصر، جامع اور حدیث کے حوالے سے دیتے تھے کہ اکبر علی صاحب کو بغلیں جھانکتے بن پڑتا تھا۔کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس میں اکبر علی صاحب کو کبھی کامیابی ہوئی ہو۔

پہلے دن تو مولوی اکبر علی چند آدمیوں کے ساتھ دادا ابا کے گھر آئے۔اس زمانے میں جیلر کا گھر جیل سے ملحق تھا۔شام کے وقت جیل کی چھت پر فرش بچھایا گیا اور بات چیت شروع ہوئی۔مولوی اکبر علی کی کچھ نہ چلی۔انہوں نے کہا کہ کل آپ مدرسہ آئیے وہاں میں آپ سے بات کروں گا۔دوسرے دن پھوپا صاحب، میں اور میرے والد صاحب مدرسہ پہنچے۔پھر وہ واقعہ پیش آیا جو سلیمان صاحب نے بیان کیا ہے۔اکبر علی صاحب پہلے تو صحیح بخاری میں رفع الیدین کی حدیث دیکھ کر حیران رہ گئے۔ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ رفع الیدین کی حدیث صحیح بخاری میں ہے۔پھر ان کی نظر کتاب کے حاشئے پر پڑ گئی جس میں لکھا تھا کہ رفع الیدین پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔حاشئے کی عبارت پڑھ کر اکبر علی صاحب ایک دم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے دیکھو صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رفع الیدین منسوخ ہے پھوپا صاحبؒ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ آپ بخاری شریف نہیں پڑھ رہے۔یہ تو حاشیہ ہے۔یہ صحیح بخاری کی عبارت نہیں ہے۔اس پر مولوی صاحب نے کتاب کو بند کیا اور لوگوں کو اس کا سرورق دکھا کر کہا کہ دیکھئے یہ صحیح بخاری ہے لیکن یہ صاحب کہتے ہیں یہ صحیح بخاری نہیں ہے۔پھر انہوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ انہیں لے جائیے اور ان کو بادام کھلائیے۔

ہمارے والد صاحب (یعنی علیم الدین خان صاحبؒ) تو سمجھ گئے کہ حاشیہ بخاری کا متن نہیں ہے اور حاشیہ میں جو عبارت تھی اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا۔ پھر والد صاحب نے بھی پھوپا صاحبؒ کی بات کو صحیح سمجھا اور مخالفت چھوڑ دی۔ مگر لوگ پھر بھی بہت مخالف تھے۔مگر کر کچھ نہیں سکتے تھے۔چونکہ پھوپا صاحب جیلر صاحب کے داماد تھے۔اور دادا ابا کا وہاں سرکاری طور پر بڑا اعزاز تھا۔وہ راست طور پر راجا کے تحت تھے۔

پھوپا صاحبؒ جس مسجد میں بھی جمعہ کی نماز پڑھتے نماز کے بعد لوگ آپؒ کے گرد جمع ہو جاتے۔خوب بحث مباحثہ ہوتا۔غرض کہ اس طرح لوگ اہلحدیث سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔اہل حدیث سے نفرت ختم ہو گئی اور بہت سے لوگ

اہلحدیث ہو گئے۔اور پھوپا صاحبؒ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔حاضرین
پھوپا صاحبؒ کے انداز جواب سے جو پرخلوص اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا بہت متاثر
ہوتے تھے۔پھوپا صاحبؒ کبھی جارحانہ انداز نہیں اپناتے تھے حالانکہ ان کے
ساتھ بحث ومباحثہ میں نازیبا الفاظ بھی کہے جاتے تھے۔مگر آپؒ اپنے اعلیٰ اخلاق
کا مظاہرہ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کرتے تھے۔ہمارا پورا خاندان
بھی بہت متاثر ہوا مگر باقاعدہ علانیہ کوئی اہلحدیث نہیں ہوا۔یہ سعادت مجھ احقر کو
اور میرے چچازاد بھائی معین الدین خان مرحوم (جن کا انتقال کراچی میں ہوا
اور جنہوں نے تاحیات پھوپا صاحب کا ساتھ دیا) کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔میں
ہر بحث مباحثہ میں پھوپا صاحبؒ کے ساتھ ہوتا تھا اور پھوپا صاحب کی تائید کرتا
تھا۔ جب سے ہی پھوپا صاحبؒ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور آخر میں آپؒ
نے مجھے ''محبت کا جبلِ عظیم'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

خاندان میں بھی پھوپا صاحبؒ کی بڑی مخالفت تھی۔روشن ماموں (یعنی
والد صاحب کے سگے بڑے بھائی سید محمود احمد۔سلیمان) تو بے حد مخالف تھے اور
بڑا عرصہ مخالف رہے۔(لیکن آخر میں وہ بھی ہم خیال ہو گئے تھے۔سلیمان)۔
پھوپا صاحب کے کراچی آنے کے بعد پھوپا صاحب کی والدہ صاحبہ اور بہنیں بھی
اہلحدیث ہو گئی تھیں۔رفتہ رفتہ خاندان میں مخالفت بالکل ختم ہو گئی تھی۔

حیدرآباد دکن میں پھوپا صاحب کی کوئی خاص تبلیغی سرگرمیاں نہیں تھیں۔
(آپؒ حیدرآباد میں رہے ہی کتنا عرصہ۔تقریباً ایک سال۔اور یہ حسنِ اتفاق تھا کہ
ان دنوں ڈاکٹر نعیم الدین صاحب بھی اپنی تعلیم کے سلسلے میں حیدرآباد میں تھے۔
سلیمان)۔وہاں بادشاہی حکومت تھی۔۔وہاں بادشاہ کو نظام کہتے تھے۔میر عثمان
علی خان بادشاہ تھے۔کہنے کو تو وہ سنی تھے مگر ان پر اہل تشیع کا بہت غلبہ تھا۔محرم
باقاعدہ مناتے تھے۔حیدرآباد میں برائے نام لوگ اہلِ حدیث تھے۔ان کی کوئی
مسجد نہیں تھی۔حیدرآباد شہر میں ایک مقام تھا گولکنڈہ۔وہاں بہت بڑی جامع مسجد
تھی۔ہم وہیں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے۔رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے
۔لوگ دیکھتے تھے مگر کچھ نہیں کہتے تھے۔ایک جمعہ کے خطبے میں خطیب صاحب نے
لاؤڈ اسپیکر پر اذان اور نماز کی بڑی مخالفت کی۔کہ لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے آواز
مصنوعی ہو جاتی ہے۔وہ مشینی آواز ہوتی ہے۔اس پر اذان، نماز، تلاوت جائز
نہیں۔ایک صاحب جو کچھ موڈرن قسم کے تھے کھڑے ہوئے۔کہنے لگے امام
صاحب یہ جو آپ چشمہ لگائے ہوئے ہیں اس سے آپ کی نگاہ بھی مصنوعی ہو
جاتی ہے۔آپ مصنوعی نگاہ سے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔چشمے سے تلاوت کرنا

جائز نہیں، اسے اتار دیجئے۔امام صاحب نے کچھ بھی جواب نہیں دیا مگر لوگ بہت متاثر ہوئے۔

کراچی آنے پر ہم نے پہلی غالباً بقرعید کی نماز سنیوں کے پیچھے پڑھی۔ اس وقت اہلحدیث کے متعلق معلومات نہ تھی کہ ان کی بھی نماز کہیں ہوتی ہے۔ سنیوں کی نماز صرف ایک جگہ پولوگراؤنڈ میں ہوئی تھی۔زبردست اجتماع تھا۔بغیر لاؤڈ اسپیکر کے نماز پڑھائی گئی۔مکبّر کھڑے ہوتے تھے۔ہم آخر میں تھے۔نماز ختم ہو چکی تھی مگر مکبّر کی آواز آتے آتے اتنا وقفہ رہا کہ ابھی ہم التحیات ہی پڑھ رہے تھے اور امام صاحب سلام پھیر چکے تھے۔

پھر معلوم ہوا کہ اہلحدیث کی عید کی نماز بلوچ پارک میں ہوتی ہے۔شیخ الحدیث علامہ یونس صاحب نماز پڑھاتے تھے۔پھر ہم وہیں نماز پڑھتے تھے۔بغیر لاؤڈ اسپیکر کے نماز پڑھائی جاتی تھی۔امام صاحب کے لئے کوئی شامیانہ ہوتا تھا نہ عورتوں کے لئے۔عورتیں کچھ فاصلے پر بیٹھتی تھیں۔یونس صاحب خطبہ دینے کے بعد عورتوں کے پاس جاتے اور نصیحت کرتے۔یہی سنت کے مطابق عمل تھا۔

پھوپا صاحب نے بھی دو مرتبہ فیڈرل بی ایریا (عزیز آباد۔علی آباد کے درمیان میدان) میں عید کی نماز پڑھائی (یہ بہت بعد کی بات ہے۔غالباً ۱۹۶۵ کی)۔نماز بغیر لاؤڈ اسپیکر کے پڑھائی گئی تھی۔عورتوں کے لئے شامیانہ نہیں تھا۔نماز کا انتظام نواب محی الدین (تلاشِ حق والے) نے کیا تھا۔وہ وہیں رہتے تھے۔بڑے کٹّر اہلحدیث ہوگئے تھے۔شدومد سے تبلیغ کرتے تھے۔ان کی بیوی اور بیٹا بھی اہلحدیث ہوگئے تھے۔۱۷/اگست ۱۹۸۵ کو نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔

پھوپا صاحبؒ ۱۹۴۹ (اصل تاریخ ۲۱/دسمبر ۱۹۴۸) میں پاکستان آئے۔اس وقت کراچی میں اہلحدیث کی دو جماعتیں تھیں۔جمعیت اہلحدیث اور جماعت غرباء اہلحدیث۔ پھوپا صاحب جمعیت اہلحدیث کی مجلس عاملہ کے رکن ہوگئے تھے لیکن آپ کا دونوں جماعتوں سے میل جول تھا۔جمعہ کی نماز آپ اکثر برنس روڈ کی محمدی مسجد میں امام غرباء اہلحدیث حافظ عبدالستار صاحب کے پیچھے پڑھتے تھے کیونکہ وہ مسجد آپ کے دفتر سے قریب تھی۔کبھی آپ دوسری مساجد میں بھی نماز پڑھتے تھے۔سفید مسجد سولجر بازار میں علامہ یونس صاحب نماز پڑھاتے تھے۔ایک مسجد بندر روڈ (ڈینسو ہال) پر تھی اندر گلی میں۔اس میں جمعہ اہل حدیث امام عبدالجبار صاحب پڑھاتے تھے اور پنجوقتہ نماز دیوبندی امام

پڑھاتے تھے۔ایک چھوٹی سی مسجد نیپیر روڈ پر تھی جس میں غرباء اہلحدیث کے عبدالجلیل صاحب جمعہ پڑھاتے تھے۔(شہید ملت روڈ کی ایک منارہ مسجد، رنچھوڑ لائن کی رحمانیہ مسجد اور کورٹ روڈ کی مسجد اس وقت تک نہیں بنی تھیں)۔

پھوپا صاحب بعد میں جمعیت اہلحدیث کے صدر بھی ہو گئے تھے۔لیکن اس جماعت میں زبانی جمع خرچ زیادہ تھا۔عملی کوتاہیں بہت تھیں۔ پھوپا صاحب نے بہت اصلاح کی کوشش کی مگر بے سود۔کسی غلطی کی نشاندہی پر ان کا جواب ہوتا تھا کہ یہ ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں۔جو کچھ بزرگوں نے کیا وہی صحیح ہے۔ جمعیت کے لوگ بھی پھوپا صاحب کی تنقید سے تنگ آ گئے تھے لہٰذا پھوپا صاحب نے جمعیت اہلحدیث کی صدارت چھوڑ دی۔البتہ رحمانیہ مسجد میں آپ ہر اتوار کو صحیح بخاری کا درس دیتے رہے جس کو بہت پسند کیا جاتا تھا اور اس میں حاضرین کی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی۔

مولوی سیف الدین حیدر آبادی جماعت غرباء اہلحدیث کے زبردست مبلغ تھے۔وہ پھوپا صاحبؒ کے پاس بہت آتے تھے۔بیعت پر بہت زور دیتے تھے مگر پھوپا صاحبؒ نے امام غرباء اہلحدیث کی بیعت نہیں کی نہ ہی ان کی جماعت میں شامل ہوئے۔سیف الدین حیدر آباد دکن کے تھے۔بڑے متشدد تھے۔ان کے بیوی بچے اہلحدیث نہیں ہوئے۔انہوں نے سب کو چھوڑ دیا تھا۔جماعت غرباء اہل حدیث کی محمدی مسجد، برنس روڈ ہی میں رہتے تھے۔ان کا کام لوگوں کو جماعت غرباء اہلحدیث میں لانا تھا۔

جماعت المسلمین اہلحدیث:

پھوپا صاحب اہلحدیث کی اصلاح سے مایوس ہو چکے تھے۔آپ اکثر تقاریر میں، درسِ حدیث میں فرماتے تھے کہ احادیث میں ''جماعت المسلمین'' کا ذکر تو ملتا ہے لیکن نہ تو ''اہلسنت والجماعت'' کا کہیں ذکر ہے اور نہ ''اہلحدیث'' کا۔اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمین کا اجتماعی نام جماعت المسلمین ہونا چاہئے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسلِمِينَ مِن قَبلُ وَ فِي هٰذا کا بہت ذکر کرتے تھے کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے۔اہلحدیث نہیں رکھا۔یہ اللہ کا رکھا ہوا نام ہے اور ہم کو یہی نام اپنانا چاہئے۔رفتہ رفتہ اس بات پر بہت زور دینے لگے۔آخر کار میرے مکان ۳/۲۱۲ مارٹن روڈ پر ہم چند لوگ جمع ہوئے اور پھوپا صاحب کی سرکردگی میں ''جماعت المسلمین اہلحدیث'' کا قیام عمل میں آ گیا۔اہلحدیث حضرات نے عام طور پر اور علماء اہلحدیث نے خاص طور پر اس کو پسند نہیں کیا لیکن تعلقات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔سوائے اس کے کہ اس جماعت کے ساتھ کسی

بھی قسم کا مالی تعاون نہیں کیا گیا۔مگر چونکہ جماعت کے نام میں لفظ اہلحدیث موجود تھا اس لئے زیادہ مخالفت نہیں کی گئی۔اب ''جماعت المسلمین اہلحدیث'' کے نام سے اجتماعات ہونے لگے۔کورٹ روڈ کی مسجد میں درس ہوتا تھا۔لیاقت آباد کی مسجد میں بھی درس ہونے لگا۔امیر صاحب کا خطبہ بھی ہونے لگا۔فیڈرل بی ایریا ۸ نمبر میں ایک اہلحدیث کی مسجد تھی اس میں جمعہ کا خطبہ میرے سپرد ہوا۔اور اب اندرون سندھ میں جماعت کو متعارف کرانے کے لئے دورے شروع کئے گئے۔ حیدرآباد، لاڑکانہ، سکھر، نصیر آباد وغیرہ میں جلسے ہوتے رہے۔شیخ الحدیث پیر محبّ اللہ شاہ راشدی (پیر جھنڈا) کا زبردست تعاون حاصل رہا۔جس سے پورے سندھ میں جماعت نے بڑی ترقی کی۔سندھ میں ایک اہلحدیث مسجد کے امام جماعت المسلمین اہلحدیث میں شامل ہوگئے۔وہ سندھی زبان میں جماعت کی تبلیغ کرتے تھے۔

جماعت کے اخراجات بڑھتے جارہے تھے۔اہلحدیث حضرات نے مالی تعاون سے گریز کیا۔اور یہ سمجھتے رہے کہ مالی زبوں حالی کی وجہ سے یہ جماعت ترقی نہ کر سکے گی مگر اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ جماعت جو خالص اسلام، دین منزل من اللہ پیش کر رہی ہے میدان عمل میں آئے۔اللہ تعالیٰ نے میرے چھوٹے بھائی نسیم الدین نے جو پھوپا صاحب سے بے حد محبت کرتے تھے اپنی بساط کے مطابق اعانت کی اور اللہ نے ان کو ایسی توفیق اور سعادت دی کہ ضرورت کے وقت پھوپا صاحب کے مطالبہ پر لاکھوں روپیہ دیئے۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پھوپا صاحب کی رفاقت کا شرف عطا کیا تھا۔مارٹن روڈ پر پھوپا صاحب کے بہت ہی قریب میرا قیام تھا۔رات دن فرصت کے جو بھی اوقات ہوتے پھوپا صاحب کی معیت، رفاقت اور جماعت کے کام میں گزرتے تھے۔مجھے اس کا سیکرٹری رہنے کا اعزاز حاصل تھا۔

پھوپا صاحب کی یہ زبردست خواہش تھی کہ ایک ایسا اسکول قائم کیا جائے جس میں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا امتزاج بھی ہو۔جماعت اہلحدیث کے مخیّر حضرات نے تعاون کا یقین دلایا۔''مسلمین پرائمری اسکول'' کے نام سے ایک منارہ مسجد کے متصل عمارت میں اسکول نے کام شروع کر دیا گیا۔عطاء الرحمٰن صاحب جو اس عمارت کے مالک تھے ان کا تعاون حاصل رہا۔ میجر عبدالرحیم قریشی صاحب، فضلِ ربی صاحب نے بھی تعاون کیا۔پھوپا صاحب نے پرائمری دینی تعلیمی نصاب ترتیب دیا۔کتب چھپوائی گئیں۔یہ نصاب حکومت سندھ کے تعلیمی نصاب کے ساتھ ساتھ پڑھایا جانے لگا۔اس کی اجازت

تعلیمی بورڈ سے بڑی مشکل سے ملی۔اسکول کے متعلق پوری ذمہ داری مجھے سونپی
گئی۔الحمدللہ دفتر، اسکول اور کلینک تینوں بہت کامیابی کے ساتھ چلتے رہے۔اس
کو سیکنڈری اسکول بنانے کی کارروائی چل رہی تھی کہ بھٹو صاحب کی حکومت نے
سب اسکولوں کو nationalise کرلیا جس کے نتیجے میں اس اسکول پر
حکومت کا قبضہ ہوگیا۔یہ اسکول تقریباً ۴ سال تک چلتا رہا۔پھوپا صاحب کا عزم
یہ تھا کہ اس کو میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور پھر ڈگری کالج تک لے جایا جائے۔

اس کے بعد پھوپا صاحب نے ''جماعت المسلمین اہلحدیث'' میں سے
لفظ اہلحدیث حذف کردیا۔اب جماعت کا نام صرف ''جماعت المسلمین'' رہ
گیا۔اہلحدیث حضرات نے بڑی مخالفت کی۔مخالفت میں مہم چلائی گئی۔بڑی
مشکلات پیش آئیں۔مساجد اہلحدیث میں جماعت کے پروگرام، جلسے، درس
وغیرہ ختم کردئے گئے۔جماعت کے پاس کوئی مسجد نہیں تھی۔فیڈرل بی ایریا میں
جناب مقصود صاحب کے بنگلے میں صلوٰۃ الجمعہ کا انتظام کیا گیا (نوٹ۔یہاں
ڈاکٹر صاحب سے کچھ بھول ہوگئی ہے۔مقصود صاحب کے بنگلے سے پہلے جناب
اکرام الدین صاحب کے گھر میں صلوٰۃ الجمعہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ان کا گھر بندر
روڈ پر ریڈیو پاکستان کے سامنے اندر ایک گلی میں تھا۔جماعت کی تیز رفتار ترقی کے
سامنے یہ مکان بہت جلد چھوٹا پڑ گیا تو پھر صلوٰۃ الجمعہ کو مقصود حسین صاحب کے
بنگلے پر منتقل کیا گیا۔سلیمان)۔جماعت کے پروگرام اور جلسے اسی بنگلے میں ہونے
لگے۔جناب مقصود صاحب کا ہر طرح سے تعاون حاصل رہا۔انہوں نے جماعت
کی بڑی اعانت اور خدمت کی، اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس کا اجر دے گا۔پھر اللہ تعالیٰ
نے ایسی مدد کی کہ کوثر نیازی کالونی میں ایک چھوٹی سی غیر آباد مسجد تھی اوڈ قوم کی۔
انہوں نے وہ مسجد جماعت کو دے دی۔یہ مسجد اس وقت چٹائیوں کی بنی ہوئی
تھی۔اہلحدیثوں نے بڑی مخالفت کی مگر اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کی ایک نہ چلی۔
رفتہ رفتہ مسجد پکی ہوتی رہی، اس میں توسیع ہوتی رہی اور جماعت میں آدمیوں کی
تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

پھوپا صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ایک بستی ''مسلم'' نام کی آباد کی
جائے۔اس سلسلے میں بڑی جدوجہد کی گئی۔سندھ میں بہت سی زمینیں دیکھی گئیں۔
ایک زمین کو ٹھٹھہ کے قریب پسند کرلیا گیا۔اور یہ طے ہوا کہ پہلے وہاں جماعت
کے کاشتکار کھیتی شروع کریں گے بعد میں آبادی ہوگی۔یہ بڑا مشکل تھا کہ جماعت
کے کاشتکار اپنی آباد زمینوں کو چھوڑ کر اس بنجر زمین کو کس طرح آباد کریں۔(نصیر
آباد کے) سرور بیگ صاحب نے پیشکش کی کہ ٹھٹھہ کی زمین چھوڑ کر نصیر آباد میں

کاشت کریں۔اس مسلم شہر یابستی کے آباد کرنے کا صرف ایک میں مخالف تھا۔ چونکہ یہ لوگوں نے جذباتی طور پر فیصلہ کیا تھا۔تمام مسائل کو پیش نظر نہیں رکھا تھا۔ آخرکار نتیجہ یہی نکلا کہ یہ کام نہ ہوسکا اور پورا منصوبہ دھرا کا دھرارہ گیا۔

اسی اثنا میں ملیر گیلان آباد میں وہاں کے مقامی لوگوں سے زمین خرید کر مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی جوالحمدللہ مرکز کی شکل اختیار کرگئی۔وہاں اچھی خاصی آبادی ہوگئی اور پھر پھوپا صاحب وہیں منتقل ہوگئے۔وہاں منتقل ہونے کے بعد جماعت کے پرانے اعتدال پسند حضرات سے رابطہ کم ہوگیا۔نئے متشدد لوگ امیر صاحب کے گرد جمع ہوگئے۔

پھوپا صاحب مزاجاً نرم دل تھے۔بہت سے مشوروں کو قبول کر لیتے تھے۔مگر آپ کے ملیر منتقل ہونے کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔میری معیت اور رفاقت ختم ہوگئی۔پھوپا صاحب نے میری خدمات کو سراہتے ہوئے مجھے محبت کا ''جبلِ عظیم'' کے خطاب سے نوازا۔جب میں ملیر جاتا تو میرے لئے ہر طرح کا انتظام خود فرماتے۔تمام جلسوں میں چاہے مرکزی ہوں یا صوبائی مجھے ہمیشہ اپنے ہمراہ ہی رکھتے۔میں آپ کی اس محبت کا کیا صلہ دے سکتا ہوں سوائے اس کے کہ ان کے لئے اللہ سے دست بدعا رہتا ہوں کہ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ان کی خطاؤں کو بخش دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آمین

اب بھی آپ کی یاد دل میں بسی ہوئی ہے۔ایسی شخصیت صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی۔انہوں نے جس طرح دین منزل من اللہ کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کردیا تھا اس کی مثال اس دور میں ملنا مشکل ہے۔

ضمیمہ ۳

(یہ مضمون بھی ڈاکٹر نعیم الدین صاحب کا تحریر کردہ ہے)

امیر صاحب کا وضو: احادیث میں کامل وضو کا بیان آتا ہے۔ کامل وضو کیا ہوتا ہے؟۔ اگر کوئی امیر صاحب کو وضو کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے معلوم ہوتا کہ کامل وضو کیا ہے۔ آپ کا وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل وضو کا مکمل نمونہ ہوتا تھا۔

آپ پانی کا اسراف بالکل نہیں کرتے تھے۔ زیادہ تر آپ لوٹے سے ہی وضو کرتے تھے۔ آپ وضو کا لوٹا بالکل الگ رکھتے تھے۔ آپ کا لوٹا اوپر ہی سے ڈھکا ہوا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی ٹونٹی میں بھی لکڑی لگی ہوتی تھی۔ اگر کبھی نل کی ٹونٹی سے وضو کرنا پڑتا تب بھی اسراف بالکل نہیں ہوتا تھا۔ مناسب پتلی دھار ہوتی تھی۔

ہر صلوۃ کے لئے تازہ وضو کرتے۔ وضو ہمیشہ بیٹھ کر ہی کرتے۔ وضو سے پہلے ہمیشہ مسواک کرتے تھے۔ وضو کے علاوہ بھی اکثر مسواک کرتے تھے۔

آپ بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ وضو کرتے تھے۔ ایک ایک سنت پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ کوئی سنت چھٹتی نہیں تھی۔ ہاتھوں کو پہنچوں تک تین مرتبہ اچھی طرح مل کر دھوتے تھے اور اچھی طرح انگلیوں میں خلال کرتے تھے۔

کلی اور ناک میں پانی کے لئے ایک ہی چلو لیتے تھے چونکہ یہی سنت ہے۔ چہرے کو تین مرتبہ دھوتے تھے۔ آنکھوں کے کویوں کو شاید ہی کوئی ملتا ہو۔ یہ بھی وضو کی سنت کا حصہ ہے۔ ڈاڑھی میں تین مرتبہ خلال کرتے تھے۔ سر کا مسح بڑی خوبصورتی اور کامل طریقے سے کرتے تھے۔ پیشانی سے گدّی تک اور پھر گدی سے پیشانی تک ہاتھ واپس لاتے۔ انگلی کو کانوں کے اندر اچھی طرح پھراتے اور باہر کی طرف انگوٹھوں سے ملتے۔ پیر دھونے کے لئے پہلے الٹا پیر جوتی سے نکال کر جوتی پر رکھتے پھر سیدھا پیر نکالتے اور اس کو دھوتے۔ ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پیر کی انگلیوں میں سیدھی طرف سے خلال کرتے۔ یعنی سیدھے پیر میں چھوٹی انگلی کے درمیان سے اور الٹے پیر میں انگوٹھے کے درمیان سے۔ اس بات کا خیال شاید ہی کوئی کرتا ہو۔ جماعت کے تربیتی پروگراموں میں کامل وضو کا طریقہ سکھایا کرتے۔ وضو کے دوران اللّٰھُمَّ اغفِر لَی ذَنبِی و وَسّع لِی فِی دَارِی وَبارِك لَی فی رِزقی پڑھتے تھے اور وضو کے بعد وضو کی دعا پڑھتے۔

امیر صاحب کی ادائیگی صلوٰۃ:

آپ کی صلوٰۃ سنتِ نبوی کا مرقع تھی۔ آپ ہمیشہ کامل لباس میں صلوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ آپؒ نے ننگے سر نماز کبھی نہیں پڑھی۔ آپ کی صلوۃ انتہائی حسین ہوتی تھی۔

آپ جانماز انتہائی سلیقے سے بچھاتے کہ اس میں ایک بھی سلوٹ نہ ہو۔ جانماز بالکل سادہ، صاف ستھری جس میں ذرہ برابر بھی نقش و نگار نہ ہوتے۔ آجکل جانمازوں کو بہت خوبصورت نقش و نگار یا مساجد وغیرہ کی تصاویر سے مزیّن کیا جاتا ہے۔ آپ ایسی جانماز کو استعمال کرنے سے منع فرماتے تھے۔ بغیر نقش و نگار کی جانمازیں دستیاب ہی نہیں تھیں۔ لہٰذا آپ جانمازیں خود بنواتے تھے اور لوگوں کو بھی اکثر یہ جانمازیں تحفے میں دیتے تھے۔ مساجد کے لئے صفیں باقاعدہ بنواتے تھے جن میں نقش و نگار تو کیا کسی قسم کا نشان تک نہ ہوتا تھا۔ جانمازیں لمبی ہوتی تھیں تا کہ سجدہ پوری وسعت کے ساتھ مسنون طریقے سے کیا جا سکے۔

صلوٰۃ میں خشوع و خضوع تو خیر دل کی کیفیت پر مبنی ہے مگر جس انداز سے آپؒ صلوٰۃ میں انتہائی ادب کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے جیسے کوئی واقعی شہنشاہوں کے شہنشاہ کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ کھڑا ہو۔ سینکڑوں نمازیوں کے درمیان اگر آپ صلوٰۃ ادا کر رہے ہوتے تو فوراً پہچان لئے جاتے۔ آپؒ کی صلوٰۃ بالکل منفرد ہوتی تھی۔ کوئی سنت ایسی نہ تھی جس کی ادائیگی میں ذرا سا بھی تساہل ہو۔

صلوٰۃ ہمیشہ اول وقت پڑھتے تھے۔ تاخیر کا تو سوال ہی نہیں۔ صلوٰۃ العشاء اگر گھر پر پڑھتے تو بہت دیر سے پڑھتے اور نماز کی ادائیگی کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہوتے۔ بس سو جاتے۔

رفع الیدین بڑی خوبصورتی اور سکون و اطمینان سے کرتے۔ صلوٰۃ میں اس قدر ساکت ہوتے جیسے کوئی ستون۔ نماز کی حرکات کے علاوہ ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوتی تھی۔

یومِ جمعہ اور صلوٰۃ الجمعہ:

''جمعہ عید المومنین ہے''۔ یہ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں مگر شاید ہی کسی نے اس کو عملی طور پر عید المومنین سمجھا ہو۔ آپؒ کی واحد شخصیت ایسی تھی جو یوم جمعہ کو حقیقتاً عید المومنین سمجھتی تھی۔ صبح ہی سے جمعہ کی صلوٰۃ کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔ بالوں میں مہندی لگانا، مونچھیں پست کرنا، ناخن تراشنا، غسل کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

آپؒ کا لباس نہایت صاف ستھرا، نفاست والا ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے ٹوپی علیحدہ ہوتی تھی۔ کبھی بغیر شیروانی جمعہ کی نماز کے لئے نہیں گئے۔ سرمہ اور عطر لازمی تھے۔ سر کے بالوں میں تیل ڈالتے۔ ہمیشہ سیدھی مانگ نکالتے۔

جوتوں پر آپؒ خود پالش کرتے۔ آپ کے موزے بھی ہمیشہ صاف ستھرے ہوتے۔ غرض کہ آپؒ کا لباس ہر طرح کامل واکمل ہوتا تھا۔

مسجد میں جب داخل ہوتے تو پہلے جوتے پائیدان پر رگڑ کر صاف کرتے پھر دونوں جوتوں کے تلووں کو آپس میں رگڑتے مبادا مسجد میں ذرا سی بھی مٹی چلی جائے۔ مسجد کا احترام کس قدر احترام تھا۔ ہم نے کبھی آپؒ کو سیدھے ہاتھ میں جوتا پکڑے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت سنت لازمی پڑھتے۔ اس سنت کو آپ نے باقاعدہ جاری فرمایا۔ آپ کو کبھی مسجد میں دیر سے پہنچتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دیر سے آنے والوں کو آپ جلدی آنے کی ترغیب کے ساتھ تنبیہ بھی فرماتے۔

اذان سنت کے مطابق مسجد کے دروازے پر دلواتے۔ اس سنت پر کسی مسجد میں عمل نہیں ہے۔ آپؒ کا خطبہ عین سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ خطبے میں سورۂ قاف کی تلاوت کی سنت آپؒ ہی نے جاری فرمائی۔ دونوں خطبے تقریباً برابر ہوتے۔ حمد وثنا دونوں خطبوں میں پڑھتے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا وقت انتہائی مناسب ہوتا تھا۔

صف بندی کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ ہر صف کی صف بندی کے لئے آدمی مقرر تھے جو صفیں سیدھی کراتے تھے۔ اگلی دو صفوں کو تو آپؒ خود سیدھی کراتے اور کبھی کبھار دوسری صفوں کو بھی خود بنفسِ نفیس ان کے درمیان پھر کے دیکھتے تھے۔ کندھوں اور ٹخنوں دونوں کو ملواتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صفوں کو بالکل سیدھا بنواتے جو نہایت حسین ہوتیں۔ اس سنت کو بھی آپؒ نے باقاعدہ جاری فرمایا۔ جماعت کے پروگراموں میں صلوٰۃ ادا کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی۔ جو نئے لوگ صلوٰۃ پڑھنے آتے تھے کہتے تھے کہ ایسی خوب صورت صف بندی کسی دوسری مسجد میں نہیں ہوتی۔ ہماری جماعت کا کوئی بھی فرد کسی بھی مسجد میں صلوٰۃ پڑھتا ہوگا تو وہ منفرد نظر آئے گا۔

نیت باندھنے اور قرأت شروع کرنے کے درمیان اتنا وقفہ ہوتا کہ مقتدی سورۂ فاتحہ اطمینان وسکون سے پڑھ لیں۔ قرأت ختم کرنے کے بعد بھی وقفہ کرتے تھے۔

اجتماعات:

جماعت کے مرکزی وصوبائی تعلیمی وتربیتی اجتماعات کا اہتمام بڑے ذوق وشوق سے فرماتے تھے۔ ہر اجتماع میں شرکت فرماتے۔ دور دراز سفر کرتے ہوئے کبھی تساہل نہ کرتے۔ اجتماعات اور جلسوں میں بڑے مستعد رہتے۔ مسلسل سفر اور مسلسل اجتماعات میں کبھی تھکن کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ جوان لوگ تھک جاتے لیکن آپؒ اسی سال کی عمر ہونے کے باوجود مستعد رہتے۔ ریل میں سب لوگوں کے ساتھ تھرڈ کلاس میں ہی سفر کرتے۔ اجتماع گاہ میں بھی سب لوگوں کے ساتھ ہی ٹھہرنا پسند فرماتے۔

جلسہ گاہ میں تمام انتظامات کا خود معائنہ فرماتے اور جائزہ لیتے۔ دور دراز سے مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شرکت کے لئے آتے۔ آپ ہر ایک کی ہر تکلیف، ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ ناشتہ اور کھانے میں دیر نہیں ہونے دیتے۔ اور خود کھڑے ہو کر کھانا کھلواتے۔ خود بالکل آخر میں منتظمین کے ہمراہ کھانا کھاتے۔ غیر جماعتی حضرات کو بھی ناشتہ اور کھانے میں شریک فرماتے۔ شام کی چائے کا سب کے لئے انتظام فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی سکت اور قوت عطا فرمائی تھی۔ عمر کا تقاضا دیکھئے اور پھر صبح صلوٰۃ الفجر سے لے کر بعد عشاء تک جب تک جلسہ ختم ہوتا وہیں رہتے اور کبھی کمر بھی سیدھی نہیں کرتے۔ جوان لوگ تھک جاتے مگر آپؒ بڑی مستعدی سے بیٹھے رہتے۔ لوگ اطراف میں ہوتے۔ سوالات واعتراضات کرتے۔ آپؒ ان کو تسلی بخش جوابات سے مطمئن فرما دیتے۔

آپ کا طعام:

آپ کا طعام بہت سادہ ہوتا تھا۔ اجتماعات میں جو کھانا سب کے لئے ہوتا تھا آپؒ بھی وہی کھاتے تھے۔ مٹھاس کے شوقین تھے۔ زردہ جو خوب میٹھا ہو پسند فرماتے۔ شیر خرما جو بہت میٹھا ہو شوق سے کھاتے۔ اسی لئے غالباً آپؒ کی ہر بات میں مٹھاس مٹھاس ہوتی تھی۔

کھانا ہمیشہ تین انگلیوں سے کھاتے۔ نوالہ بہت چھوٹا ہوتا تھا۔ آپ کے چار نوالے اور لوگوں کا ایک نوالہ برابر ہوتے تھے۔ کھانا بہت اطمینان سے تناول فرماتے تھے۔ آپؒ نے کبھی کھڑے ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ دستر خوان پر جو چیز سامنے ہوتی اسی سے کھانا شروع کر دیتے۔ یہ نہیں کہ دور رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیں۔ کھانے میں اس قدر اعتدال تھا کہ کبھی ڈکار کی آواز نہیں سنی۔ فرماتے تھے کہ

سنت یہ ہے کہ پیٹ کے ایک حصے میں کھانا، ایک میں پانی اور ایک حصہ ہوا کے لئے ہو۔ کھانے کے بعد آپؒ اپنی انگلیوں کو چاٹتے تھے۔ آپ کی رکابی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس قدر صاف ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا اس میں کھانا کھایا ہی نہیں گیا۔

وقت کی پابندی:

وقت کی پابندی آپؒ کا امتیازی کردار تھا۔ اوقاتِ صلوٰۃ کی پابندی تو فرائض میں سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر معاملے میں اپنے عہد کی اور وقت کی بے حد پابندی فرماتے۔ جس سے جس وقت کا وعدہ کر لیا کبھی خطا نہیں کی۔ شادی ہال میں دیئے ہوئے وقت پر پہنچتے۔ بعض اوقات آپؒ وہاں تن تنہا ہوتے۔ میز بانوں میں سے بھی کوئی نہ پہنچا ہوتا۔ کراچی میں تو شادی کی دعوتوں میں اکثر رات کے بارہ ایک بجے کھانا ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں آپؒ بغیر کھائے واپس آ جاتے۔

مہمان نوازی:

آپؒ کی مہمان نوازی بے مثال تھی۔ آپؒ کی رہائش ۱۲۰ مربع گز رقبے کے مکان میں تھی جس میں کل تین چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک کمرے میں آپؒ کا دار المطالعہ تھا۔ اسی میں بیٹھ کر آپؒ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے اور یہی کمرہ مہمانوں کے قیام کا تھا۔ آپؒ امیر تھے اس لحاظ سے صوبائی جماعتوں کے لوگ آپؒ کے پاس آتے اور یہیں قیام کرتے۔ بعض اوقات ایک وقت میں تین تین افراد بھی ہوتے۔ آپ ان کی خدمت خود بنفسِ نفیس کرتے۔ اگر اولاد چاہتی کہ ان مہمانوں کا کام کر دے تو نہیں کرنے دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہمان نوازی خود کیا کرتے تھے۔ آپؒ پر مہمان نوازی کبھی گراں نہیں گزرتی تھی۔

تقویٰ و پرہیز گاری:

آپ کلاس ون کے سرکاری افسر تھے۔ اور ایسی جگہ تھے جہاں لوگ رشوت نہیں بھی لیتے تو ان کو نذرانے کے طور پر ہی بہت کچھ مل جاتا تھا۔ مگر آپؒ کا کسی سے ایک چائے کی پیالی پینا بھی حرام تھا۔ ایک مرتبہ ایک صنعت کار کا امپورٹ لائسنس کا کوئی کام تھا جو کسی دوسرے افسر کے پاس تھا۔ وہ چھٹی پر تھا۔ لہٰذا اس کا فائل آپؒ کے پاس آ گیا اور آپ نے از خود اس کا کام کر دیا جس پر اس کو بڑی حیرت ہوئی جبکہ پہلے والا افسر اس کام کے لئے بڑی رشوت طلب کر رہا تھا۔ وہ صنعتکار آپؒ کے گھر پر بطور نذرانہ بہت سی چیزیں لے کر گیا اور کہا کہ آپ کی بغیر طلب، بغیر خواہش کے میں یہ ہدیہ لے کر آیا ہوں۔ یہ چیزیں بچوں کے کام

ہی آ جائیں گی۔ آپؒ نے بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا اگر میں گھر بیٹھا ہوتا (یعنی سرکاری ملازم نہ ہوتا) تو کیا آپ مجھے یہ ہدیہ دیتے؟۔ میں نے آپ کا کام کر کے آپ پر احسان نہیں کیا۔ قانون کی پاسداری کی۔ آپ کا حق آپ کو دیا۔ غرض آپؒ نے ایک چیز بھی اس سے نہ لی۔ سب کچھ واپس کر دیا۔

دفتر کا ایک اور واقعہ: ایک فائل جس میں distillery (شراب کشید کرنے کے کارخانے) کی اجازت دینی تھی غلطی سے آپ کو بھیج دی گئی۔ چونکہ آپؒ کی دینداری اور شریعت پسندی دفتر میں سب کو معلوم تھی اس لئے وہ فائل آپ کے پاس نہیں آنی چاہئے تھی۔ بہرحال آپ نے اس پر سخت اختلافی نوٹ لکھ کر اس کی اجازت نہیں دی۔ اور درخواست کنندہ کو اس سلسلے میں letter (خط) بھی جاری کر دیا۔ وہ شخص اس سلسلے میں بہت کچھ خرچ کر چکا تھا۔ وہ اس خط کو لے کر بڑے افسر کے پاس گیا۔ اس نے آپؒ کو بلایا اور کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا۔ اس سلسلے میں تو اوپر سے حکم تھا کہ اس کو اجازت دینی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ کیا آپ کو مجھ سے یہ توقع تھی کہ میں یہ خلاف شریعت کام کروں گا؟ میرے پاس یہ کیس آیا ہی کیوں تھا؟۔ میں تو اپنے قلم سے اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔

آپؒ کا عہدہ ایسا تھا کہ وہاں دولت از خود آتی تھی مگر آپؒ نے کبھی ایک پائی لی نہ ہدیتاً قبول کی۔ اس لحاظ سے آپ سمجھ لیجئے کہ آپؒ صرف اپنی تنخواہ میں گزر اوقات کے ساتھ بڑی فراخ دلی سے مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔ اور بڑی بات یہ تھی کہ مہمان کے آنے سے خوش ہوتے تھے۔ مہمان نوازی کبھی بار نہیں گزرتی۔ یہ ضرور فرماتے کہ میرے معمولات میں فرق پڑتا ہے۔ اور میرا لکھنا لکھانا بہت متاثر ہوتا ہے۔ اس میں بڑا حرج ہوتا ہے۔ ملیر کا مرکز بن جانے کے بعد بھی مہمان حضرات آپ کے ہاں قیام کرنا، آپ کی معیت اور رفاقت میں رہنا پسند کرتے۔ حالانکہ ملیر کے مرکز میں مہمانوں کے لئے ہر طرح کا انتظام فراہم تھا۔ اس سلسلے میں آپؒ سے عرض کیا گیا کہ صوبائی ناظموں کو لکھ دیا جائے کہ کراچی آنے والوں سے کہا جائے کہ وہ ملیر میں ٹھہرا کریں مگر آپ نے پسند نہیں فرمایا کہ لوگ اس قدر محبت سے آتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں۔ جب آپؒ نارتھ ناظم آباد منتقل ہو گئے تھے وہاں سے کوثر نیازی کالونی کی مسجد المسلمین بہت قریب تھی۔ اس وقت سونے اور قیام کے سلسلے میں وہیں انتظام ہو جاتا تھا مگر پھر بھی مہمان حضرات جس قدر مدت اور وقت کے لئے ہوتا آپؒ ہی کی معیت ورفاقت میں رہنے کے لئے بے چین رہتے۔ اور بڑا وقت امیر صاحب کے پاس ہی گزارتے۔ آخر دنوں میں طعام کا انتظام بھی مسجد کوثر نیازی کالونی میں کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی مہمان حضرات

ایک دووقت کا کھانا آپ کے ہاں بھی کھاتے تھے۔

ملیر میں اپنے کام کرنے کے کمرے میں صبح سے بیٹھتے تھے تو شام تک بیٹھے کام کرتے رہتے تھے۔کبھی تھکن کی شکایت نہیں کی۔دینی کام میں یہ لگن کس کو ہوسکتی ہے۔دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد بہت تھوڑی دیر کے لئے البتہ قیلولہ کرتے تھے۔

روزمرہ جولوگ ملنے آتے تھے ان کے ساتھ آپؒ بڑی خندہ پیشانی،خوش دلی سے ملتے۔دن میں ایسے متعدد حضرات آتے۔آپؒ ہر ایک کی خاطر داری فرماتے پھر ہر ایک کو رخصت کرنے کے لئے صرف دروازے تک نہیں بلکہ بعض اوقات یا اکثر اوقات بس کے اڈے تک جو قریب ہی تھا چھوڑنے جاتے۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک مہمان کو رخصت کرکے گھر پہنچے ہیں تو دوسرا مہمان موجود ہے۔جماعت غرباء اہلحدیث کے ایک متشدد مبلغ سیف الدین جو مزاجاً ہمیشہ بالسیف ہی رہتے تھے آپؒ کے پاس بہت ہی زیادہ آتے تھے اور آپؒ سے مختلف مسائل پر بحث کرتے اور جماعت غرباء اہلحدیث کے امام سے بیعت کرنے پر اصرار کرتے مگر آپؒ کو نہ تو ان کی اس طرح بار بار جلدی جلدی آمد ناگوار ہوتی نہ بیعت کے مسئلے پر بحث۔آپؒ انہیں ہر مرتبہ دل سے خوش آمدید کہتے۔پھوپا صاحب سے وہ بھی بہت محبت کرتے تھے۔ان کی برا جمانی بعض اوقات طویل بھی ہو جاتی مگر آپؒ نے کبھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔

آپؒ کی شریکِ حیات:

آپؒ کی شریکِ حیات (میمونہ بیگم) کی شخصیت کو بیان نہ کیا جائے تو آپؒ کے معمولاتِ زندگی تشنہ رہ جائیں گے۔آپؒ کی شریکِ حیات حقیقتاً ہر لحاظ سے آپ کی ذات سے بے حد وابستہ تھیں۔آپؒ جناب نصیر الدین خان جیلر کی صاحبزادی تھیں۔آپؒ کی والدہ ماجدہ (مبارک بیگم) سر سید احمد خان کے خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔آپؒ کے والدین مزاج کے لحاظ سے انتہائی رحم دل، شفیق،خاندان میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنے والے تھے۔دینداری اور شریعت کی پابندی دونوں میں اچھی طرح رچی بسی تھی۔مبارک بیگمؒ کا خاندان میں بڑا وقار تھا۔اس وقت وہ خاندان کی بزرگ خواتین میں سے تھیں۔ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔میمونہ بیگم کی تربیت ان دونوں کی مرہونِ منت تھی۔

ہماری پھوپو صاحبہؒ باوقار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد نرم مزاج،کم گو،

خاموش طبع اور بے حد ملنسار تھیں۔ ہر دل عزیز تھیں۔ پورے خاندان میں وہ اور
میری والدہ مرحومہ اللہ میاں کی گائے مشہور تھیں۔ ہم نے پھوپوصاحبہؒ کی زبان سے
کبھی کسی کی کوئی شکایت نہیں سنی۔ ان کی ہر دلعزیزی کے علاوہ پھوپا صاحب کی
دینی و علمی شخصیت کے باعث ان کا ایک مقام تھا۔ لوگ عزت کے ساتھ ان سے
محبت بھی بہت کرتے تھے۔ مہمان نوازی اور آؤ بھگت میں کبھی کوتاہی نہیں دیکھی۔
زندگی کے آخری حصے میں طویل علالت کے باعث انتہائی کمزور ہوگئی تھیں اس کے
باوجود ہر آنے والے کی خاطر مدارات کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ بچے بھی بہت
ملنسار، خوش دل، مہمانوں کی آمد سے خوش ہونے والے تھے۔ کبھی کسی ناخوشگواری
یا بار کا کوئی احساس تک محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ جماعتی مہمانوں کی آمد، ان کی
خدمت اور پھر خاندان اور دیگر حضرات کی آمد و رفت کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔
مالی اعتبار سے یہ کتنا بڑا بوجھ تھا مگر کبھی ناشکری کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکلا۔
ان کی باتیں سننے میں۔ حالانکہ کم گو تھیں۔ بڑا دل لگتا تھا۔ طبعی طور پر جو
حسن و جمال تھا وہ اپنی جگہ کہ ایسی شخصیت کی طرف لوگ کھنچتے ہیں مگر آپؒ کے
مزاج، خوش دلی، نرمی، محبت و خلوص کا حسن و جمال بہت کم شخصیتوں میں دیکھنے
میں آیا۔

آپؒ کو صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے بہت دیکھا۔ آپؒ کی ادائیگی صلوٰۃ کے
آگے امیر صاحب کی صلوٰۃ جو بے حد حسین و جمیل ہوتی تھی، آپؒ کی صلوٰۃ اس سے
بھی اعلیٰ و ارفع ہوتی تھی۔ نیت باندھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بس غرق
ہو چکیں۔ اس قدر استغراق کی کیفیت ہوتی تھی کہ ان کے پاس کچھ بھی ہوا کرے،
کتنا ہی شور و غوغا ہو کچھ بھی ہوا نہیں کچھ خبر نہیں ہوتی تھی۔ چار رکعت پڑھنے میں
پندرہ منٹ سے کم درکار نہیں ہوتے تھے۔

قناعت پسندی اور صبر بے مثال تھا۔ ضرورت کی جو چیز منگوائی، جیسی بھی
لادی اسی پر شکر کے ساتھ قناعت کر لی۔ اپنی پسند کوئی خاص پسند نہ تھی۔ ضرورت کی
چیزوں کی خریداری کے لئے کبھی بازار نہیں گئیں۔ یہاں تک کہ کپڑے اور جوتے
خود امیر صاحب لاتے تھے۔ ہمارے خاندان کی کوئی عورت ہندوستان میں بازار
نہیں جاتی تھی۔ کپڑے کی ضرورت ہوتی تو بزاز (کپڑا فروخت کرنے والے) کو
کہلوا دیا جاتا کہ خان صاحب یا جیلر صاحب کے ہاں کپڑے کی ضرورت ہے۔
تھان کے تھان ٹھیلے میں آجاتے۔ بزاز خود آتا۔ جو کپڑا پسند آتا خرید لیا جاتا۔ یہی
جوتوں کے لئے تھا۔ دوکاندار کو کہلوا دیا۔ ٹھیلہ بھر کر ہر قسم کے زنانہ اور بچوں کے
جوتے گھر پر آجاتے اور خرید لئے جاتے۔ پھوپا صاحب اور پھوپو صاحبہ نے

پاکستان آکر بھی آخر وقت تک اس وضع کو برقرار رکھا۔ پھوپا صاحب اپنی بیگم کو اپنے ہمراہ کبھی کسی بھی خریداری کے لئے بازار نہیں لے گئے۔ خود کپڑا خرید کر لاتے۔ اسی طرح کاغذ پر پاؤں کا ناپ لے جاتے اور جوتیاں خرید کر لے آتے۔ بعض اوقات جوتیاں تنگ یا ڈھیلی ہوتیں تو دوکان کے کئی پھیرے کرتے مگر پھوپو کو کبھی بازار لے کر نہیں گئے۔ ایسی صابر و شاکر خاتون بھی اب کہاں۔ اب تو ان کی کہانیاں ہی باقی رہ گئی ہیں۔

پھپوصاحبہ بے حد محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ خود تکلیف اٹھاتیں مگر دوسرے کو تکلیف نہ ہونے دیتیں۔ مجھ سے اور میری بیوی سے پھوپا صاحب اور پھوپو صاحبہ بے حد محبت کرتے تھے۔ ہر عید، بقرعید پر یک صد روپیہ عیدی مجھے ملتی تھی (۱۹۶۰۔۱۹۸۰ کے دوران سو روپیہ بہت بڑی رقم ہوتی تھی۔ سونا تقریباً سو روپیہ تولہ تھا۔ سلیمان) جو پھوپا صاحب نے پھوپو صاحبہ کے انتقال کے بعد، اپنی حیات تک، پینشن ہونے کے بعد بھی جاری رکھی۔

اولاد کی بے حد محبت تھی۔ اولاد کو کبھی مارتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کا ایک بیٹا تھا سید محمد ادریس بی ای۔ بہت نیک، صالح، خدمت گزار، لائق و فائق تھا۔ وہ پاکستان مشین ٹول فیکٹری میں انجنیئر تھے۔ کبھی پتلون نہیں پہنی۔ ہمیشہ شیروانی پہنتے تھے۔ اور یہ ایک منفرد شخصیت تھی جو دفتر میں شیروانی میں ہوتی تھی۔ اور قابلیت اس قدر تھی کہ اپنے پیش رو انجنیئروں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ ترقی ہوئی جو وہاں کے ہم عہدہ والوں کو پسند نہیں آئی۔ حسد پیدا ہو گیا۔ (خیال ہے کہ کسی نے جادو کرادیا)۔ سخت بیمار ہو گئے۔ علاج معالجہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی لیکن جانبر نہ ہو سکے۔ عین شباب میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کا پھوپو صاحبہ کو بے حد غم ہوا لیکن انہوں نے بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے دل ہی دل میں برداشت کیا۔ وہ علیل ہو گئیں۔ مرض بڑھتا ہی گیا اور صحتیاب نہ ہو سکیں۔ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ معلوم ہوتا تھا ادریس میاں کو دل ہی دل میں بے حد یاد کرتی تھیں۔ بہر حال ہماری پھوپو صاحبہ اپنی اعلیٰ صفات و کردار اور اخلاق کی وجہ سے ابھی تک یاد کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

پھوپا صاحب کی دینی خدمات:

پھوپا صاحبؒ (کافی عرصے تک) اہلحدیث کو بالکل حق سمجھتے تھے اور با عمل اہلحدیث تھے۔ مسلک اہلحدیث کی تبلیغ بڑے جذبے اور ذوق وشوق سے کرتے تھے۔ کراچی آنے کے بعد ان کی تبلیغ میں بڑی شدت آ گئی تھی۔ مگر اہل حدیث کے خلاف سنت اعمال کو دیکھ کر بہت کڑھتے تھے۔ زیادہ بداعمالی، بدتہذیبی غرباء اہلحدیث میں تھی۔ عقائد کے لحاظ سے وہ ان کو بالکل صحیح سمجھتے تھے۔ اور اعمال کے لحاظ سے بدترین۔ اسی لئے جماعت غرباء اہلحدیث میں شامل نہیں ہوئے۔ البتہ جمعیت اہلحدیث میں شامل رہے۔ ان کے صدر بھی رہے۔ اہلِ حدیث حضرات کی اصلاح کی بہت کوشش کی لیکن اصلاح کی طرف مائل ہونا تو کجا وہ یہی جواب دیتے تھے کہ یہ سب ہمارے بزرگ کرتے آئے ہیں اور یہ سب صحیح ہے۔

اُس وقت کے بزرگ اہلحدیث علماء آپؒ کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے۔ آپؒ کی علمی تحقیق کو سراہتے تھے مگر کسی بات کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ اُس وقت کے تمام چوٹی کے علماء اہلحدیث سے آپؒ کے بڑے اچھے روابط تھے۔ مثلاً علامہ داؤد غزنوی۔ علامہ اسمٰعیل گوجرانوالہ، حافظ عبدالستار صاحب امیر جماعت غرباء اہلحدیث، شیخ الحدیث علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، حافظ اسمٰعیل ذبیح راولپنڈی والے، جید عالم ومناظر پیر بدیع الدین شاہ راشدی پیر جھنڈا، شیخ الحدیث پیر محبّ اللہ شاہ راشدی برادرِ کلاں پیر بدیع الدین شاہ، علامہ یوسف کلکتوی صدر جمعیت اہلحدیث کراچی، علامہ عبدالحنان علوی خطیب ایک منارہ مسجد شہید ملت روڈ، حافظ اسمٰعیل روپڑی وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس وقت کی معروف اہلحدیث شخصیتیں مثلاً حاجی فضلِ ربی صاحب، میجر عبدالرحیم قریشی صاحب پائی ریڈیو والے، عطاء الرحمٰن صاحب لمٹن واچ والے۔ یہ سب حضرات امیر صاحب کی شخصیت اور آپ کی علمیت اور تحقیق سے بہت متاثر تھے۔ اور آپؒ کی بڑی عزت اور قدر کرتے تھے۔

پھوپا صاحبؒ دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ جہانگیر روڈ پر ادریس صاحب جو پنڈت ادریس کہلاتے تھے چونکہ وہ سنسکرت کے فارغ التحصیل تھے۔ ان کے ہاں درس اتوار کی شام شروع کیا گیا۔ لوگوں کا اچھا خاصا اجتماع ہونے لگا۔ جگہ تنگ ہوئی تو مسجد رحمانیہ رنچھوڑ لائن میں درس شروع کیا۔ جہاں کثیر تعداد درس سے مستفید ہونے کے لئے آتی تھی۔ انتظامیہ نے بہت کوشش کی کہ پھوپا صاحب ٹیکسی نہیں تو رکشہ ہی کا خرچہ لے لیں مگر آپؒ نے کبھی ایک پائی نہیں لی۔

پھوپا صاحبؒ علماء کی جماعت میں ایک ایسی منفرد شخصیت تھے جس نے کبھی کسی فرد یا جماعت سے اپنے یا اپنی خدمات کے عوض ایک پائی بھی لی ہو۔ آپؒ عام طور پر کوئی بھی قبول نہیں فرماتے تھے۔ یہ اعزاز صرف مجھے حاصل تھا۔ اگر کوئی چیز تحفے میں دیتا تو اس کو اسی وقت کسی ضرورتمند کو دے دیتے۔ پھوپا صاحبؒ کی دینی خدمات اور علمی شخصیت کو دیکھتے ہوئے علماء چوکنّا ہو گئے تھے کہ یہ بازی نہ لے جائیں۔

پھوپا صاحب نے سب سے پہلا کتابچہ ''خود انصاف کیجئے بجواب خود فیصلہ کیجئے'' لکھا۔ یہ غلام احمد پرویز منکر حدیث کے احادیث پر اعتراضات کا نہایت مدلل اور مسکت جواب تھا جس کو بے حد پسند کیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں جماعت اہلحدیث کی جانب سے مفت تقسیم کیا گیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ہم چند لوگوں جن میں میرے خالہ زاد بھائی محمد علی مرحوم جو پرویزیت کے بہت خلاف تھے ہم سب کے مالی وسائل سے شائع ہوا۔ بعد ازاں اس کی مقبولیت کے بعد اس کی اشاعت میں اور لوگوں نے اعانت کی۔

ایوب خان کے دور میں دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد لے جایا گیا جس کے نتیجے میں تمام وفاقی سرکاری دفاتر عارضی طور پر راولپنڈی اور چک لالہ منتقل ہوئے۔ پھوپا صاحبؒ کا بھی تبادلہ راولپنڈی ہو گیا۔ آپؒ چک لالہ میں رہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''دو اسلام'' احادیث کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ اہلحدیث حضرات اس کا جواب نہ دے سکے۔ اہلحدیث کے مقتدر حضرات اور علماء نے پھوپا صاحب کی توجہ اس طرف دلائی۔ آخر کار پھوپا صاحبؒ نے دفتر سے دو ماہ کی چھٹی لے کر اس کا جواب بعنوان ''تفہیمِ اسلام'' لکھا جس کو علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے اہلحدیث اکیڈمی لاہور کے زیر اہتمام شائع کرایا۔ اس کتاب نے علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل کی۔ بے حد پسند کی گئی۔ اس میں اس قدر ناصحانہ اور خالص علمی انداز اختیار کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں برق صاحب نے خود اس کی بہت تعریف کی۔ اور وہ اپنے نظریہ سے تائب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور سعادت سے یہ ایسا کارنامہ سرانجام پایا کہ یہ پھوپا صاحبؒ کی خدمتِ حدیث کے سلسلے میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے مکھیاں اڑاتے دیکھا تھا۔ انہوں نے صحیح بخاری لکھ کر ضعیف اور موضوع احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرمایا۔ اب مکھیاں صحیح

بخاری پر ہی حملہ آور ہورہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سید مسعود احمد صاحبؒ کوایسی سعادت حاصل ہوئی کہ آپؒ نے احادیثِ رسولؐ پر بھنبھنانے والی مکھیوں کواڑایانہیں بلکہ ختم کردیا۔اب تا قیامت کوئی مکھی بیٹھ ہی نہیں سکتی۔اللہ تعالیٰ آپؒ کی سعیِ جمیل کوجس کے باعث احادیث کا مؤثر دفاع ہوااور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور نبوت روزِ روشن کی طرح بے داغ ہوگئی قبول فرمائے اور آپؒ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔آمین

آپؒ کی پہلی کتاب ''نماز'' تھی (یہ کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' کے علاوہ ہے۔سلیمان)۔اس کی اشاعت اپنے مالی وسائل کی توفیق سے اور کچھ انفرادی طور پر چندہ جمع کرنے کے بعد ہوئی۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔

اس کے بعد ''تلاشِ حق'' جماعت اہلحدیث کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔اس کوتمام اہلحدیث جماعتوں نے بے حد پسند کیا۔ جماعت غرباء اہلحدیث نے تو اس کو اپنی طرف سے بھی شائع کیا۔اس کتاب سے مسلک اہلحدیث کوزبردست تقویت حاصل ہوئی اور اس کے مطالعے کے بعد بہت لوگ اہلحدیث ہوگئے۔اس کتاب پر جناب ماہر القادری صاحب مدیر فاران نے سخت متعصّبانہ تبصرہ کیا جس کا جواب مسعود احمد صاحبؒ نے ایک خط کے ذریعے دیا۔اس خط کو ماہر القادری صاحب نے شائع نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کو مفتی محمد تقی صاحب استاد دارالعلوم کراچی کو برائے جواب بھیج دیا۔ جناب تقی صاحب نے ''تقلید کیا ہے'' کے عنوان سے فاران ماہ مئی ۱۹۶۵ء میں اپنی دانست میں بڑا مدلل ومسکت جواب سپردِ قلم کیا اور قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسعود صاحبؒ کے اعتراضات کا جواب جو تقی صاحب نے دیا ہے وہ عین برہان کے مطابق ہے اور اس پر اب کوئی تنقید کی گنجائش نہیں ہے۔ جناب سید مسعود احمد صاحب نے اس کے جواب میں ایک کتابچہ ''التحقیق فی جواب التقلید'' کے عنوان سے تحریر فرمایا جس میں تقی عثمانی صاحب کو علمی وعقلی دلائل سے بے بس کردیا۔اور تقی صاحب نے بالکل خاموشی اختیار کرلی۔ یہ کتاب ''تلاشِ حق'' سے بھی زیادہ مقبول ہوئی کیونکہ اس کا انداز جارحانہ کے بجائے ناصحانہ تھا۔ یہ کتاب ایک طرح کا شاہکار ثابت ہوئی۔

آپؒ نے بے شمار کتابچے اور پمفلٹ لکھے۔اگر ان کو بغور خلوص دل سے مطالعہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ آپؒ کے دل میں اسلام سے کس قدر عظیم محبت ہے۔اللہ اور رسول سے آپ کیؒ ایک ایسی نسبت محسوس ہوگی کہ آپؒ کی زندگی کا ہر لمحہ دین اسلام کے لئے مختص ہوگیا ہے۔دل میں ایک تڑپ اور لگن ہے کہ کسی طرح

صحیح اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا جائے۔ لوگ اسلام، دین منزل من اللہ سے واقف ہی نہیں۔ وہ مذاہب، مسالک اور مکاتبِ فکر کے چکروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ حقیقت میں دین منزل من اللہ کیا ہے۔ فلسفیانہ موشگافیاں بیان کرنا، باریکیاں نکالنا آپؒ کا مزاج ہی نہیں۔ اسلام کے متعلق فلسفیانہ طور پر جو باتیں کہی گئی ہیں ان کے انبار ہیں مگر اسلام کو عملی شکل میں بیان کرنا، لوگوں کو اس کی عملی ہیئت وشکل سے واقف کرانا آپؒ کا خاص مقصد ہے۔ آپؒ کی یہ دلی خواہش اور تمنا تھی کہ لوگ حقیقی معنوں میں مسلم ہوں۔ اور پھر اجتماعی طور پر جماعت المسلمین ہوں جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور اس کو خلفاء راشدین کے سپرد کیا۔ اور انہوں نے اس کو آگے بڑھایا۔ مگر پھر ایسا دور آیا کہ اسلام کی اجتماعیت ختم ہوتی چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمین کو جو خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا فرمائی تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ جہانبانی کرتے مگر وہ اپنی حرکتوں سے جہاں غلامی میں گرفتار ہو گئے۔ آپؒ کی کی یہ ایک بہت ہی عظیم خواہش اور تڑپ تھی کہ کسی بھی صورت یہ تمام فرقے، تمام مسالک، مذاہب اور مکاتبِ فکر ختم ہو جائیں۔ صرف دینِ خالص رہ جائے۔

ذکر ہو رہا تھا آپؒ کی تصانیف کا۔ بے شمار پمفلٹ اور کتابچوں کے علاوہ آپؒ نے صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین لکھی۔ تفسیر قرآن مجید کی ایسی بے مثل لکھی کہ اس میں ایک بھی ضعیف حدیث نقل نہیں فرمائی اور نہ کسی کی آراء نقل کیں۔ خالص صحیح احادیث سے پوری تفسیر عبارت ہے جو ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جس کو اللہ کی توفیق سے آپؒ نے پورا کیا۔

اگر آپؒ چاہتے تو اپنی تصانیف کے ذریعے اچھی خاصی دولت کما لیتے مگر آپؒ نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی۔ لوگوں نے کہا کہ تمام مصنفین یہاں تک کہ دینی خدمات کرنے والے کثرت سے مصنفین ایسے ہیں جو اپنی تصانیف کی رائلٹی لیتے ہیں اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ میری رائلٹی اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو رہی ہے۔ وہ رائلٹی ایسی ہے کہ دنیا جہان کی رائلٹیز (royalties) اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ آپؒ نے جماعت سے کبھی ایک پائی تک نہ لی۔ آپؒ کا تقویٰ یہ تھا کہ اگر جماعت کی گاڑی اپنے کسی ذاتی کام کے لئے استعمال فرماتے تو اس کا کرایہ ادا کرتے۔ ٹیلیفون اگر اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال فرماتے تو اس کے charges اپنی جیب سے ادا فرماتے۔ کوئی شخص اگر آپؒ کے پاس جا کر فون کرنے کو کہتا تو کبھی منع نہیں فرماتے اور اس کے

جانے کے بعد charges اپنی جیب سے ادا کر دیتے۔ایسی مثال اس دنیا میں تو اب ملنی مشکل ہے۔سنا تھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا کوئی ذاتی کام کرتے تو چراغ جو سرکاری خزانے کے پیسے سے جلتا تھا اس کو بجھا دیتے تھے۔ا ن

سنی ہوئی باتوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ایسی عظیم شخصیت،ایک اللہ کا سچا بندہ خالص شاید اب دنیا پیدا نہ کر سکے۔

ضمیمہ ۴

از

جناب محمد آصف صاحب
سابق امیر جماعت المسلمین
شاخ ہری پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب سیّد مسعود احمد صاحبؒ کی زندگی کے چند نا قابل فراموش واقعات

1۔ 1989 یا 1990 میں پورے پاکستان کی شاخوں کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تھے۔غالباً صوبہ سرحد سے دورہ شروع کیا گیا تھا۔ہر شاخ میں ایک ہفتہ رکتے اور جماعت کے افراد سے ملاقات،انکی تربیت،اصلاح اور شکایات کا ازالہ وغیرہ کرتے تھے۔ہری پور میں قیام کے دوران اردگرد کے

شاخوں کے افراد ملاقات کے لئے آتے تو ان سے بڑے محبت اور شفقت سے پیش آتے انکی مہمان نوازی کیلئے مقامی امیر کو خصوصی تاکید کرتے وغیرہ وغیرہ۔ ایک بار کسی شاخ کے افراد واپس جانے لگے تو انکو رخصت کرنے کے لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے اور امیر سفر کا ہاتھ پکڑ کر رخصتی کی دعا پڑھی جو جمع کے صیغہ میں تھی یعنی استودع اللہ دینکم واماتنکم ۔۔۔۔ میں پاس کھڑا تھا فوراً بول پڑا کہ امیر صاحب آپ نے ہمیں جو دعا تعلیم دی ہے وہ تو واحد کے صیغہ میں ہے اور آپ جمع کے صیغہ میں پڑھ رہے ہیں۔ اسپر انہوں نے چند ثانیے سر جھکا لیا اور پھر بولے آئندہ نہیں پڑھوں گا۔ جبکہ کچھ عرصہ بعد میں نے غالباً منہاج المسلمین میں ہی پڑھا کہ رسول اللہ ﷺ جب لشکر کو رخصت کرتے تو امیر کو مخاطب کرکے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ دعا جنگ پر جانے والے لشکر اور انکے امیر کے لئے پڑھنا ثابت ہے، کیونکہ اس پر مزید اختلاف ہوسکتا تھا کہ جنکے لئے آپ دعا پڑھ رہے ہیں وہ جنگ پر تو نہیں جا رہے۔ لہذا اپنی بات پر اڑنے کے بجائے فوراً کہہ دیا آئندہ نہیں پڑھوں گا۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی غلطی فوراً تسلیم کرکے اسکا ازالہ کرتے تھے۔ انکی تعلیم یہی ہے کہ غلطی کا جب بھی احساس یا نشان دہی ہوجائے فوراً اسے ترک کردیا جائے نہ کہ غلطی کا دفاع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے۔ آمین

2۔ اسی دورہ میں مالاکنڈ ایجنسی کی گنیار شاخ میں ایک دن مسجد سے جائے قیام پر جانے کے لئے روانہ ہونے لگے تو انکے جوتے جو تھوڑی دور جگہ پر رکھے ہوئے تھے میں لپک کر گیا اور جوتے اٹھالایا اور مسجد سے باہر رکھنے لگا کہ انہوں نے دیکھ لیا مجھے کہا کہ آپ نے میرے جوتے کیوں اٹھائے کیا میں پیر ہوں؟۔ میں نے کہا کہ جوتے دور رکھے تھے آپ وہاں جاتے تو آپ کو تکلیف ہوتی لہذا میں اٹھالایا سختی سے کہا جوتے جہاں رکھے تھے وہاں ہی رکھ دیں میں خود اٹھا کر لاؤں گا۔ میں نے واپس جوتے اسی جگہ لے جاکر رکھے اور انہوں نے خود اٹھا کر لائے۔

3۔ اسی دورہ میں پشاور سے واپس مرکز کی پرانی سوزوکی پک اپ گاڑی میں (جسکے پیچھے سیٹیں اوپر جنگلا اور اس پر پھٹی پرانی ترپال لگی تھی، یہ گاڑی بمشکل 60 کلومیٹر گھنٹہ سے زیادہ تیز نہیں چل سکتی تھی) ہری پور آرہے تھے کہ حسن ابدال سے نکلتے ہی ٹریفک پولیس نے روک لیا۔ میں گاڑی چلا رہا تھا، پولیس والوں کو بتایا کہ جماعت المسلمین کے مرکزی امیر ہیں میرے ساتھ جو تبلیغ کے لئے کراچی سے تشریف لائے ہیں۔ پولیس والے حیرت سے کہنے لگے کہ مرکزی امیر اور اس گاڑی میں اتنی عمر اور کراچی سے آرہے ہیں۔ یہ گاڑی کراچی سے بذریعہ ٹرک بلٹی

پشاور بھیجی گئی تھی دورے کے دوران استعمال کے لئے۔

4۔ ایک دفعہ غالباً 1991 میں مرکزی اجتماع کے لئے ہری پور تشریف لائے۔ ہم ہری پور ریلوے اسٹیشن پر انہیں لینے گئے، گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی تو ہم سب جلدی سے انکی بوگی میں پہنچ گئے، دیکھا کہ تیسرے درجے (جسے عرف عام میں تھرڈ کلاس کہا جاتا تھا) میں لکڑی کے بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ انکی عمر اور صحت کا تقاضا تھا کہ وہ ہوائی جہاز سے سفر کرتے یا اگر ریل میں ہی سب کے ساتھ سفر کرتے تو فرسٹ یا اے سی کلاس میں سفر کرتے۔ غالباً اسی اجتماع کے آخری دن اجتماع ختم ہونے کے بعد اسٹیج پر بیٹھے تھے اور جب تک دور سے آنے والے سب لوگ ان سے مل کر چلے نہ گئے وہ وہاں سے اٹھے نہیں۔ جانے والے اپنے مسائل بھی بعض دفعہ پیش کرتے، آپ توجہ سے سب کی بات سنتے اور کبھی ناگواری ظاہر نہیں کی۔ میں انکے ساتھ ہی ایک طرف بیٹھا تھا دن کے دس بج چکے تھے اور ابھی کافی لوگ ملاقات کرنے والے باقی تھے۔ میں نے شاید کسی رکن یا مقامی امیر کو کہا کہ اب ان ملاقاتیوں سے کہیں کہ زیادہ وقت نہ لیں کہ امیر صاحب مسلسل بے آرامی میں ہیں اور کل پھر کراچی واپس روانہ بھی ہونا ہے انہوں نے۔ اب انکو کچھ وقت آرام کے لئے بھی دیا جائے۔ امیر صاحب نے میری بات سن لی، ناراضگی سے بولے آپ کیوں منع کر رہے ہیں برسوں بعد تو ملاقات ہوتی ہے۔ آپ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ وقت 10 بجے دن سے اوپر ہو رہا تھا، میں نے امیر ہری پور سے ایک طرف ہو کر پوچھا کہ امیر صاحب کے ناشتے کا کیا انتظام ہے، انہوں نے بتایا کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ امیر صاحب وہی کھانا کھاتے ہیں جو سب کھاتے ہیں اور وہ کھانا تو اب ختم ہو گیا ہے۔ میں نے انکو کہا کہ کچھ اور انتظام کر دیں۔ ملاقاتیں ختم ہونے کے بعد جب ہم امیر صاحب کو لے کر ناشتہ کے دستر خوان پر پہنچے تو وہاں ناشتہ کا انتظام دیکھ کر رک گئے۔ مجھ سے سوال کیا کہ کیا سب نے یہی کھایا ہے بتا گیا کہ نہیں، پوچھا سب نے کیا کھایا، بتایا گیا کہ رات کا بچا ہوا سالن اور تازہ روٹی۔ کہنے لگے یہ کھانا جو لوگ ابھی یہاں موجود ہیں ان میں تقسیم کر دیں اور وہی کھانا لے آئیں جو سب نے کھایا ہے۔ انکو بتایا گیا کہ تازہ روٹی اب ملنی ناممکن ہے کہ تندور بند ہو گئے ہیں، جو روٹی بچی ہے وہ سالم روٹی ایک بھی نہیں روٹی کے ٹکڑے ہیں اور ٹھنڈی ہو کر سخت ہو چکی ہے، کھانا مشکل ہو گا اور گوشت کے سالن کا کچھ شوربا بچا ہے جس میں باریک باریک ہڈیاں زیادہ ہیں وہ بھی کھانا مشکل ہو گا۔ کہنے لگے وہی لے آئیں وہی کھائیں گے۔ جب وہ کھانا لایا گیا تو ہاتھ سے بڑا روٹی کا کوئی ٹکڑا نہ تھا اور سفید آٹے کی روٹی ٹھنڈی ہو جائے تو کھانی

بہت مشکل ہوتی ہے۔میں اس وقت جوان تھا وہ روٹی میں نے مشکل سے کھائی
تھی۔

5۔ ایک دفعہ مجھے کہا کہ آپ لوگ جوان ہیں جلدی سے کھانا کھا لیتے ہیں اور
ہاتھ روک لیتے ہیں تو محفل کے آداب کی پیروی میں میں بھی کھانا ختم کر دیتا ہوں
اور بھوکا رہ جاتا ہوں آپ میرے پاس بیٹھا کریں اور آہستہ آہستہ کھاتے رہا کریں
تا کہ میں بھی اپنی ضرورت کے مطابق کھانا کھالیا کروں۔اللہ اکبر۔اسے کہتے ہیں
اعلیٰ کردار اور اعلیٰ اخلاق کہ آدابِ محفل کی پاسداری بھی لازمی سمجھتے تھے۔

6۔ ایک دفعہ مرکز کھوکھرا پار کراچی مسجد میں انکے پاس بیٹھا تھا کہ دفتر کے کسی
صاحب کو کہا کہ انکو دعوات المسلمین لا دیں۔جب کتاب لا کر دی گئی تو جیب سے
پانچ روپے نکال ان صاحب کو دئے کہ دفتر میں جمع کرا دیں (اس وقت اس کتاب
کی قیمت یہی تھی) وہ صاحب بولے امیر صاحب میں یہ پیسے نہیں لیتا آپکی اپنی
لکھی ہوئی کتاب ہے آپ سے کیسے پیسے لوں، کہنے لگے یہ میری نہیں جماعت کی
ملکیت ہے، پیسے دیئے اسکے بعد کتاب لی۔

7۔ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ بوتل سے مشروب قسم کے دوا پینے کے لئے چمچ
میں نکالی، اور چمچ سے تین سانس میں پی، جبکہ ہم لوگ اکثر ایک سانس میں پی
جاتے ہیں۔

8۔ عام گفتگو میں ہماری اردو کی اصلاح بھی کیا کرتے تھے۔ایک بار کسی
صاحب نہ کہا کہ فلاں چیز گم گئی ہے۔ان سے کہا کہ! گم گئی ہے! نہیں بلکہ! کھو گئی
ہے! کہیں۔ایک دفعہ کسی سے ایک کام کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے جواباً کہا
کہ امیر صاحب مجھے پتہ نہیں۔انکی اصلاح کرتے ہوئے کہا کہ پتہ ڈاک کا ہوتا
ہے یہ کہیں کہ مجھے معلوم نہیں یا علم نہیں۔

9۔ وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ایک بار ایک اجتماع میں
اجتماع کی انتظامیہ انکو مقررہ وقت پر اجتماع میں نہ لا سکی۔مقررہ وقت کے بعد
انہوں نے تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔بہت اصرار کے باوجود وہ تقریر کرنے پر
آمادہ نہیں ہوئے۔آخر کار انہیں کہا گیا کہ آپ کو وقت پر نہ لانا انتظامیہ کی غلطی ہے
آپ ان کے خلاف کاروائی کریں لیکن جو لوگ بطورِ خاص آپ کی تقریر سننے آئے

ہیں انکا کیا قصور ہے۔اس بات پر فوراً مان گئے اور تقریر شروع کر دی۔وقت کی
پابندی کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ ہمارا دین تو ہر کام مقررہ وقت پر کرنے کی
تعلیم دیتا ہے مثلاً نماز، روزہ، حج غرضیکہ ہر کام اپنے وقت پر کرنا لازم ہے۔ایک

واقعہ سنایا کرتے تھے کہ تقسیم ہند سے پہلے کانگرس نے پارٹی کارکنان کا ایک اجلاس بلایا جس سے نہرو نے خطاب کرنا تھا۔ وقت مقررہ پر نہرو اجلاس میں پہنچ گئے اور اسٹیج انتظامیہ کو کہا کہ لاؤڈ اسپیکر کا مائیک کھول دیں جبکہ کارکنان ابھی نہیں پہنچے تھے۔ انتظامیہ نے کہا جناب ابھی کچھ انتظار کرلیں لوگوں کو آنے دیں۔ لیکن نہرو نہیں مانے کہ لوگ دئے گئے وقت پر کیوں نہیں آئے اور حکم دیا کہ مائیک کھولیں۔ اور خطاب ان الفاظ سے شروع کیا۔ اے شامیانو اے کرسیو سنو۔۔۔۔۔ یہ واقعہ بتا کر کہنے لگے کہ ایک غیر مسلم وقت کے کتنے پابند تھے اور ایک ہم ہیں کہ اس کا خیال ہی نہیں رکھتے۔

محمد آصف، ہریپور۔

25.12.18.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب سیّد مسعود احمد صاحبؒ کی زندگی کے کچھ ناقابل فراموش واقعات۔ قسط دوم

1۔ ایک دفعہ مرکزی اجتماع بمقام کراچی رات کو جب سب لوگ آرام کرنے کے لئے واپس مرکز پہنچے تو رات کو قدرے ٹھنڈک ہونے کی وجہ سے لوگ پریشان ہو رہے تھے۔ لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر سب کو سونے کی جگہ نہ مل سکی تو کچھ لوگ باہر کھلے صحن میں قناتوں کا کچھ حصہ بچھا کر اور کچھ حصہ اوپر اوڑھ کر سو گئے۔ ایبٹ آباد کے محمد خان صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ بھی باہر صحن میں ایک جگہ سکڑ کر سو گئے۔ رات کسی وقت انہوں نے اپنی ٹانگیں لمبی کیں تو انکا پاؤں زور سے کسی کے سر پر لگا تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے کہ دیکھوں کس کو چوٹ لگی ہے مجھ سے۔ افسوس اور حیرت کے ساتھ انہوں نے بتایا کہ سیّد مسعود احمد صاحبؒ انکے پاؤں کی طرف قنات اوڑھے لیٹے تھے اور محمد خان صاحب کے پاؤں کی چوٹ مسعود احمد صاحبؒ کو لگی تھی۔ اس وقت مسعود احمد صاحبؒ کی عمر لگ بھگ 70 سال لازماً تھی۔ صحت کی خرابی، کمزوری اور تھکاوٹ کے باوجود انہوں نے جب اپنے ارکان کو تکلیف میں دیکھا تو خود بھی اسی تکلیف میں انکے ساتھ انہی جیسی حالت میں قنات اوڑھ کر زمین پر سو گئے۔ چند قدم پر موجود اپنے گھر میں جا کر آرام سے نہیں

سوئے جبکہ زیادہ عمر اور صحت کی خرابی کے ساتھ ان کا حق بنتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں آرام کے ساتھ سوئیں۔

اللہ اکبر یہ تھی ان کی اپنے عمل سے تربیت۔ اجتماع میں سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ کبھی بھی علیحدہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا۔ کبھی بھی اپنے لئے خصوصی اہتمام پسند نہیں کیا، اگر کسی نے کر دیا تو اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے۔ ان کے ساتھ علمی اختلاف کرنے سے روکا نہیں جا سکتا، لیکن ان کے عالیشان کردار اور وقار پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع شاید کبھی نہیں ملے گا ان شاءاللہ۔

2۔ جب کبھی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو اپنے پاس بیٹھے کسی شخص کو نہیں کہا کہ فلاں کتاب الماری سے نکال کر لا دیں۔ خود اُٹھتے الماری سے کتاب نکال کر لاتے اپنی جگہ پر بیٹھ کر کتاب کھول کر متعلقہ جگہ سے پڑھ کر پھر اُٹھتے کتاب واپس الماری میں خود رکھتے۔ کبھی بھی انکے پاس کتابوں کا ڈھیر جمع نہیں دیکھا گیا۔ ہم میں سے اکثر لوگ الماری یا بک شیلف سے کتاب نکال کر وہیں کھڑے ہو کر متعلقہ جگہ کھول کر پڑھ کر کتاب واپس رکھ دیتے ہیں۔ لیکن مسعود احمد صاحبؒ کا ہر کام وقار کے ساتھ ہوتا تھا۔

3۔ ایک بار کھانے کے بعد سب کو کیلے پیش کئے گئے۔ سب نے کیلا چھیلا اور دائیں ہاتھ سے پکڑ کر دانتوں سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا جیسا عموماً ہوتا ہے۔ میں نے بغور دیکھا کہ مسعود احمد صاحبؒ نے کیلا کے آدھے تک چھلکے اتارے اسے بائیں ہاتھ میں پکڑا اور دائیں ہاتھ سے ٹکڑا توڑ کر کھانا شروع کیا۔

4۔ ایبٹ آباد شاخ میں ایک بار عید کی نماز کی تکبیرات کے دوران ہاتھ باندھنے یا کھولنے پر شدید اختلاف شروع ہو گیا۔ بات مسعود احمد صاحبؒ تک پہنچی، بہت ناراض ہوئے۔ کہنے لگے حدیث میں نہ باندھنے کا ذکر ہے نہ کھولنے کا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ کسی ایک عمل پر اتفاق کر لیتے اختلاف نہ کرتے۔ لیکن جو کام مضر ہے وہی کیا جاتا ہے۔ ایک غلطی کی اصلاح کے لئے دوسری بڑی غلطی کرتے ہیں آپس میں اختلاف شروع کر دیتے ہیں۔

اطراف الحدیث

کتابیات

قرآن مجید، صحیح بخاری، صحیح مسلم

دیگر کتب بترتیب (حروف تہجی)۔

آبِ حیات۔محمد حسین آزاد۔سنگِ میل پبلیکیشنز۔چوک اردو بازار۔لاہور

آثارالحدیث۔ڈاکٹر علامہ خالد محمود۔دارالمعارف، الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔لاہور

ابکارالمنن فی تنقید آثارالسنن۔عبدالرحمٰن مبارکپوری۔مکتبۃ ا۔ محلّہ جنگی۔پشاور

احیاءعلوم الدین۔امام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی۔دارالخیر۔بیروت

الادب المفرد ۔سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔مکتبۃ المعارف۔الریاض

الاذکار۔امام ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی۔مکتبہ دارالتراث۔المدینۃ المنورۃ

اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔پنجاب یونیورسٹی۔لاہور

اصولِ حدیث۔شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ۔امیر جماعت المسلمین۔ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔فیڈرل بی ایریا۔کراچی

الاعتصام۔ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی۔تحقیق حامد احمد الطاہر۔ دار الغد الجدید۔

اہلسنت والجماعت اور جماعت اہلحدیث کا اختلاف۔محمد پالن گجراتی۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔کراچی

الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر۔احمد محمد شاکر۔ مکتبہ دارالفیحاء۔دمشق ومکتبہ دارالسلام۔ریاض

اہلحدیث ایک صفاتی نام۔زبیر علی زئی۔

بکھرے موتی۔محمد یونس پالن پوری۔طاہر سنز پبلشرز۔اردو بازار۔لاہور

تاریخ اہلحدیث۔علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔اہلحدیث اکیڈمی۔لاہور

تاریخ حدیث۔ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔النبراس۔کراچی

تذکرہ اکابرین اہلحدیث۔عبدالرحمان ثاقب۔موسسۃ الخادم الخیریہ۔بھریا روڈ۔سندھ

الترغیب والترہیب۔حافظ عبدالعظیم المنذریؒ۔دار ابن کثیر۔بیروت

تسہیل الوصول الیٰ تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول۔حافظ زبیر علی زئی وعلامہ غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری۔نعمانی کتب خانہ۔اردو بازار۔لاہور

تفسیر ابن کثیر۔حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ۔دار السلام۔الریاض

تفسیر عثمانی۔علامہ شبیر احمد عثمانی

تفسیر فتح القدیر۔قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ۔دار احیاء التراث العربی۔بیروت

تفسیر قرآن عزیز۔شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ۔جماعت المسلمین۔کراچی

تفسیر کشاف۔علامہ زمخشری۔نشر البلاغہ۔قُم (ایران)

تفہیم القرآن۔سید مودودی۔سروسز بک کلب۔اسلام آباد

تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ۔علامہ ابوالوزیر احمد حسن محدث دہلوی و الشیخ ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلوی۔المجلس العلمی السّلفی۔شیش محل روڈ۔لاہور

توبۃ النصوح۔ڈپٹی نذیر احمد۔مجلس ترقی ادب، کلب روڈ۔لاہور

تھذیب الترمذی۔ابوالفتوح عبداللہ بن عبدالقادر التلیدی۔دار الفکر۔بیروت

تھذیب التھذیب۔حافظ ابن حجر العسقلانیؒ۔دار احیاء التراث العربی۔بیروت

جاء الحق۔مفتی الحاج احمد یار خاں نعیمی۔نعیمی کتب خانہ، چوک پاکستان۔گجرات

جامع ترمذی۔امام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ۔دار السلام۔الریاض

جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔شیخ الاسلام سید مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ۔امیر جماعت المسلمین۔کراچی

جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں۔جماعت المسلمین

جماعت اہلحدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف۔محمد پالن حقانی گجراتی۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ کراچی

حجۃ اللہ البالغہ۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔دار الکتب العلمیہ۔بیروت

حقیقۃ الفقہ۔الحافظ الحاج مولوی محمد یوسف جے پوری، بعد تصحیح و نظر ثانی از احمد داود راز۔ادارہ اشاعت دین۔مومن پورہ۔بمبئی

حنفی جواب۔مولوی فضل الرحمان دھرم کوٹی خطیب جامع مسجد قاسمی (بھاولپور)۔ادارہ مطبوعات انصار پاکستان۔شہر کا نام درج نہیں

الحیاۃ بعد المماۃ۔علامہ فضل حسین بہاری۔جامع اہلحدیث باغوالی۔سانگلہ ہل۔ضلع شیخوپورہ

حیاۃ الحیوان۔علامہ کمال الدین الدمیری۔ادارہ اسلامیات۔انارکلی۔لاہور

خون کے آنسو۔حکیم علامہ مشتاق احمد نظامی۔پروگریسو بکس۔اردو بازار۔لاہور

خیر الکلام فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام۔الحاج حافظ محمد صاحب گوندلوی۔مکتبہ نعمانیہ۔اردو بازار، گوجرانوالہ

دیوان غالب ۔مرزا اسداللہ خان غالب

رجال صحیح البخاری۔امام ابونصر احمد بن محمد بن الحسین البخاری الکلاباذی۔ مکتبۃ المعارف الریاض/دارالمعرفۃ بیروت

رحمۃ للعالمین۔علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور (۱۳۵۲ھ)۔

زادالمعاد۔حافظ ابن قیمؒ۔تحقیق الشیخ عبدالقادر عرفان العشّاء۔دارالفکر۔بیروت

زلزلہ۔ارشد القادری۔مکتبہ مظہر فیض رضا۔برج منڈی۔لائلپور

سبل السلام شرح بلوغ المرام۔محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت

سبیل الرسول۔حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی، تصحیح وتنقیح ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی۔ نعمانی کتب خانہ۔اردو بازار۔لاہور

سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۔ ناصرالدین البانی۔مکتبۃ المعارف۔الریاض

سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۔ناصرالدین البانی۔مکتبۃ المعارف۔الریاض

سنن ابن ماجہ۔امام محمد بن یزید بن ماجہؒ۔تحقیق محمود محمد محمود نصّار۔دارالکتب العلمیہ ۔بیروت

سنن ابی داؤد۔امام سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ۔مکتبہ ابن حجر۔دمشق۔

سنن دارقطنی ۔امام علی بن عمر الدارقطنی ۔علق علیہ مجدی بن منصور بن سید الشوری ۔دارالکتب العربیہ۔بیروت

سنن دارمی ۔امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام التمیمی السمرقندی الدارمیؒ۔دارالکتب العلمیہ ۔بیروت

السنن الکبریٰ۔امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی ۔مکتبۃ الرشد۔الریاض

سنن نسائی۔امام احمد بن شعیب النسائیؒ۔دارالسلام۔الریاض

سیرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔سعودی علماء۔ترجمہ از ظفر اقبال۔دارالمعرفہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار

سیرت البخاری۔دارالسلام۔الریاض

شجرہ خاندان مغلیہ عالیہ۔ڈاکٹر نعیم الدین مرزاؒ

شرح صحیح مسلم۔امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ۔مکتبۃ الغزالی دمشق و مؤسسۃ مناہل العرفان۔بیروت

شرح نخبۃ الفکر۔حافظ ابن حجر عسقلانی۔علق علیہ محمد غیاث الصبّاغ۔مؤسسۃ مناھل العرفان۔بیروت

شرف اصحاب الحدیث۔خطیب بغدادی۔جمعیۃ اہلحدیث گھر جاکھ ۔
ضلع گوجرانوالہ

شمائل ترمذی۔تحقیق محمد احمد حلاق۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت

شمائل ترمذی۔تحقیق محمد عبدالعزیز الخالدی۔دارالکتب العربیہ۔بیروت

الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول۔شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبد الحلیم بن عبدالسلام المعروف بابن تیمیہؒ۔نشر السنہ۔ملتان

صحیح ابن حبان۔امام ابوحاتم محمد بن حبان الخراسانیؒ۔دارالمعرفۃ۔بیروت

صحیح ابن خزیمہ۔امام ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہؒ۔المکتب الاسلامی۔بیروت

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ۔جماعت المسلمین

طیب الریاحین شرح منہاج المسلمین۔سید محمد سلیمان۔۳۸-۷،آئی ایٹ تھری۔
اسلام آباد

الظفر المبین۔مولوی ابوالحسن (محی الدین) سیالکوٹی۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔کراچی

علمِ حدیث اور اس کا ارتقاء۔قاری روح اللہ محمد عمر المدنی۔نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن۔پشاور۔مارچ ۱۹۸۹

علوم الحدیث۔ڈاکٹر صبحی صالح۔ترجمہ غلام احمد حریری۔مکتبہ کشمیر۔فیصل آباد

فتاویٰ رشیدیہ۔علامہ رشید احمد گنگوہی۔محمد علی کارخانہ اسلامی کتب۔اردو بازار۔
کراچی

فتاوی علماء حدیث۔ابوالحسنات علی محمد سعیدی۔مکتبہ سعیدیہ۔خانیوال

فتح الباری شرح صحیح بخاری۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔دارالریان۔بیروت

فتح المبین مع ضمیمہ تنبیہ الوہابیین۔محمد منصور علی۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔
کراچی

فتوحات اہلحدیث المعروف میزان مناظرہ۔حافظ عبدالقادر روپڑی۔محدث روپڑی اکیڈمی۔جامع اہلحدیث۔چوک دالگراں۔لاہور

فرہنگ آصفیہ۔سید احمد دہلوی۔مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ۔اردو بازار، لاہور

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔محمد عبدالرؤف المناویؒ۔دارالکتب العربیہ بیروت

القاموس المحیط۔مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی۔داراحیاء التراث العربی
بیروت

قانون الموضوعات والضعفاء۔علامہ محمد طاہر پٹنیؒ۔داراحیاء التراث العربی۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل۔حافظ عبدالمنان نورپوری۔

المکتبۃ الکریمیہ۔رائل پارک۔لاہور

القربۃ الیٰ رب العالمین بالصلاۃ علیٰ محمد سید المرسلین، ابوالقاسم خلف بن عبدالمالک بن بشکوال۔دارالکتب العربیۃ۔بیروت

کشف الخفاء۔الشیخ اسمٰعیل بن محمد العجلونی۔دارالکتب العلمیہ۔بیروت

لغات کشوری۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔کراچی

مجمع الزوائد۔حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ۔دارالکتب العلمیہ۔بیروت

مجموعۃ الفتاوی۔علامہ عبدالحی لکھنوی۔ایچ۔ایم سعید کمپنی۔ادب منزل۔پاکستان چوک، کراچی

محاضراتِ حدیث۔ڈاکٹر محمود احمد غازی۔الفیصل۔اردو بازار۔لاہور

مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف۔ابوالاقبال سلفی۔ادارہ مطبوعات سلفیہ۔راولپنڈی

مسئلہ فاتحہ خلف الامام۔حافظ زبیر علی زئی۔مکتبہ اسلامیہ۔فیصل آباد

المستدرک علی الصحیحین۔امام ابوعبداللہ محمد عبداللہ الحاکمؒ۔دارالمعرفۃ۔بیروت

مسند ابی یعلیٰ۔حافظ ابویعلی الموصلی التمیمیؒ۔دارالفکر۔بیروت

مسند امام احمد۔امام احمد بن محمد بن حنبلؒ۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت

مسند امام احمد۔امام احمد بن محمد بن حنبلؒ۔تحقیق شعیب الارنؤط وابراہیم الزیبق۔المؤسسۃ الرسالہ۔بیروت

مسند حُمیدی۔امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی۔اہلحدیث ٹرسٹ۔کراچی

مشاجرات صحابہ اور سلف کا موقف۔ارشادالحق اثری۔

مقالات حدیث۔علامہ محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ۔ام القریٰ پبلیکیشنز۔کمشنر روڈ۔فتومند۔گوجرانوالہ

مقدمہ ابن الصلاح۔امام ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہر زوریؒ۔دارالکتب العلمیہ۔بیروت

المنار المنیف۔حافظ ابن قیمؒ۔

المنجد فی اللغۃ۔دارالمشرق۔بیروت

منہاج المسلمین۔شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ۔امیر جماعت المسلمین۔کراچی

موجِ کوثر۔شیخ محمد اکرام۔سروسز بک کلب

مؤطا امام مالک۔امام مالک بن انسؒ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت

مؤطا امام محمد۔امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔کراچی

نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر۔حافظ ابن حجر عسقلانی۔بتحشیۃ الفاضل محمد عبداللہ الٹونکی۔میر محمد کتب خانہ۔آرام باغ۔کراچی

نسیم اللغات۔نسیم امروہوی۔شیخ غلام علی اینڈ سنز۔سرکلر روڈ۔لاہور

نصر الباری۔حافظ زبیر علی زئی۔مکتبہ اسلامیہ۔فیصل آباد

نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری۔علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری۔تقدیم شیخ الحدیث محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ۔ام القریٰ پبلیکیشنز،سیالکوٹ روڈ،فتومنڈ روڈ۔گوجرانوالہ

نظامی بنسری۔خواجہ حسن نظامی۔زاویہ پبلشرز،محی الدین بلڈنگ، لاہور

نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ۔علامہ محبّ اللہ شاہ راشد پیر جھنڈا۔مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ۔کورٹ روڈ۔کراچی

نور العینین۔حافظ زبیر علی زئی۔مکتبہ اسلامیہ۔فیصل آباد

نور اللمعہ فی خصائص الجمعہ۔حافظ جلال الدین سیوطیؒ

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔قاضی محمد بن علی بن محمد الشوکانی۔دار الجیل۔بیروت

واقعۂ جمل وافسانۂ جمل۔شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ امیر جماعت المسلمین۔کراچی

ہدایہ علماء کی عدالت میں۔حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی،مکتبہ عزیزیہ۔دال بازار۔منڈی لوہاراں۔گوجرانوالہ

ہدی الساری مقدمہ فتح الباری۔حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ۔دار الریان۔بیروت

ہدیۃ المسلمین۔حافظ زبیر علی زئی۔مکتبہ اسلامیہ۔فیصل آباد

The New Universal Library Encyclopaedia, International Learning System Corporation Ltd., London.